ابنِ صفی

لد نمبر
27

جاسوسی دنیا

82- الٹی تصویر

83- چمکیلا غبار

84- انوکھی رہزنی



پیشرس

"الٹی تصویر" حاضر ہے۔ کہانی آپ خود ہی پڑھ لیں گے اس لئے اس کے سلسلے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ البتہ کاغذ کے متعلق اتنی گذارش ضرور ہے کہ آپ فی الحال کاغذ کی اچھائی بُرائی دیکھنا چھوڑ دیجئے۔ اس بار اچھا کاغذ مل گیا حاضر ہے۔ آئندہ بھی اگر اچھا ہی ملا تو بخل سے ہر گز کام نہ لیا جائے گا۔ خدانخواستہ ہمارے یہاں نہ کاغذ کا قحط ہے اور نہ اس کی پیداوار ہی میں کمی ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ تر کاغذ اہم ترین قومی ضروریات پر صرف ہو رہا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم قناعت کریں۔

میں اپنے پڑھنے والوں کا بے حد مشکور ہوں کہ وہ مجھے میری خامیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اُن کے خطوط کے فرداً فرداً جوابات لکھنا پہلے بھی میرے بس سے باہر تھا اور اب بھی ہے۔ ویسے بعض خطوط کے جوابات اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ پیش لفظ میں کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے میرے ناول "خون کا دریا" کے متعلق پوچھا ہے کہ وہ بھی اوریجنل ہے یا نہیں کیونکہ ویسی ہی ایک کہانی گجراتی میں بھی ان کی نظروں سے گذری ہے.... گذارش ہے کہ "خون کا دریا" کی کہانی سو فیصدی میری ہی تخلیق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی گجراتی لکھنے والے بھائی نے میری گردن پر چھری پھیر دی ہو۔ اردو میں جو چھریاں پھیری جا رہی ہیں وہ تو آپ کی نظروں کے سامنے ہی ہیں۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ میری کتابوں کا ہندی میں ترجمہ ہوا، اور ہندی سے وہ پھر اردو میں منتقل ہوئیں لیکن اس تیسری جون میں مصنف کا نام تک ایک صاحب نے پوچھا ہے! "ربڑ کی عورت" میرے ناول "بے گناہ مجرم" کا ہندی ترجمہ ہے۔ کسی صاحب نے اردو میں اس کا دوبارہ ترجمہ کر ڈالا۔ میرے ساتھ ایسے لطیفے ہوتے ہی رہتے ہیں اور میں ان سے کافی محظوظ ہوتا ہوں، دیکھئے نا میرے پُر اسرار کرداروں ہی کی طرح بعض اوقات یہ کم بخت کتابیں بھی بھیس بدل کر آ کھڑی ہوتی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں شرلاک ہومز کی طرح کوکین کا انجکشن لے لوں یا عمران کی طرح چیونگم سے شغل فرماؤں۔

ابنِ صفی

۲۱/مارچ ۱۹۵۹ء

انٹرویو

نعیم نے عمارت کے سامنے رک کر ایک بار پھر انٹرویو کارڈ پر نظر ڈالی اور عمارت کے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف دیکھا جس پر تحریر تھا۔ "ڈاکٹر سعیدہ ایم۔ اے ڈی۔ لٹ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکسن۔"

اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسے یہیں پہنچنا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کہ اور بھی امیدوار ہوں گے۔ پھر اگر اسے ناکامی ہوئی تو کیا ہوگا۔ آج تین ماہ سے تو ملازمتوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اسے اس عام کہاوت پر یقین کر لینا پڑا تاکہ ملازمتوں کے اشتہارات تو دراصل جگہیں پُر ہو جانے کے بعد دیئے جاتے ہیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے! انٹرویو محض ڈھکوسلا ہوتا ہے۔

وہ دل ہی دل میں وہی سب دُعائیں دہرانے لگا جن کے سہارے پہلے بھی کئی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔

پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ایک بار پھر اس نے نیم پلیٹ کو بغور پڑھا اور وہیں کھڑے کھڑے بیرونی برآمدے پر نظر ڈالی جس کا فاصلہ پھاٹک سے تقریباً ڈیڑھ سو گز ضرور رہا ہوگا۔

"اوہو....!" اس نے سوچا۔ وہاں تو سناٹا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بلایا گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اس سے غلطی ہی ہوئی ہو۔ بھلا سنی سنائی باتوں کا کیا اعتبار.... مگر پھر یہ انٹرویو کارڈ کہاں سے آ گیا۔ اس نے جو کچھ بھی سنا تھا صحیح سنا تھا اور عرضی بھی بھیجی تھی.... عرضی قابل اعتبار نہ ہوتی تو انٹرویو کارڈ کیسے آتا۔

بہر حال وہ مطمئن بھی تھا اور ذہن کے کسی گوشے میں بے اطمینانی بھی لہریں لے رہی تھی۔

اس الجھن کا باعث یہ تھا کہ یہ کوئی اشتہاری ملازمت نہیں تھی بلکہ اس کا علم اسے اتفاقاً ہی ہوا تھا۔ ایک دن ملازمت کی تلاش میں کئی گھنٹے جوتیاں چٹخانے کے بعد ایک چائے خانے میں جا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد قریب ہی کی ایک میز پر دو آدمی آ بیٹھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بھئی ملازمت ہنسی کھیل تو ہے نہیں کہ گھر بیٹھے مل جائے گی، کچھ جدوجہد کرو۔ لوگوں کے پاس بیٹھو اٹھو! ملو ملاؤ، گھر پڑے رہنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے۔ ملازمت تھوڑا ہی تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہے، اچھا دیکھو.... ایلگن روڈ پر ایک ڈاکٹر سعیدہ ہیں.... نہیں پہلے تم یہ بتاؤ کہ اچھی اردو نثر لکھ سکتے ہو یا نہیں۔"

"کیوں نہیں....؟" دوسرے نے جواب دیا۔

"ادب سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ...." جواب ملا۔

"تب تو تم کام چلا لے جاؤ گے! خیر یہ ڈاکٹر سعیدہ اردو میں کچھ تحقیقی کام کر رہی ہیں اور انہیں ایک اچھی اردو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔ تم ایک عرضی روانہ کر دو، ورنہ اگر کہیں انہوں نے کسی اخبار میں اشتہار دے دیا تو درجنوں پہنچ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" میں آج ہی عرضی روانہ کر دوں گا۔ دوسرے نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان کا پتہ لکھوا دو۔"

اس نے پتہ ڈکٹیٹ کیا۔ جسے نعیم ذہن نشین کرتا جا رہا تھا.... تھوڑی دیر بعد اس نے بھی اپنی نوٹ بک میں وہی پتہ درج کر لیا اور اسی دن عرضی بھی روانہ کر دی۔ طالب علمی کے زمانے میں اسے صحافت سے بھی لگاؤ رہ چکا تھا۔ اردو نثر نگاری پر اُسے قدرت حاصل تھی اور وہ خود کو صاحب طرز بھی سمجھتا تھا۔

تین دن بعد عرضی کے جواب میں اسے بذریعہ ڈاک ایک انٹرویو کارڈ ملا جس پر انٹرویو کی تاریخ درج تھی۔

اور آج وہی انٹرویو کارڈ اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ ڈیڑھ سو گز لمبی روش طے کر کے وہ برآمدے میں آیا۔ لیکن یہاں قطعی طور پر سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمارت کا ہر حصہ

ویران ہو۔

دفعتاً بائیں جانب نظر اٹھی۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ چوکھٹ کے اوپر ایک تختی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔

"براہِ کرم گھنٹی کا بٹن دبا کر اندر تشریف رکھئے اور پانچ منٹ انتظار کی زحمت گوارا فرمایئے۔"

گھنٹی کا سوئچ بائیں طرف دروازے کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ وہ بٹن دبا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ڈرائنگ روم ہی تھا۔ صاف ستھرا اور سادہ طور پر سجا ہوا۔ صوفہ سیٹ نفیس اور آرام دہ تھا۔

پورے کمرے میں صرف ایک ہی بڑی سی تصویر تھی، مگر دیوار پر الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ یعنی صاحب تصویر کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر۔

یہ کسی معمر لیکن وجیہہ آدمی کی تصویر تھی، مگر اس کا الٹا لٹکا ہونا نعیم کی سمجھ میں نہ آسکا۔ کیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا؟ لیکن فریم الٹ کیسے سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے جان بوجھ کر الٹا لٹکایا گیا ہو۔ مگر کیوں؟

کیا یہاں کوئی پاگل آدمی رہتا ہے۔ یا اتنا لاپرواہ ہے کہ ایک تصویر بھی سیدھی نہیں کر سکتا۔

تصویر نے اسے الجھن میں ڈال دیا اور انتظار کے پانچ منٹ اس طرح گذر گئے کہ انتظار کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

پھر ایک خوبصورت سی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے میک اپ پر بہت زیادہ سرخی اور پاؤڈر صرف کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری دلکشی میک اپ ہی کی رہین منت رہی ہو، ورنہ ہاتھ پیروں سے تو خاصی معمر معلوم ہوتی تھی۔

نعیم اسے دیکھ کر احتراماً اٹھ گیا لیکن وہ تو دروازے ہی میں رک کر اسے اس طرح دیکھنے لگی تھی جیسے کوئی عجوبہ اس کے سامنے آگیا ہو۔

"بیٹھے بیٹھے" وہ یک بیک آگے بڑھ کر بولی۔ "یہ آپ کا ایک کان چھوٹا اور ایک بڑا کیوں ہے؟"

"جی....!" نعیم اس بے تکے سوال پر بوکھلا کر اپنے دونوں کان ٹٹولنے لگا۔ پھر جلدی سے ہاتھ نیچے گرا لئے۔ یہ بھی حماقت ہی تو تھی کہ وہ ایک بے تکی بات پر اپنے کان ٹٹولنے لگا تھا۔ پھر اسے اس سوال پر غصہ بھی آیا اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کان صرف سننے کے لئے ہوتے ہیں.... میں نے آج تک کسی کے کانوں کی ساخت پر غور نہیں کیا۔"

آپ تو بڑے چڑچڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح لال پیلے ہو رہے ہیں۔" عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کچھ نہیں! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں...." نعیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ملازمت کی تلاش میں نکلا تھا، اس لئے اسے ضبط و تحمل سے کام لینا چاہئے اس نے سوچا کہ اب وہ خود کو قابو میں رکھے گا۔ ویسے اگر ڈاکٹر سعیدہ یہی عورت ہے تو کسی حد تک زندگی ضرور تلخ کر دے گی۔

"ارے تو خاموش کیوں ہو گئے۔ میں آپ کے الفاظ واپس دیتی ہوں۔" اس نے اس طرح ہاتھ بڑھا کر مٹھی کھول دی جیسے اس کے الفاظ مٹھی ہی میں دبائے رہی ہو۔

نعیم نے بوکھلا کر اسے گھورا لیکن چہرے پر غیر سنجیدگی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ کسی پاگل ہی کے چکر میں آپھنسا ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں الٹی تصویر پر جم گئیں۔

پھر اس نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہائیں.... اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو...." اس نے حیرت سے کہا۔ "اوہ ٹھہرو! کیا یہی ترچھی نظر کہلاتی ہے؟"

"میں.... نن.... نہیں جانتا...." نعیم بہت زیادہ نروس ہو گیا۔

"آپ نہیں جانتے....؟" عورت نے حیرت سے کہا۔

"مجھے ڈاکٹر سعیدہ سے ملنا ہے محترمہ....!"

"تو پھر کیا میں ڈاکٹر چٹرجی ہوں...." عورت نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

"اوہو.... میں ملازمت کے لئے حاضر ہوا تھا محترمہ....!"

"ٹھیک ہے! مگر آپ ترچھی نظر نہیں جانتے۔"

"خدا کی پناہ.... کیا چھوٹے بڑے کانوں ہی پر معاملہ رفع دفع نہیں ہو سکتا۔" نعیم نے لمبی سانس لے کر پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا چلو تھوڑی دیر کی تفریح ہی سہی۔ یقیناً یہ عورت سنک گئی ہے۔

"ہوں.... اوں! ٹھہریئے۔" نعیم اس طرح چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی شعر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر جلد ہی شعر بھی اس کے ہونٹوں سے پھسلنے لگا۔

اے تیر نظر، تیر نظر دیکھ
یہ دل ہے یہ گردے یہ کلیجی یہ جگر دیکھ

"ہاں.... آں.... شعر ہی معلوم ہوتا ہے.... مطلب بتایئے۔"

"مطلب تو شاید میرے والد صاحب بھی نہ بتا سکیں..!" نعیم کی جھلاہٹ پھر بڑھنے لگی تھی۔

"تب پھر کیسے کام چلے گا۔"

"مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ کو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔" نعیم نے کہا۔

"اچھا تو کیا اشعار کا مطلب نظم میں بیان کیا جاتا ہے۔"

"اگر میں شاعر ہوتا تو میرے لئے یہ بھی کوئی مشکل بات نہ ہوتی۔"

"ہوں...؟" وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر پوچھا۔ "اردو کے جدید ترین ادباء میں سب سے ممتاز کون ہے۔"

"وہی جو سال بھر میں ساڑھے تین افسانے لکھ لیتا ہے۔ ڈیڑھ عدد غزلیں کہہ لیتا ہو اور ایک آدھ تنقیدی مضمون بھی لکھنے کی کوشش تو کرے۔ لیکن زندگی بھر کامیاب نہ ہو سکے۔"

"میں نام پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا ایسے کسی آدمی کا نام یاد رکھا جا سکتا ہے.... محترمہ....!"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے....!" عورت نے پوچھا۔

"آپ ڈی لٹ بھی ہیں اور پی ایچ ڈی بھی۔"

"میں اپنی ادبی خدمات کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آج تک آپ کی کوئی ادبی کاوش میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"اوہ.... آپ نے میری کتاب "ادب اور شتر مرغ" نہیں پڑھی! اس پر تو مجھے حکومت کی طرف سے انعام بھی ملا تھا۔"

"ادبی شتر مرغ تو بہت دیکھے ہیں میں نے لیکن ادب اور شتر مرغ....!"

"خیر....! اچھا بتایئے.... شتر گربہ کسے کہتے ہیں۔"

"ایسی بلی جو اونٹ کے برابر ہو....!"

"بکواس....!" عورت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر شتر مرغ بھی بکواس ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی میں نے یہی سنا ہے کہ وہ اونٹ کی سی گردن رکھتا ہے اور اسی کی طرح قد آور ہوتا ہے۔"

"واہ کیا منطق ہے۔"

"غلط ہو تو گردن اڑا دیجئے....!" نعیم بولا۔ وہ بالکل تفریح کے موڈ میں آ گیا تھا۔ ملازمت گئی جہنم میں۔

"آپ سنجیدگی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اسی لئے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

"آپ نے پھر کانوں کی بات چھیڑ دی...." اس بار نعیم کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میں کسی ایسے آدمی پر اعتماد نہیں کر سکتی جس کے کان چھوٹے بڑے ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں....!"

اس کی نظر ایک بار پھر الٹی تصویر کی طرف اٹھ گئی، لیکن عورت اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ نظر آ رہی تھی جیسے وہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو، قطعی پاگل ہے۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



نعیم پر اگر اس کے خاندان کی ذمہ داریاں بھی ہوتیں تو شاید اسے خودکشی ہی کرنی پڑتی! آج جیب کا آخری پانچ کا نوٹ بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ لیکن آج کے انٹرویو نے اس کے ذہن پر کوئی برا اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ اسے تو چاہئے تھا کہ اس نامعقول عورت کو سر پیٹنے اور کتیوں کی طرح حلق پھاڑنے پر مجبور کر دیتا۔ ڈاکٹر سعیدہ ایم۔اے ڈی لٹ پی۔ایچ۔ڈی؟ اتنا پڑھ لکھ جانے کے بعد بھی یہ عورتیں خود میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتیں.... مگر وہ تو پاگل تھی.... پھر وہ دونوں گدھے کون تھے؟ جن کی گفتگو سن کر وہ ملازمت کے لئے اپلائی کر بیٹھا تھا۔

وہ آئینے پر تیکھی نظریں جمائے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ اچانک ایک نیا خیال اس کے ذہن میں کلبلایا.... وہ اس کی مالی حالت بہتر بنا سکتی ہے۔ یقیناً مالدار ہو گی۔ اوہ ٹھیک ہے.... وہ اس سے عشق شروع کر دے.... اس کی عمر چالیس سال سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی اور خود اس نے تو ابھی چوبیسویں سال میں قدم رکھا ہے.... اگر وہ بالکل ہی پاگل نہیں ہے تو متحیر ضرور رہ جائے گی۔ اور پھر جب تحیر زدگی کا وقفہ ختم ہو گا تو.... پھر.... اوہ تجربہ تو کرنا ہی چاہئے۔

دوسرے دن خود بخود اس کے قدم اسی عمارت کی طرف اٹھ گئے۔

لیکن آج پھاٹک بند نظر آیا۔ جس میں بڑا سا قفل بھی لٹک رہا تھا۔

اسے اپنی اس حماقت پر جھنجھلاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ حماقت ہی تو تھی۔ خواہ مخواہ دوڑا آیا تھا۔ گویا جیب میں پڑی ہوئی ایک روپیہ گیارہ آنے کی رقم اتنی ہی تشفی بخش تھی کہ وہ تفریحی قسم کی عشق بازیوں کے لئے دوڑتا رہتا.... مگر وہ تو.... مالی حالت مستحکم کرنے ہی کا معاملہ تھا۔

بہرحال وہ ہاتھ جھلاتا ہوا واپس ہو ہی رہا تھا کہ ایک آدمی جھپٹتا ہوا اس کی طرف آیا۔

"کہئے.... جناب....!" اس نے دانت نکالے.... یہ ایک پستہ قد اور کمزور جسم کا آدمی تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے اور پلکیں متورم سی معلوم ہوتی تھیں۔

"کیوں....؟" نعیم نے نیچے سے اوپر تک اس کا جائزہ لیا۔

"آپ یہاں کھڑے تھے.... میں نے کہا شاید۔" وہ اپنا سر کھجانے لگا۔

"ہاں ہاں.... میں یہاں کھڑا تھا.... تو پھر....!"

"میں نے کل بھی آپ کو یہاں دیکھا تھا.... مطلب یہ کہ اس کی کنجی شاید آپ ہی کے پاس ہے۔ میں دراصل مکانوں کی دلالی کرتا ہوں۔"

"میرے پاس کیوں ہونے لگی اس کی کنجی۔" نعیم آنکھیں نکال کر بولا۔

"اوہ.... تو پھر آپ خرید رہے ہیں اسے۔ کل میں نے آپ کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔ سودا نہیں ہوا شاید کیوں؟"

"کیا ڈاکٹر سعیدہ اسے فروخت کرنے والی ہیں۔"

"ڈاکٹر سعیدہ....!" دلال نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کیوں....؟" نعیم اس کی حیرت پر خود بھی متحیر نظر آنے لگا تھا۔

"ارے.... ڈاکٹر سعیدہ کہاں؟ اسے مرے ہوئے تو ایک سال گزرا.... یہ بھی اس کے وارثوں کی سنک ہی ہے کہ اس کے نام کی تختی آج بھی پھاٹک پر لگا رکھی ہے۔"

"ڈاکٹر سعیدہ مر چکی ہے۔" نعیم نے حیرت سے دہرایا۔

"ایک سال پہلے کی بات ہے۔ موت پراسرار طور پر ہوئی تھی۔ بس کھڑے کھڑے گری تھی اور مر گئی تھی.... یہیں اسی عمارت میں۔ تب سے یہ عمارت خالی پڑی ہوئی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو یار... ابھی کل ہی تو میں نے ڈاکٹر سعیدہ سے گفتگو کی تھی۔" نعیم ہنس پڑا۔

اس آدمی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے دل ہی دل میں کوئی بڑی گندی سی گالی دی ہو۔

"کیوں مذاق کرتے ہو۔" اس نے بیزاری اور جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور ایک طرف مڑ گیا۔

"ذرا سنئے تو سہی مسٹر۔" نعیم نے اسے روکا۔

"ہوں...." وہ رک کر مڑا مگر بیزاری سے ہونٹ سکوڑے ہوئے تھا۔

"یقین کرو! ڈاکٹر سعیدہ نے مجھے خط لکھ کر بلایا تھا۔ ملی تھی تم نے تو کل مجھے یہاں دیکھا ہی تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو دوست....!" اجنبی بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا، جس میں شاید خوف کی بھی ہلکی سی آمیزش تھی۔

"اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو تحقیقاتی کاموں میں مدد دے سکے۔"

"میرے خدا....!" اجنبی حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ پھر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

"پچھلے سال اس نے اسی طرح ایک آدمی کو بلایا تھا، غالباً ملازمت کے لئے اور اسی کے سامنے مر گئی تھی۔ اوہ مجھے دیر ہو رہی ہے.... معاف کیجئے گا۔"

وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لاش اور تصویر

کرنل فریدی اپنے آفس میں ایک فائل پر جھکا ہوا پنسل سے نشانات لگا رہا تھا، اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... یس فریدی اسپیکنگ! اوہ آپ ہیں.... آداب.... ارے کب.... ہاں ہاں میں سرو حید کو جانتا ہوں.... آپ وہیں ہیں!.... کیا فرمایا.... ارے.... آخر یہ کیوں؟.... اوہ.... سوراخ.... ہوں.... عجیب بات ہے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا.... حمید اپنی ڈیسک پر بیٹھا کسی کے سلسلے میں آئے ہوئے فنگر پرنٹس ترتیب دے رہا تھا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"تم نے سر پیٹنے کی عادت ترک کر دی ہے شاید۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"کوئی کیس؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے.... کیس اور ایسا ہی کہ شاید موجودہ ذہنی رفع ہو جائے۔"

"یا خدا ادھر کے جسمانی جمود کی خیر ہو....." حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ وحید کا کیا قصہ ہے۔ کیا اس کی بلیوں کو صبح سے چھینکیں آ رہی ہیں۔ میں شاید اس آدمی کے با میں کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو؟"

"پہلے آپ بتایئے کیا بات ہے!"

"سر وحید مر گیا۔"

"گفتگو کے انداز ہی سے مترشح ہو رہا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور وہ شریفوں کی طرح ہرگز نہ مرا ہو گا! ورنہ ہمیں کیوں اطلاع ملتی۔"

"ابھی تمہیں اس پر اور زیادہ غصہ آئے گا۔" فریدی مسکرایا۔ "کیونکہ وہ صحیح الدماغ آد کی طرح بھی نہیں مرا.... ڈی۔ آئی۔ جی صاحب تھے فون پر۔ وہ وہیں ہیں۔"

"مگر یہ مرنے کا کون سا وقت ہے۔" حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "سوا چار بج ر ہیں اسے چائے کا وقت کہتے ہیں۔"

"اٹھو....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں کہتا ہوں تشریف رکھئے۔" حمید نے ڈیسک پر ہاتھ مار کر کہا۔ "یہیں کچھ زہ کر لیں۔"

پھر اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا....

"تم زہر مار کرتے رہو۔" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "لیکن ٹھیک پونے پانچ بجے و مینشن پہنچ جانا۔"

ادھر وہ آفس سے نکلا اور ادھر حمید نے چپراسی کو طلب کر کے کینٹین سے چائے منگوائی۔

وہ سر وحید کے متعلق سوچ رہا تھا۔

چائے اس لئے منگوائی تھی کہ فریدی کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ کر رات کا کھانا بھی گول ہو سکتا تھا اور سر وحید کے متعلق سوچنا اس لئے ضروری تھا کہ ابھی حال ہی میں اس سے ہائی سرکل نائٹ کلب میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

تعارف ایک ایسے آدمی نے کرایا تھا، جو دونوں کا مشترکہ دوست تھا۔ اس نے سر وحید کو بتایا تھا کہ کیپٹن حمید کو بکروں سے عشق ہے۔

"آہا.... بہت اچھے۔" سر وحید نے اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحہ کیا تھا۔ اس پچھتر سالہ بوڑھے کی آنکھوں میں حمید کو ایسی ہی شوخیاں نظر آئی تھیں جیسی شریر بچوں کی آنکھوں سے جھلکتی ہیں اور پھر وہ بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں بکروں کے متعلق گفتگو کرنے لگا تھا اور حمید نے سوچا تھا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا اسے گھس رہا ہے۔

کسی بات پر اُس نے چڑ کر حمید پر زبان بھی نکالی تھی۔ پھر لڑکیوں کی گفتگو شروع ہو گئی تھی اور حمید کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے.... کیونکہ گفتگو کا ماحصل یہی تھا کہ لڑکیاں اب بھی اس پر عاشق ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک نہیں کئی ایسے واقعات بتائے تھے کہ حمید کو اپنی جوانی دو کوڑی کی معلوم ہونے لگی تھی۔

پھر وہ اس کی میز سے اٹھ گیا تھا اور تعارف کرانے والے نے حمید کو اس کے متعلق حیرت انگیز قسم کی باتیں بتائی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک تو یہی کہ وہ روزانہ ٹھیک تین بجے سر کے بل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا خواہ اس وقت وہ اجنبیوں کے درمیان ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین اور چار کے درمیان کبھی گھر سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

بہرحال حمید نے اس کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ اس کا ایک آدھ اسکریو ضرور ڈھیلا ہے۔

اور اب اس وقت فریدی نے اس کی موت کی خبر سنائی.... گو وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا، لیکن موت کی اطلاع کا اس کے محکمے تک پہنچنا ہی اس پر دلالت کرتا تھا کہ موت غیر معمولی حالات میں ہوئی ہے۔

اس نے جلدی جلدی دو تین پیالیاں حلق سے اتاریں اور چائے ختم کر کے اٹھ گیا۔

وحید مینشن ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ شہر میں مشہور بھی تھی.... اور سر وحید
شمار بڑے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خود عملی طور پر کاروبار سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے بیٹے پوتے ہی بزنس میں ہیں۔

لوگوں کو اس کی زندگی سے دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اس وقت کیپٹن حمید نے وحید مینشن کے قریب ایک جم غفیر دیکھا۔ جس میں خال خال سرخ ٹوپیاں بھی نظر آ رہی تھیں... ایک کانسٹیبل اس کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔

بالآخر وہ فریدی تک پہنچ ہی گیا.... واردات وحید مینشن کی تیسری چھت پر ہوئی تھی جس کے گرد صرف سات فٹ اونچی چہار دیواری تھی۔ بس اسے کھلی چھت ہی کہنا چاہئے۔

یوں تو اس وقت وحید مینشن میں کئی آفیسر موجود تھے۔ لیکن تیسری چھت پر فریدی اور محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔

لاش اب بھی وہیں موجود تھی اور اُسے ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔

حمید ڈی۔ آئی۔ جی کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ "دیواریں سات فٹ اونچی ہیں اور مرنے والے کا قد پانچ فٹ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"گھر والوں کا بیان ہے کہ چھت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"حادثے کی اطلاع انہیں کیسے ہوئی تھی۔"

"اس کی چیخ سن کر.... اس کی بڑی لڑکی اوپر آئی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ساکت ہو چکا تھا۔"

"لاش کو کسی نے اصل جگہ سے ہٹایا تو نہیں۔"

"نہیں اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔"

"تب پھر لاش کی پوزیشن یہی بتاتی ہے کہ وہ دیوار پر نہ چڑھا ہو گا۔ ایسی صورت میں تو لاش کو دیوار سے کئی گز کے فاصلے پر ہونا چاہئے تھا۔"

حمید نے لاش کا پھر سے جائزہ لیا۔ اس کا سر دیوار ہی کی طرف تھا اور وہ دیوار سے زاویہ قائم

رہی تھی۔ سر اور دیوار کا فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا۔

دفعتاً فریدی نے مڑ کر کہا۔ "فنگر پرنٹ والوں کو بلا لو۔"

حمید انہیں دوسری منزل پر دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اس لئے تلاش کرنے میں دیر نہیں لگی....!

لیکن خلاف توقع فریدی نے جلد ہی کام ختم کرا دیا۔ نہ تو وہاں اس نے کسی مسئلے پر کسی سے بحث کی تھی اور نہ معاملہ کو طول دیا تھا۔ حتیٰ کہ حمید اس کی گفتگو سے حادثے کی نوعیت کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔

اور واپسی پر بھی فریدی خاموش ہی رہا۔ حمید نے چاہا کہ اس حادثے کے متعلق گفتگو چھیڑے، لیکن فریدی نے سر ہلا کر اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا تھا۔



نعیم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور نظر اخبار کے پہلے ہی صفحے پر چھپی ہوئی تصویر پر تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں ملیں اور پھر تصویر کو گھورنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں پر دھند سی چھا رہی تھی۔

یہ تصویر وہی تو تھی جسے اس نے تین دن پہلے ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی میں الٹی لٹکی ہوئی دیکھا تھا اور اب اسے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا؟ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار سر وحید جس کی کئی فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملیں ملک کے مختلف حصوں میں قائم تھیں۔

خبر کے مطابق وہ پچھلی شام اپنی چھت پر سر کے بل کھڑا ہوا تھا کہ اچانک اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا جس سے خون ابل رہا تھا۔ پھر اسکی چیخ سن کر اوپر پہنچنے والوں نے اسے مردہ ہی پایا تھا۔

مگر وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا؟ نعیم خبر ادھوری ہی چھوڑ کر سوچنے لگا۔ تصویر الٹی لٹکی ہوئی تھی.... اور وہ سر کے بل کھڑا ہوا تھا.... مگر کیوں؟

خبر میں آگے کہا گیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے اس کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی نکالی ہے.... اوہ.... قتل؟.... مگر سر کے بل کھڑا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اکتا کر اس واقعہ کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا.... ہو گا کچھ؟ اسے فلیٹ کے کرائے کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

تین ماہ سے چڑھے ہوئے کرائے کا خیال آتے ہی پٹھان چوکیدار کا خونخوار چہرہ بھی آنکھوں میں پھر گیا۔

اس ماہ اس نے سات دن کی مہلت دیتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر تین ماہ کا کرایہ مدت گذرنے کے بعد نہ ملا تو وہ اس کا سامان نکال کر سڑک پر پھینک دے گا۔ مدت ختم ہونے میں تین دن اور رہ گئے تھے۔ اگر ان تین دنوں میں اسے کہیں ملازمت مل بھی جاتی تو تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا انتظام کہاں سے ہو سکتا تھا۔

تو پھر کیا کرے۔ اس بد تمیز آدمی کا پیٹ پھاڑ دے، جو کرایہ وصول کرنے کے سلسلے میں دھمکیاں دیتے وقت اس کی سفید پوشی کا بھی خیال نہیں رکھتا۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن پھر ڈاکٹر سعیدہ، الٹی تصویر اور سر وحید کی طرف بھٹک گیا۔ آخر وہ کیا چکر تھا؟

اس نے ڈاکٹر سعیدہ کے ورثاء کا پتہ لگانے کی کوشش کی اور اس دوران میں اس اجنبی کے بیان کی تصدیق بھی ہو گئی تھی جس سے کوٹھی کے قریب گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ڈاکٹر سعیدہ کی موت حیرت انگیز طور پر ہوئی تھی۔ نعیم ہی کی طرح پچھلے سال بھی کسی ضرورت مند نے کہیں ڈاکٹر سعیدہ کی ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی اور اسی کوٹھی میں انٹرویو کے لئے اسے طلب کیا گیا تھا.... اور ڈاکٹر سعیدہ اس سے گفتگو کرتے وقت ختم ہو گئی تھی۔

پھر کیا.... پھر کیا.... وہ ڈاکٹر سعیدہ کی روح تھی؟

وہ روحوں کا قائل تھا نہیں۔

بھوت پریت کی کہانیاں اسے مضحکہ خیز معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن پھر یہ سب کیا تھا....؟

کچھ دیر بعد الجھن اتنی بڑھی کہ اس نے لباس تبدیل کیا اور ایک بار پھر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس کی رفتار سست پڑنے لگی۔ آخر وہاں کیا ملے گا؟ اس نے سوچا! وہاں کیوں جا رہا ہے.... لیکن دوبارہ وہاں جانے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا تھا؟ کیا یہ بھی حماقت ہی نہیں

تھی؟ اخبار میں وہ تصویر دیکھ لینے کے بعد، جو اس عمارت میں الٹی لٹکی نظر آئی تھی ادھر کا رخ کرنا دانش مندی تو نہیں....!

ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت بن جانے سے کسی کو دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن اس سرمایہ دار کی موت میں تو پولیس بھی دلچسپی لے رہی ہے۔ پتہ نہیں آئندہ حالات کا رخ کیا ہو۔ اگر کسی طرح وہ اس معاملے میں ملوث ہو گیا تو کیا ہوگا۔

دفعتاً وہ غیر ارادی طور پر ایک گلی میں مڑ گیا....

"او میاں.... او بھائی صاحب ذرا ٹھہریئے گا...." کسی نے آواز دی۔ ضرور نہیں تھا کہ آواز اسے ہی دی گئی ہو.... لیکن وہ رک کر مڑا تھا۔

اور پھر اسے وہی آدمی نظر آیا جس سے اس کوٹھی کے قریب ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ نعیم بوکھلاہٹ میں اس کے ساتھی کا تفصیلی جائزہ نہ لے سکا۔

"اوہ.... بڑے بھائی...." مکانوں کا دلال ہانپتا ہوا بولا۔ "ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔"

نعیم کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ حالانکہ پچھلے دن اس نے اس سے الٹی تصویر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"کیوں....؟" نعیم جی کڑا کر کے اسے گھورنے لگا۔

"خفا کیوں ہوتے ہیں جناب! کیا میں نے کوئی گستاخی کی ہے۔"

"میں سڑکوں پر اس طرح پکارا جانا پسند نہیں کرتا۔" نعیم کا لہجہ غصیلا تھا

"معاف کیجئے گا جناب۔" دلال کے ساتھی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا "واقعی یہ بڑی بد تمیزی ہے کہ کسی شریف آدمی کو اس طرح گلی کوچوں میں آواز دی جائے.... لیکن مجبوری۔"

اب نعیم نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک بھاری بھرکم اور شاندار آدمی تھا۔ قیمتی لباس اور انگلیوں میں پڑی ہوئی انگشتریوں سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی خوشحال آدمی ہے۔

نعیم نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں نہیں سمجھا؟"

"میں آپ کے قدموں پر سجدہ کرنا چاہتا ہوں...." بھاری بھرکم آدمی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اگر ان کا بیان صحیح تھا" اس کا اشارہ مکانوں کے دلال کی طرف تھا۔

"کیا مطلب....!"

نعیم اور زیادہ بوکھلا گیا۔

"یہاں نہیں! کیا ہم بیٹھ نہیں سکتے۔" شاندار آدمی بولا۔

"ارے ہاں.... آیئے آیئے جناب۔ نارویز میں بیٹھیں گے۔" دلال جلدی سے بولا۔

وہ گلی سے پھر سڑک پر آگئے۔

نعیم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا شروع ہونے والا ہے۔ اس نے اس کے قدموں پر سجدہ کرنے کی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔

نارویز ایک اوسط درجے کا ریستوران تھا.... دلال نے ایک میز منتخب کی، جس کے قریب کی میزیں خالی پڑی تھیں۔ وہ بیٹھ گئے۔

نعیم نے کہا۔ "آپ لوگ مجھے الجھن میں کیوں مبتلا کر رہے ہیں۔"

"اچھا تو میں اب چلوں جناب۔" دلال یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں! بیٹھو بیٹھو۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

مگر دلال نے کچھ ایسے عذر پیش کئے کہ ساتھی زیادہ زور نہ دے سکا۔ اس کے چلے جانے پر اس نے نعیم سے کہا۔

"آپ نے میری سعیدہ کو دیکھا ہے؟"

"آپ کی سعیدہ....؟" نعیم نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

"ہاں میری سعیدہ....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

نعیم نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لرزش دیکھی.... اور متحیر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے پوچھا۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کو اس کوٹھی میں انٹرویو کے لئے طلب کیا گیا تھا۔"

"جی ہاں....!"

"آپ کو معلوم کیسے ہوا تھا کہ ڈاکٹر سعیدہ کو کسی آدمی کی ضرورت ہے۔"

"کسی چائے خانے میں دو آدمیوں کے درمیان گفتگو سن کر۔"

"اوہ.... بالکل وہی.... بالکل وہی۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کی روح بے چین ہے.... اس کی روح بے چین ہے۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔"

اس آدمی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا.... نعیم کی الجھن اور بڑھ گئی۔

دفعتاً اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ایک مجبور آدمی کا مضحکہ اڑانا اچھی بات تو نہیں مسٹر۔ پہلے مجھے اس عمارت میں بلا کر بے وقوف بنایا گیا، اب آپ پتہ نہیں کس مقصد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"مجھے معاف کردو میرے دوست.... میں بھی ایک مجبور آدمی ہوں۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایک بدنصیب آدمی۔ یہ رہا میرا کارڈ....!"

"پرنس ایچ توقیر سی۔ بی۔ ای۔"

"کیا....؟" نعیم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا.... یہ تو بہت مشہور آدمی تھا۔ پولو کا نامور کھلاڑی اور شہر کا ایک بڑا دولت مند۔

"بیٹھو دوست....!" میں تمہیں دوست کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میری سعیدہ کی روح نے تمہیں منتخب کیا تھا۔

نعیم بیٹھ گیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا.... "آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم.... وہ عمارت خرید لو۔"

نعیم ہکا بکا رہ گیا۔

وہ اس عمارت کو خرید لے....!

اس کا دل چاہا کہ وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگائے۔

دولت مند چوکیدار

کرنل فریدی کے سامنے جائے واردات کی تصویریں بکھری ہوئی تھیں اور حمید دور بیٹھا اس انداز میں پائپ کے کش لے رہا تھا۔ جیسے بالکل ہی فارغ البال ہو کر بیٹھا ہو۔

"سنو....!" دفعتاً فریدی سر اٹھائے بغیر بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" حمید کسی ضدی بچے کی طرح سر ہلا کر بولا۔

"میں ایسے گدھوں کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتا جنہیں شریفوں کی طرح مرنا بھی نہ آتا ہو۔ میں کہتا ہوں سر کے بل کھڑے ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"تمہیں چین سے بیٹھے نہیں دیکھنا چاہتے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں پاگل تھا۔"

"لیکن کسی پاگل کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی کا نکلنا پاگل پن نہیں ہو سکتا جب کہ خودکشی بھی نہ ثابت کی جا سکی ہو۔"

"اس کی کھوپڑی نیچے تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اور دیواریں سات فٹ اونچی ہیں پھر گولی کہاں سے آئی تھی۔ کسی نے فائر کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔"

"اور دیواروں میں بھی کہیں کوئی سوراخ نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"تو اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔"

فریدی پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

"یا خدا اگر وہ کوئی غیبی گولی رہی ہو تو.... تو ہی بتا دے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"پھر کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وحید مینشن کی پشت پر ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے، جس کا کچھ حصہ استعمال کے قابل ہے اسی قابل استعمال حصے میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے۔"

"اور وہ بوڑھا آدمی سر وحید کا قاتل ہو سکتا ہے۔" حمید بول پڑا۔

"پھر بکواس کی۔" فریدی جھنجلا گیا۔ "اس بوڑھے آدمی سے جان پہچان پیدا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ تم ایئر گن لے کر اس کے بے ترتیب باغ میں شکار کھیلنا شروع کر دو۔"

"لیکن اس سے جان پہچان پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... وہ ہے کون؟"

"ایک جھکی! ریٹائرڈ ماہر آثار قدیمہ.... کسی زمانے میں شعبہ آثار قدیمہ کا ایک آفیسر تھا۔"

"اور اب خود بھی دیکھنے کی چیز بن کر رہ گیا ہوگا۔" حمید نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے کہا اور پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک کاغذ پر ہندسے بھی

لکھ کر کاٹتا جا رہا تھا۔

"ایک بات اور...." حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اس سے کسی مسئلہ پر شریفوں کی طرح گفتگو نہیں کی جا سکتی کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھکی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے کسی طرح دوستی پیدا کرو۔ ایسی دوستی کہ تمہارے وقت کا کچھ حصہ اس کے ساتھ بھی گذرنے لگے۔"

"بھئی بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ مجھے چڑیا گھر کے کسی ایسے کٹہرے میں بند کرا دیں، جہاں آس پاس دو چار سال خوردہ بندر بھی ہوں.... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر آپ براہِ راست تفتیش کرنے کی بجائے آڑے ترچھے راستے کیوں اختیار کرتے ہیں۔"

"وقتی ضرورت...." فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "دفع ہو جاؤ...." پھر دفعتاً مسکرا کر بولا۔ "تمہیں افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن ٹھہرو! مقصد بوڑھے کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا۔ اور ہاں.... وہ خود کو ایک کہنہ مشق شاعر بھی سمجھتا ہے۔"

"مرا بے موت....!" حمید کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "حالات ہی ایسے ہیں کہ مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا.... براہِ راست پوچھ گچھ سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکتا۔ اس پر یقین رکھو کہ گولی اسی ٹوٹی پھوٹی عمارت کی طرف سے آئی تھی۔"

"کیسے ممکن ہے.... کیا دیوار توڑ کر آئی ہو گی.... آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کہیں ایسے نشانات نہیں ملے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ دیوار پر چڑھا ہوگا۔"

"ہوں.... اچھا یہی بتا دو کہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا کرتا تھا۔"

"پیروں کے بل کھڑے ہونے سے سر میں درد ہو جایا کرتا تھا۔" حمید جھنجلا گیا۔ "آخر آپ اس کے اس پاگل پن کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ کیا سر کے بل کھڑے ہونے سے کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہوگا۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں کیوں سوچ رہے ہیں! میں کہتا ہوں کسی نے اس کے پاگل پن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے خاندان ہی کے کسی فرد نے ایسا کیا ہو۔ اسے اس وقت گولی

اردی ہو، جب وہ عادت کے مطابق سر کے بل کھڑا ہونے تیسری چھت پر گیا ہو۔ نشانات مٹادیئے ہوں....اور....؟"

"تیسری چھت کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی۔"

"قفل کی دوسری کنجی بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی پہلے ہی سے وہاں چھپا رہا ہوگا۔"

"اس کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ایک وہ جو وہاں پہلے جاکر چھپ جائے اور دوسرا، جو اس کے وہاں پہنچ جانے پر دوبارہ دروازہ مقفل کردے۔"

"چلئے دو ہی سہی....!"

"اور....وہ گھر ہی کے لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"ہونے دیجئے....اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔"

"ہوں! لیکن میں فی الحال صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سر وحید کو اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے کیوں اتنی دلچسپی تھی۔"

"اوہ....تو آپ کو اس کے اس طرح مرجانے کی پرواہ نہیں ہے۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو....جہاں وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا وہیں دیوار میں ایک سوراخ بھی موجود ہے۔"

"مجھے تو نہیں نظر آیا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھو! نظر نہ آئے تو مجھے گولی مار دینا۔" فریدی نے کہا۔

"میں سچ مچ کھڑا ہو جاؤں گا...." حمید نے دھمکی دی۔

"وہ ایک مخصوص جگہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا، اور دیوار کا سوراخ اس کی آنکھوں سے صرف چھ انچ کے فاصلے پر ہوتا تھا۔"

"میں کہتا ہوں مجھے کہیں بھی کوئی سوراخ نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"اگر تم اسی جگہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ، جہاں وہ کھڑا ہوتا تھا تو سوراخ ضرور نظر آئے گا۔"

"اوہ...." حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "کوئی میکنزم....!"

"خیر....عقل تو آئی! دیر ہی سے سہی۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔

"ہاں میکنزم! اس جگہ دباؤ پڑنے سے دیوار میں چھت کی سطح سے ایک تین انچ اونچی اور چار انچ چوڑی خلاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اب کہو۔ وہ سر کے بل کھڑا ہونا بے مقصد تو نہیں ہو سکتا۔"

"اب تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ یعنی کہ وہ پچھلے دس سال سے وہاں بلاناغہ سر کے بل کھڑا ہوتا آیا تھا۔"

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"فی الحال اس چکر میں نہ پڑو....!"

"اچھا تو وہ ماہر آثارِ قدیمہ....!"

"اس کا نام نصرت ہے....سر وحید کے قتل سے ایک دن پہلے اس نے ہمارے محکمے کو مطلع کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"یعنی نصرت کی زندگی....!"

"ہاں....!"

"آخر کس بناء پر اسے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔"

"کچھ نامعلوم آدمی اکثر خواہ مخواہ اس سے جھگڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ دراصل اسے قتل کردینے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"کہیں وہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے نہ سمجھ لے....ظاہر ہے کہ میں اس کے باغ میں ایئر گن چلاؤں گا، اس کی اجازت حاصل کئے بغیر۔"

"یہی تو معلوم کرنا ہے کہ اس کی اس شکائت میں کہاں تک صداقت ہے جب کہ اس کی بجائے سر وحید قتل کردیا گیا۔"

"مگر فائر کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔"

"فائر نصرت کی عمارت ہی سے کیا جاسکا ہوگا اور اس کے لئے ایک مخصوص جگہ استعمال کی گئی ہوگی! ورنہ اس چھوٹے سے سوراخ سے گولی کا گذر کر ٹھیک پیشانی پر بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ فائر کی آواز ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رائفل سے سائیلنسر اٹیچ رہا ہو۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلاتا ہوا اٹھ گیا۔



"میں.... وہ.... عمارت خرید لوں۔"

نعیم آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر ہنس پڑا۔ ہنستا رہا اور بولا۔ "آپ جانتے ہیں جناب! میں وہا ملازمت کے لئے گیا تھا۔"

"تو اس سے کیا....؟"

"اگر میں اس عمارت کو خریدنے کی حیثیت رکھتا....!"

"اوہ تم غلط سمجھے دوست.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں! یہ ایک لمبی کہانی ہے.... سعیدہ روح بے چین ہے۔ میں اُسے کیسے سکون بخشوں.... میرے خدا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھ کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر طویل سانس لے کر بولا۔

"سعیدہ کے ورثاء وہ عمارت میرے ہاتھ کبھی فروخت نہ کریں گے۔ وہ مجھ سے خار کھا ہیں۔ میرا نام درمیان میں آتے ہی بھڑک اٹھیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہار نام سے خریدا جائے.... تم ہی سودا کرو۔"

"آپ میری بجائے کسی دوسرے سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں۔"

"اوہ.... مگر پھر سعیدہ کی روح نے تمہیں ہی کیوں منتخب کیا تھا۔ ارے حالات میں کہ مشابہت ہے.... اس آدمی نے بھی یہی بتایا تھا کہ کسی چائے خانے ہی میں اس نے بھی ا ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی۔ میری مراد اس آدمی سے ہے، جس کی موجودگی م سعیدہ کا ہارٹ فیل ہوا تھا۔ سنو دوست سعیدہ بھی مجھے بے حد چاہتی تھی.... ایک بڑی جائیداد تنہا مالک تھی اس لئے اس کے اعزہ نے چاہا کہ وہ خاندان ہی میں شادی کرے، لیکن سعیدہ کو اس آمادہ نہ کر سکے! وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی.... پھر شادی سے ایک ہفتہ پہلے مجھے بدنصیبی نے آ دی.... ایک ہفتہ پہلے۔" اس کی آواز بھرا گئی، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

نعیم خاموش بیٹھا رہا۔

کنور توقیر نے نہ تو چہرے سے ہاتھ ہی ہٹایا اور نہ کچھ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ا حالت میں سو گیا ہو۔

کچھ دیر بعد نعیم خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔ شاید اس طرح وہ اسے متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

کھانسی کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ کنور نے چونک کر اسی طرح آنکھیں ملیں جیسے سچ مچ سوتا رہا ہو۔

"اوہ.... معاف کرنا....!" اس کے ہونٹوں پر شرمندہ سی مسکراہٹ تھی۔ "میں اسی طرح بھول جاتا ہوں۔ اسی طرح خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔ کتنی اذیتوں میں مبتلا ہوں۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے...." نعیم نے اس کا ادھورا جملہ یاد دلایا۔

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ مر گئی! اور میں آج بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ اس کی موت قدرتی تھی۔ کیا ڈاکٹروں کو رشوت دے کر اسے ہارٹ فیلیور کا کیس نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں کبھی نہ تسلیم کروں گا۔ آہ پھر کیا بتاؤں کہ اس وقت سے میرے دن اور رات کیسے گذر رہے ہیں۔ میں خود بھی کوئی مفلس آدمی نہیں ہوں کہ مجھے سعیدہ کی جائیداد کی خواہش ہوتی۔ اس کی جائیداد میری دولت کا پچاسواں حصہ بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے خاندان والے۔" وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر سعیدہ کے اعزہ وہ عمارت فروخت ہی کر دیں۔"

"تیار ہیں بیچنے پر مگر.... میرے ہاتھ نہیں فروخت کریں گے۔ سعیدہ کے سوتیلے چچا کو اس کا ترکہ پہنچا ہے.... وہی مالک ہے۔ اس عمارت کے تیس ہزار تک دام لگ چکے ہیں۔ لیکن وہ چالیس مانگ رہا ہے.... میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پورے چالیس ہزار ادا کر کے ملکیت کے کاغذات پر اپنا نام چڑھوا لو۔"

نعیم سوچ میں پڑ گیا کہ صبح تک اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکال پھینکا جائے گا، لیکن اس وقت چالیس ہزار کی عمارت کے سودے کی بات ہو رہی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا مجھے.... وہاں رہنا بھی پڑے گا۔" اس نے پوچھا۔

"ملکیت ہی تمہاری ہو گی۔" پرنس توقیر مسکرایا۔

"مگر آپ کو اس سے کیا فائدہ....!"

"جب چاہوں گا اس کے درودیوار سے لپٹ کر رو سکوں گا۔" توقیر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

نعیم کا دل چاہا کہ بے تحاشہ ہنس پڑے، لیکن اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا۔ ویسے یہ سودا برا نہیں تھا مگر فلیٹ کا کرایہ ادا کئے بغیر جان کیسے بچتی۔ وہ اپنا سامان وہاں

سے کیسے لا سکتا.... اپنی بہتیری چیزیں اُسے بے حد عزیز تھیں۔

"خیر تو پھر.... مجھے وہاں چوکیدار کی حیثیت سے رہنا پڑے گا۔" نعیم نے کچھ دیر بعد پوچھ

"اوہ.... چوکیدار کیوں؟"

"آپ وہ عمارت میرے نام سے خریدیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا مالک تو ہو نہ جاؤں گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو میں اس عمارت میں مالک کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"بلاشبہ....!"

"اور کلرکی کروں گا.... کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔" نعیم مسکرایا۔

"قطعی مضحکہ خیز بات ہے.... مگر تم کلرکی کیوں کرو گے؟"

"پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نہ میں کوئی پرنس ہوں اور نہ ساہوکار۔"

پرنس توقیر کچھ سوچنے لگا۔ پھر مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے چوکیدار کی حیثیت سے رہنا لیکن تمہاری تنخواہ کم از کم ایک ہزار روپے ماہانہ ہو گی تاکہ تم ک باحیثیت چوکیدار کی طرح زندگی بسر کر سکو۔"

نعیم کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر کیوں؟

اس نے سوچا کیا صرف اتنی سی بات کیلئے کہ وہ اس کی آنجہانی قسم کی محبوبہ کا مکان تھا اتنی ذ سی بات کے لئے چالیس ہزار یک مشت اور ہزار روپے ماہانہ.... وہ لیلیٰ مجنوں کے دور کا آدمی نہی تھا۔ اس نے بیسویں صدی میں جنم لیا تھا اس لئے اس قسم کا عشق اس کے حلق سے نہ اتر سکا۔

دفعتاً اسے اس عورت کی گفتگو یاد آ گئی اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر سعیدہ زندگی میں بھی بہکی بہکی باتیں کرتی تھیں....؟"

"کیوں میں نہیں سمجھا....!"

"مجھ سے انٹرویو میں سب سے پہلے پوچھا گیا تھا کہ میرے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

پرنس توقیر ہنس پڑا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ بالکل وہی۔" اس نے کہا۔ "وہ بڑی ستم ظریف تھی۔ بے حد! ارے:

یک کو انگلیوں پر نچاتی تھی.... مگر کیا مر جانے کے بعد آدمی کی روح پر جسمانی زندگی کی پرچھائیاں پڑتی رہتی ہیں۔"

پوچھنے کا انداز بالکل بچکانہ تھا۔ جیسے کسی ننھے سے بچے نے اپنے دادا جان سے سوال کیا ہو۔

نعیم کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ اسی عورت کے متعلق سوچے جا رہا تھا تو کیا وہ سچ مچ کوئی روح تھی.... روح؟ کیسے یقین کر لیا جائے.... اوہ.... وہ الٹی تصویر.... اس کا دل چاہا کہ وہ پرنس سے اس کا بھی تذکرہ کرے.... لیکن پھر ہمت نہ پڑی۔ کیونکہ پولیس کسی قاتل کی تلاش میں تھی اور پولیس کی "تلاش" اسی طرح کامیاب ہوتی ہے کہ وہ متعلقہ یا مشتبہ آدمیوں کی پرچھائیوں پر بھی نظر رکھے۔

"ہاں تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ تیار ہیں۔"

"ب.... بالکل.... مم.... مگر.... یعنی کہ....!"

"فی الحال یہ تین سو رکھئے۔" پرنس نے دس دس کے تیس نوٹ میز پر رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے ایسی ہی تھکن ظاہر ہو رہی تھی جیسے گھنٹوں پولو کھیلنے کے بعد ابھی ابھی گھوڑے کی زین چھوڑی ہو!

نوٹ میز ہی پر پڑے رہے کیونکہ الٹی تصویر نعیم کے ذہن میں بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اپنی گردن تو نہیں پھنسا رہا۔

کہیں یہ کسی قسم کی سازش نہ ہو....!

لیکن.... لیکن.... فلیٹ کا کرایہ.... پٹھان چوکیدار.... اونہہ دیکھا جائے گا؟ اس نے لاپروائی سے گردن جھٹک دی۔

دفعتاً پرنس ندامت آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"دیکھو دوست! تم مجھے پرلے سرے کا احمق سمجھ رہے ہو گے.... کیا میں بالکل گدھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"ارے.... ہو ہو ہو...." نعیم ہونٹ سکوڑ کر ہنسا۔ "آپ کیا فرما رہے ہیں جناب۔"

"نہیں یہ سو فیصدی حماقت ہی ہے، لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں۔ کاش تم میری جگہ ہوتے اور میری بے بسی کا اندازہ اسی طرح لگا سکتے! ذہن کہتا ہے کہ تم گدھے ہو۔"

"لیکن دل.... ہائے دل کو کیا کہوں! یہ بعض اوقات آدمی کو دو کوڑی کا بھی نہیں رکھتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں جناب۔" نعیم نے جلدی سے کہا۔ اس کا ذہن الٹی تصویر سے ہٹ کر دس دس کے تیس نوٹوں پر جم گیا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں پرنس اپنا ارادہ نہ بدل دے۔

"اچھا تو یہ رہا.... سعیدہ کے سوتیلے چچا کا پتہ۔" پرنس اس کے آگے ایک وزیٹنگ کارڈ پھینکتا ہوا اٹھ گیا۔

شکاری شاگرد

وحید مینشن کی پشت پر آبادی نہیں تھی۔ صرف دو چار عمارتوں کے کھنڈر اپنے شاندار ماضی کی یاد میں بسورتے نظر آتے تھے اور پھر ان کے قریب ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔

کیپٹن حمید اس عمارت کے قریب رک گیا جس کا پتہ فریدی نے دیا تھا۔ کار اس نے بستی ہی میں چھوڑ دی تھی اور یہاں تک پیدل آیا تھا۔

اس عمارت کا رہائشی حصہ کھیتوں کی جانب تھا اور کھنڈر وحید مینشن کی پشت پر تھے۔ رہائشی حصے کے سامنے ایک بے ترتیب باغ تھا جس میں آم، جامن اور شہتوت کے متعدد درخت تھے۔ بعض پھولدار خودرو جھاڑیاں بھی تھیں، جن کی اگر سلیقے سے مرمت کی جاتی تو بدنما نہ معلوم ہوتیں۔

حمید کاندھے سے ایئرگن اتارتا ہوا باغ میں گھستا چلا گیا۔

پرندے تو بکثرت تھے لیکن مقصد انہیں ٹھکانے لگانا تو نہیں تھا۔ وہ زرد رنگ کی پتیوں پر نشانہ لگانے لگا۔ ساتھ ہی کنکھیوں سے برآمدے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کب کوئی کٹکھنا بوڑھا نکلتا ہے اور کب اسے اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوکھلاہٹ میں وہ بندوق کی نال ہی چبا جائے گا۔ کیونکہ برآمدے سے تو چاند طلوع ہو رہا تھا۔ یعنی وہ کسی جھکی بوڑھے کی شفاف چندیا کی بجائے ایک چاند سا چہرہ تھا۔

بڑی دلکش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ پہلے تو اس کے ہونٹ تحیرانہ انداز میں کھلے اور پھر جب حمید اس سے لاپرواہ ہو کر فائر پر فائر کرتا ہی چلا گیا تو وہ بڑے فیصلے انداز میں برآمدے سے نیچے اتری۔

"اے مسٹر....!" کانپتی ہوئی سی سریلی آواز حمید کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ خواہ مخواہ اسی طرح اچھل پڑا، جیسے "اے مسٹر" کی صدا اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح پڑی ہو۔

"آپ کیا کر رہے ہیں....!"

"گلہریاں مار رہا ہوں۔"

"شرم نہیں آتی....!"

"گلہریاں ایسی شرمناک تو نہیں ہوتیں۔"

"دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"میرا دماغ تو ٹھیک ہی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پھر درختوں پر نظر دوڑانے لگا۔

"ارے...." عورت زیادہ غضب ناک ہو کر بولی۔ 'کیا دھکے دلوا کر نکلوانا پڑے گا۔"

"تو آپ خفا کیوں ہوتی ہیں! صرف تین گلہریاں ماروں گا۔"

عورت نچلا ہونٹ دانتوں دبائے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ پھر دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر نرمی کے آثار پائے۔

"مگر یہ طریقہ کتنا بھونڈا ہے کہ آپ اجازت حاصل کئے بغیر دوسروں کے باغوں میں نشانہ بازی کرتے ہیں...." اس نے کہا۔ "اور پھر گلہریاں....!"

"ہو سکتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہو۔ لیکن آپ گلہریوں کی طرف سے بُرا کیوں مان رہی ہیں۔" حمید نے بھی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا اور عورت کو ہنسی آگئی۔ اس نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا اور بولی۔

"بڑے نکچڑھے معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نہیں جانتا کہ نکچڑھا کسے کہتے ہیں اس لئے نہ اس پر خوشی ظاہر کر سکتا ہوں اور نہ بُرا مان سکتا ہوں۔"

"دلچسپ....!" عورت نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔ "دلچسپ بھی

معلوم ہوتے ہو! ادھر آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔"

"گلہریوں کا شکار۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"آخر گلہریوں کا شکار کر کے کیا کرو گے.... کس کام آئیں گی۔"

"کباب....!"

"توبہ....!" عورت نے بُرا سا منہ بنایا۔ "چھی.... اُوع....!" اسے اوبکائی سی آئی تھی۔

حمید پھر درختوں پر گلہریاں تلاش کرنے لگا۔

"تم گلہریوں کے کباب کھاتے ہو....!"

"میں نہیں کھاتا! دھوکے سے اپنے پاپا کو کھلاؤں گا...." حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں....؟"

"پہلے اُلو کا گوشت کھلایا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ایک آدمی نے بتایا ہے کہ گلہری کے کباب کھلاؤ۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"ارے.... اوہ.... آپ سے تم پر آ گئیں۔ کمال ہے! میرا خیال ہے کہ ہماری ملاقات مدت اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتی۔"

"اور یہ شرافت ہے کہ آپ بغیر اجازت ہمارے باغ میں گھس آئے ہیں۔"

"اس کے لئے میں معافی مانگ لوں گا....!"

"تو میں بھی بے تکلفی کے لئے معافی مانگ لوں گی۔"

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں....!"

"ارے واہ....!" عورت منہ کھول کر رہ گئی پھر ہنس پڑی۔

حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا واپسی کے لئے مڑا۔

"ارے نہیں! ماریئے گلہریاں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ مگر ٹھہریئے۔ خیر کچھ نہیں۔ لیکن....!"

حمید آنکھیں نکالے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"آخر آپ نے اپنے پاپا کو اُلو کا گوشت کیوں کھلایا تھا۔"

"تاکہ وہ پاگل ہو جائیں.... آپ سے مطلب....!"

عورت گھاس پر بیٹھ گئی.... وہ متحیر نظر آ رہی تھی اور شاید اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ حمید غیر سنجیدہ تو نہیں ہے۔

"مگر کیوں....؟" اس نے پوچھا۔

"میں آپ کو اپنے نجی معاملات میں کیوں شریک کروں۔"

"کیا حرج ہے....!" شاید وہ حمید کو بدھو سمجھی تھی۔

"اچھی بات ہے.... اگر کوئی حرج نہیں تو آپ ہی کوئی آسان سی تدبیر بتایئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گھر والے مجھے احمق سمجھتے ہیں! بات دراصل یہ ہے کہ ان کے باپ بھی پاگل ہی ہو کر مرے تھے، لیکن وہ کسی طرح پاگل ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"ارے.... تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ مر جائیں...." عورت کا منہ پھر کھل گیا۔

"کیوں نہ چاہوں۔ وہ مجھے بکریاں نہیں پالنے دیتے۔"

عورت پھر ہنس پڑی....!

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔" حمید نے کسی چڑچڑے بچے کی طرح پیر پٹخے۔

"صرف اتنی سی بات پر کہ وہ آپ کو بکریاں نہیں پالنے دیتے.... آپ چاہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو جائیں مر جائیں.... کتنی عجیب بات ہے.... کیا آپ سنجیدہ ہیں۔"

"قطعی رنجیدہ نہیں ہوں....!"

"رنجیدہ نہیں سنجیدہ...." عورت نے تصحیح کی۔

"میں قطعی سنجیدہ ہوں! آپ مجھے شکار بھی کرنے دیں گی یا باتوں ہی میں الجھائے رکھیں گی۔"

"گلہریوں کے کباب سے کوئی پاگل نہیں ہو سکتا۔" عورت بولی۔ "وہ تو دمہ کے مریضوں کو بھی کھلائے جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا گلہری کے کباب بیکار ثابت ہوں گے۔"

"میں نے تو نہیں سنا کہ وہ اس قسم کی چیزوں کیلئے استعمال ہوتے ہوں! البتہ اُلو کا گوشت۔"

"وہ تو بالکل ہی بکواس ثابت ہوا تھا۔ البتہ اسے کھلا کر میں خود کو بالکل اُلو محسوس کرتا رہا ہوں.... سنا ہے کہ اُلو کی روح ذبح کرنے والے کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہتی ہے۔"

"آپ شاعر تو نہیں ہیں! خدانخواستہ....!"

"خدانخواستہ کیوں؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"کچھ نہیں بس یونہی.... اور.... جلدی.... جلدی.... فوراً اس جھاڑی میں چھپ جایئے.... فوراً....!"

وہ اٹھ کر اسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ ویسے حمید نے بھی قدموں کی آہٹ سنی تھی۔

"کک.... کیوں....!" اس نے بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"چلو...." عورت نے اسے جھاڑیوں میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"چھپے رہنا....!"

حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ پھر اس نے وہاں چھپے ہوئے آنے والے کو دیکھا۔ یہ ایک بوڑھا اور پستہ قد آدمی تھا۔ شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور دہانے کے گوشے سے پان کی سر دونوں جانب کی جھریوں میں پھسل آئی تھی۔ بال بے ترتیب تھے۔

"اوہ ڈیئر....!" عورت کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

وہ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور چاروں طرف مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"ارے واہ.... غزل کہہ رہی تھی۔"

"تم اور غزل.... چلو اندر چلو.... تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔"

"دیکھو ٹھہرو! میں اس مصرعے پر غزل کہہ رہی ہوں....!" اس نے بلند آواز میں کہ

"میں سفر پہ جا رہی ہوں مرا انتظار کرنا۔"

مصرعہ سن کر حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بوڑھا بولا۔ "بکواس....!"

پھر وہ دونوں برآمدے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ کیا وہ اس کی بیوی تھی۔

واہ کیا مصرعہ عنایت کر گئی ہے۔ مگر کتنی دلکش ہے۔ یہ شادی کس طرح ہوئی ہوگی۔

وہ نہایت اطمینان سے ان کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچنے لگا۔ حالانکہ سوچنا یہ چاہئے کہ بوڑھے تک پہنچنے کی کیا صورت ہو۔

کچھ دیر بعد وہ چونک پڑا کیونکہ عمارت سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آئی تھیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا عورت برآمدے میں کھڑی چیخ رہی تھی اور بوڑھا اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔

"نہیں مجھے جانے دو! اب میں ایک منٹ بھی اس کھنڈر میں نہیں رہ سکتی۔ سمجھے، مکھی چوس کہیں کے۔ کنجوس....!" عورت کہہ رہی تھی۔

"ارے سنو تو سہی! دیکھو میں دوسری عمارت خریدوں گا۔"

"تو تم نے اب تک مجھے دھوکے میں کیوں رکھا تھا۔ یہ کیوں کہتے تھے کہ اس کوٹھی میں رہنے میں کچھ قانونی دشواریاں ہیں۔ اگر قانونی دشواریاں تھیں تو تم نے اسے فروخت کیسے کر دیا۔"

"میری بات بھی تو سنو! وہ منحوس تھی۔" بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں وہاں کیسے رکھتا۔ اب دیکھو.... اسی رقم سے کتنی شاندار کوٹھی خریدتا ہوں۔"

"تم کبھی کچھ نہیں کر سکتے.... کچھ نہیں کر سکتے.... بس غزلیں کہا کرو۔"

"بس ختم بھی کرو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے اندر اندر کوٹھی ضرور خرید لوں گا۔ چلو اندر چلو۔"

"میں نہیں جاؤں گی...." عورت چیخ کر بولی۔ "میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کھلی ہوا میں ٹہلنا چاہتی ہوں۔"

"کیا میں بھی ٹہلوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔

"پھر فائدہ ہی کیا ہوگا! مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دیر تک تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی، چلے جاؤ۔"

"تم بعض اوقات مجھ پر زیادتی کرنے لگتی ہو۔"

"جاؤ اندر، ورنہ قسم کھا کر کہتی ہوں کنویں میں چھلانگ لگا دوں گی۔"

بوڑھا چپ چاپ اندر چلا گیا اور عورت نے باہر سے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹے سے پہلے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی!"

بے ڈھب معلوم ہوتی ہے۔ حمید نے سوچا.... وہ اسی طرف آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھاڑیوں میں گھس آئی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ منہ دبائے ہوئے بُری طرح ہنس رہی تھی۔ حمید اپنے چہرے پر جھلاہٹ سے بھرپور سنجیدگی

طاری کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے مجھے اس طرح کیوں روک دکھا ہے۔"

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔

"کیوں....؟" حمید نے بوکھلاہٹ ظاہر کی۔

"تم کوئی چور ہو۔ اسی طرح پائیں باغوں میں گھستے پھرتے ہو۔ موقعہ ملا تو کوئی چیز بھاگے۔"

"اچھی بات ہے! میں تیار ہوں۔ بلاؤ پولیس کو۔"

"تم کہاں رہتے ہو....!"

"پرنس کالج کے ہوسٹل میں....!"

"ہوں....!" عورت آنکھیں نکال کر بولی۔ "ادھر کیوں آئے ہو۔"

"وہ....وہ....دیکھئے....!" حمید کا چہرہ اتر گیا اور وہ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"ہوں....بولو....!" عورت نے آنکھیں نکالیں۔

"میں بتادوں.... آپ خ.... خفا تو نہ ہوں گی۔" وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"کہو.... جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔ اکثر دور سے دیکھا ہے۔ یعنی کہ.... یعنی کہ۔"

"تم جھوٹے ہو! اپنی غزل پر اصلاح لینے آئے تھے۔" عورت جھلائے ہوئے لہجے میں ہا کر بولی۔ "مگر نصرت صاحب شاگرد نہیں بناتے۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"اوہ.... حمید نے دل ہی دل میں قہقہہ لگا کر سوچا.... واہ محترمہ واہ.... اس طر مجھے خود ہی دوسرا راستہ دکھا رہی ہو.... ذہین بھی ہو اور حیلہ جو بھی۔"

"کیا آپ روشن ضمیر ہیں...." حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہوں ہے نا.... کیسا پہچانا.... اچھا چلو کرو میری خوشامد.... شاگرد بنوادوں گی۔ کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ تم جیسے نہ جانے کتنے آتے ہیں اور جھک مار کر چلے جاتے ہیں! تم پر احسان کروں گی۔ کچھ غزلیں زبانی بھی یاد ہیں یا نہیں۔"

"کئی....!"

"اچھا تو یہ بندوق یہیں چھوڑدو۔"

حمید بندوق زمین پر ڈال کر اٹھ گیا۔ بوڑھے کی بیوی ہی ساری مشکلات کا حل بن گئی تھی، ں لئے وہ اسے سو فیصدی اپنا کارنامہ سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ عورت تو خود ہی اس سے دوستی پیدا کرنے کی خواہش مند معلوم ہوتی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے.... مطلب کہ تخلص....!"

"پرواز فاختی....!"

"خوب.... تو آؤ....!"

"آپ کے والد ہیں۔" حمید نے چھیڑنے کے لئے پوچھا۔

"نہیں میں ان کی والدہ ہوں۔"

حمید کو سچ مچ ہنسی آگئی اور اس نے سوچا زندہ دل بھی ہو محترمہ! زندہ رہنے کے لئے اپنی کھال پہ کتنی تہیں چڑھانی پڑتی ہیں یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قہقہوں سے بھی جھانکتی رہے....!

وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ پھر رک گئی اور مڑ کر آہستہ سے بولی۔

"نروس نہ ہو جانا.... میں انہیں ہینڈل کر سکتی ہوں۔"

حمید نے سختی سے ہونٹ بند کر کے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے لگی تھی۔

لیکن اندر پہنچتے ہی بھونچال سا آگیا۔ حمید کو دیکھ کر پہلے تو بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور پھر وہ یک بیک اپنی بیوی پر برس پڑا تھا۔ "حد ہوگئی! میری خاموشی کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم، جو کچھ بھی چاہو کرتی پھرو۔"

"میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔" بیوی نے اُسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی الیکٹرک شاک ہی نے بوڑھے کو ساکت کر دیا ہو۔ اب اس کی پلکوں کے جھپکنے میں بے بسی ہی کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

"یہ کک کون ہیں۔!" اس نے نحیف سی آواز میں پوچھا۔

"میری شامت ہیں۔" بیوی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"میں نہیں سمجھا....!"

"شاعر ہیں! شاگرد بننے آئے ہیں۔ بڑی دیر سے میری کھوپڑی چبا رہے ہیں کہ سفارش

کر دیجئے۔"

"اوہ.... کس نے بھیجا ہے آپ کو....؟" بوڑھے نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس جناب بہتوں سے تعریف سنی تھی! کئی لوگوں نے کہا تھا کہ آپ سے بہتر استاد اس میں دوسرا نہیں ملے گا۔"

"مگر میں شاگرد نہیں بناتا۔"

"مجھے علم ہے جناب مگر میری درخواست نہ ٹھکرائیے!"

"میں اپنا اصول تو نہیں توڑ سکتا۔"

حمید کو اب اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ وہ کنکھیوں سے دیوار پر لٹکتی ہو رائفل کو دیکھ رہا تھا.... رائفل.... جس میں یقینی طور پر سائیلنسر بھی موجود تھا۔

"مگر میں وعدہ کر چکی ہوں۔" اس نے بیوی کی آواز سنی اور پھر بوڑھے کی طرف پور طرح متوجہ ہو گیا، جو اپنا نچلا ہونٹ کچھ ایسے انداز میں چوس رہا تھا جیسے اُسے نگل ہی جانا چاہتا؛ لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ غصے کی علامت تھی یا ذہنی الجھاوے کی۔

"خیر....!" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "اگر وعدہ کر چکی ہو تو.... ہُم ٹھیک ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی۔

نذر پور ہاؤز

نعیم بوکھلایا ہوا تھا اس لئے نہیں، کہ پٹھان چوکیدار نے اس کا سامان فلیٹ سے نکال کر پھینک دیا تھا بلکہ بوکھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اس نے نہ صرف فلیٹ کا کرایہ اس کے منہ پر پھینک مارا تھا بلکہ آج ایک ایسی عمارت میں رات گذارنے والا تھا، جو شاید کبھی خواب میں بھی اسے نہ دکھا دیتی۔ اور وہ عمارت اُسی کے نام سے خریدی گئی تھی.... لیکن.... کیا وہ عمارت آسیب زدہ تھی.... کیا وہ حقیقتاً ڈاکٹر سعیدہ کا بھوت تھا؟ اگر یہی بات تھی تو کیا وہ سکون سے رات بسر کر سکے گا۔

پھر وہ پرنس توقیر کے متعلق سوچنے لگا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔

کیا پرنس توقیر پاگل نہیں ہے؟ ایک مردہ عورت کے لئے چالیس ہزار روپے خرچ کر دئے

اور اسے محض اس لئے ایک ہزار روپے ماہانہ دے گا کہ وہ اس عمارت میں رئیسانہ ٹھاٹ کے ساتھ قیام کرے؟

کیا چکر ہے؟ اس کا اصل مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ کنور توقیر کی کہانی پر یقین کرے.... اگر وہ بے کار نہ ہوتا تو ان الجھنوں میں کبھی نہ پھنستا۔

پھر یک بیک اسے الٹی تصویر یاد آ گئی۔ اس آدمی کی تصویر جو پُر اسرار حالات میں قتل کر دیا گیا تھا۔

تصویر کا خیال آتے ہی اس کے ذہن پر انجانا سا خوف مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں یہ خوف سعیدہ کے بھوت کے خوف سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہو رہا تھا۔

ایک دن پہلے جس آدمی کی الٹی تصویر دیکھی تھی، وہی دوسرے دن مردہ پایا گیا۔ لیکن وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اس کی موت سے اس کی الٹی تصویر کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا۔ ورنہ وہ وہاں نظر ہی کیوں آتی....؟ پھر کیا یہ عمارت بھی کسی طرح اس کی موت کے سلسلے میں زیر بحث آ سکتی ہے؟

نعیم کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بعض قاتل اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپنے کے لئے بہت کچھ کر گذرتے! لیکن اسے پہلے ہی یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا، حالانکہ اس جنجال میں پھنسنے سے پہلے ہی اس نے مرنے والے کی تصویر اخبارات میں بھی دیکھ لی تھی۔ پھر کیوں پھنس گیا.... کیا مقدر.... کیا مقدر اسے کسی جہنم میں جھونکنے والا ہے۔

کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ اٹھا اور خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔

اچانک راہداری کی گھنٹی بجنے لگی اور اس کے قدم راہداری کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

اوہ پرنس توقیر کے علاوہ اور کون ہو گا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ مگر وہاں اسے پرنس توقیر کی بجائے وہی بوڑھا آدمی نصرت نظر آیا جس سے اس نے عمارت خریدی تھی۔

"فرمائیے جناب....!"

"کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے....!" بوڑھے نے کہا۔

"اوہ.... کیوں نہیں اندر تشریف لے چلئے جناب۔" نعیم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

وہ اسے نشست کے کمرے میں لایا۔ بوڑھے کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جو بھی کہنا چاہتا ہے، ہچکچاہٹ کے بغیر نہیں کہہ سکتا۔

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں جناب۔" آخر کار اس نے کہا۔

"بے تکلفی سے فرمایئے۔"

"میری بیوی اس سودے کے حق میں نہیں ہے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے...." نعیم نے حیرت سے کہا۔

"اوہ.... میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ عمارت خالی کر دیجئے۔ میں تو کسی طرح اسے باور کرانا چاہتا ہوں کہ بعض قانونی دشواریوں کی بناء پر یہ سودا ہو ہی نہیں سکا۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں نہیں بتا سکوں گا۔"

"اچھا چلئے! آپ نے انہیں باور کرا دیا کہ سودا نہیں ہو سکا! پھر؟ میں تو ہر حال میں یہیں رہوں گا۔"

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہہ دیا جائے گا کہ آپ کرائے پر رہتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" نعیم نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اوہ.... یہ قطعی گھریلو حالات ہیں.... تو پھر کل آپ تشریف لا رہے ہیں۔"

"کہاں....!"

"میرے گھر پر....!"

"وہاں.... آخر میں کیا کروں گا۔"

بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اوہ دوسری تدبیر بھی ہے۔ میں اس سے یہ تو بتا چکا ہوں کہ سودا کر رہا تھا لیکن بعض قانونی دشواریاں آپڑی ہیں.... لیکن شاید خریدنے والا کرایہ کی حیثیت سے وہاں رہ سکے.... آپ آکر صرف اتنا کہہ دیجئے گا کہ عمارت آسیب زدہ ہوتی ہے۔ آپ رات بھر سو نہیں سکے....!"

بوڑھا خاموش ہو کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"مگر جناب میں یہ سب کچھ کیوں کروں! میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ کا نقصان کیا ہے! بھئی دیکھئے۔ اگر آپ کہیں گے کہ عمارت آسیب زدہ ہے تو وہ ضدی عورت اسے فروخت ہی کر دینے میں عافیت سمجھے گی اور میں اس کی بک بک جھک جھک سننے سے بھی بچ جاؤں گا۔"

"یہ عمارت تو ویسے بھی سیب زدہ مشہور ہے۔"

"بکواس ہے! کون کہتا ہے؟" بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ اکثر راتوں کو انہوں نے ڈاکٹر سعیدہ کی ہم شکل ایک عورت یہاں دیکھی ہے....!"

"میرے کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ یہ سراسر بکواس ہے۔"

نعیم پھر کچھ سوچنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اس نے اس کا پتہ پوچھا۔ وہ ابھی تک بوڑھے کے صحیح پتہ سے واقف نہیں ہوا تھا گو اس نے کئی بار سنا اور دیکھا تھا لیکن اس قدر دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کہ وہ ذہن نشین ہو جاتا۔ سودا ایک دلال کے ذریعے ہوا تھا، جو نصرت کو شہر کے ایک ہوٹل میں لایا تھا اور وہیں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ خود نعیم اس کے گھر نہیں گیا تھا۔

"آپ بہت آسانی سے پہنچ جائیں گے! میرا مکان ٹھیک وحید مینشن کی پشت پر واقع ہے.... دولت گنج میں کسی سے بھی وحید مینشن کے بارے میں پوچھ لیجئے گا۔ بہت مشہور عمارت ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"وحید مینشن.... دولت گنج....!" نعیم نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔ "اوہ.... وہی تو نہیں.... جہاں سر وحید....!"

"جی ہاں.... جی ہاں! اس حادثے کے بعد تو وہ عمارت اور بھی زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔" بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن.... لیکن.... اوہ کچھ نہیں۔" نعیم خاموش ہو گیا۔

بوڑھا بھی خاموش ہو گیا تھا۔ نعیم سوچ رہا تھا کہ الٹی تصویر کا تذکرہ کس طرح چھیڑے۔ اب تو معاملہ اور بھی زیادہ پُر اسرار بنتا جا رہا تھا۔

"سر وحید آپ کے کوئی عزیز تھے۔" آخر کار اس نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کیوں میرا عزیز ہونے لگا۔"

"ڈاکٹر سعیدہ سے کوئی تعلق تھا۔"

"نہیں صاحب۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ بھلا ہمیں اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... میں نے یونہی پوچھا تھا۔ بہر حال وہ آپ کا پڑوسی تو تھا ہی۔"

"پھر اس سے کیا....!" بوڑھا نعیم کو گھور رہا تھا۔

"اوہ.... کچھ نہیں! بس.... میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کا تذکرہ ناگوار گذرا ہے۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بھئی مجھے کیوں گراں گذرنے لگا اس کا تذکرہ.... جہنم میں جائے۔"

"اف فوہ! آپ پھر غلط سمجھے۔ سارا شہر یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہے کہ وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوتا تھا۔ قدرتی بات ہے اگر میں آپ سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں! کیونکہ وہ آپ کا پڑوسی تھا۔"

"ہوں تو دیکھئے۔" بوڑھا غصیلے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ "سارے شہر کو بتا دیجئے کہ وہ شہر کے ہر فرد کو گدھا سمجھتا تھا۔ اگر وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا تو مت سمجھو کہ اس کا دماغ چل گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ سر کے بل کھڑے ہونے میں اسے ایک کے چار نظر آتے رہے ہوں۔"

بوڑھا اٹھا اور الوداعی سلام کے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔



"رپورٹ....!" کرنل فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ اپنی تجربہ گاہ کی ایک میز پر جھکا ہوا خون کے کچھ نمونے ٹسٹ کر رہا تھا۔

حمید کی نگاہ دیوار کی گھڑی پر جمی ہوئی تھی۔ جس نے ابھی ابھی ساڑھے بارہ بجائے تھے۔

"رپورٹ صرف دہرائی نہیں جاتی بلکہ سنی بھی جاتی ہے۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"گلہری کے کباب حاضر ہیں! اور آپ کے علاوہ دنیا میں ایسا اور کون ہے جسے میں باپ کہہ کوں۔"

"کیا بکواس شروع کر دی۔"

جواب میں بکواس نے تفصیل اختیار کر لی اور بالآخر حمید نے اسے بتایا کہ نصرت نے اسے اپنا اگرد بنا لیا ہے اور اس نے استاد ذوق کی ایک غزل اصلاح کے لئے پیش کی ہے جس کے پورے رے مصرعے نصرت نے بدل دیئے ہیں۔

"ہوں تو گویا اب تم وہاں اپنا کچھ وقت گذار سکو گے۔"

"ساری زندگی وہیں گذر سکتی ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے.... اور کچھ۔"

"بہت کچھ.... بڑی دلکش عورت ہے۔ بوڑھے کے جھکی پن سے تنگ آ کر اس نے اسے اگردوں کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی، دو چار اور لاؤ۔ دونوں کے رمیان بڑی دلچسپ جنگ ہوتی ہے۔"

"ہوں.... کیا تمہاری موجودگی میں بھی جنگ ہوئی تھی۔"

"قطعی ہوئی تھی اور اسی جنگ کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی مفلس آدمی نہیں ہے۔"

"اچھا....!" فریدی ٹسٹ ٹیوب میز پر ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"وہ ایسی عمارتوں کا مالک ہے جن کے دام چالیس ہزار تک لگ سکیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"کام کی بات نمبر ایک....؟" فریدی مسکرایا۔

"ہے نا کام کی بات! چلئے کچھ تو ہوا۔ اچھا اب دوسری کام کی بات ہے اس کی بیوی۔"

"بکو....!"

"وہ بے حد ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس سال ہوگی، لیکن نصرت وسٹ ہے.... اگر وہ کوئی قدامت پسند عورت ہوتی تو میں یہ سمجھ لیتا کہ اُن کی شادی کسی بوری کے تحت ہوئی ہوگی۔ یعنی اس میں والدین کی زبردستیوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن وہ تو

الٹرا موڈرن قسم کی چیز ہے۔ جو والدین کو ڈفر کہہ کر معاملہ ختم کر دیتی۔ پھر عمروں کا یہ تفاوت کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اس فکر میں نہ پڑو! ذہنی صحت کے اعتبار سے دنیا میں متعدد اقسام کے لوگ پائے جاتے ہیں، جن کے متعلق تم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے! لہٰذا عمروں کے تفاوت پر غور کرنے کی بجائے اس معاملے میں کام کا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اس الٹرا موڈرن عورت نے اس کھنڈر میں رہنا کیسے منظور کر لیا ہے، جب کہ کوئی ایسی عمارت بھی موجود تھی جسے وہ اتنی قیمت پر بیچ سکے۔"

"ہاں.... ٹھہریئے! میں اسی سوال کی طرف آرہا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"لیکن آپ.... خیر جانے دیجئے۔ میں اب ان کی عمروں کے فرق کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ شاید آپ کو اپنا مستقبل نظر آنے لگتا ہے.... میں کہتا ہوں جب شادی کئے بغیر گذارہ نہیں تو بڑھاپے میں کیوں کی جائے۔"

"غیر متعلق باتیں نہ کرو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"خیر.... ہاں تو ان دونوں کے درمیان جھگڑا اسی بات پر ہوا تھا۔ اس نے اسے اطلاع دی تھی کہ کسی عمارت کا سودا چالیس ہزار میں ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے شاید وہ اس سے کہتا رہا تھا کہ کسی قانونی دشواری کی بناء پر نہ تو وہ اس میں رہ سکتے ہیں اور نہ اسے فروخت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی لئے بات بڑھ گئی، جب اس نے سودے کی خبر سنائی اور میرا خیال ہے کہ میں اس کا شاگرد بھی اسی جھگڑے کے سلسلے میں بن گیا تھا۔ ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گھر میں اجنبیوں کا داخلہ پسند کرے۔"

"کیا وہ عمارت کی فروختگی کی مخالف تھی۔"

"صرف اس حد تک کہ وہ اس کھنڈر میں نہیں رہنا چاہتی۔ لہٰذا جب نصرت نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ ان چالیس ہزار روپوں سے کوئی دوسری عمارت خرید لے گا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔"

"ہوں.... لیکن اس نے اس حماقت پر اعتراض تو ضرور کیا ہو گا کہ ایک عمارت بیچ کر دوسری خریدی جائے.... کیا وہ اسی عمارت میں نہیں رہ سکتے تھے۔"

"اوہ.... یاد آیا۔ بوڑھے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس ہے اس لئے اسے فروخت ینا ہی مناسب ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر تم اتنی دیر تک ہاں رہے۔"

"استاد اور استانی کی کشمکش میں پھنس کر رہ گیا تھا۔"

"کیوں؟.... کیا بات تھی۔"

"استاد چاہتے تھے کہ اب میں جہنم میں جاؤں۔ لیکن استانی کا قول تھا کہ نہیں ابھی بیٹھو میں کھنڈر ہی کو جنت بنادوں گی....!"

"سیدھے سادھے الفاظ میں گفتگو کرو۔"

"ارے صاحب استاد چاہتے تھے کہ میں دفع ہو جاؤں لیکن جب بھی میں اٹھنا چاہتا، استانی تیں، ارے ایسا بھی کیا ابھی بیٹھئے۔ استاد جز بز ہو کر کہتے جانے دو، ممکن ہے کوئی کام ہو.... ِر استانی مجھ سے پوچھتیں کوئی کام ہے.... ظاہر ہے کہ میں استانی سے کیسے جھوٹ بول سکتا یہی کہتا رہا کہ مجھے کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے جس کے نہ ہونے پر نقصان کا احتمال ہو۔ آخر د نے جھلا کر کہا تھا کہ آپ کتنے بیکار آدمی ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں اس کے علاوہ اور کیا عرض سکتا تھا کہ باکار لوگ آدمی تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعر نہیں ہو سکتے۔ وہ زیادہ بگڑے تو استانی پھر ن کا جھگڑا نکال بیٹھیں اور خود انہیں ہی بور ہو کر بھاگنا پڑا.... جب وہ چلے گئے تو اس نامعقول ت نے مجھے بھی گھر سے باہر نکال دیا۔"

"وہ کیسے....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کی۔

"ارے اتنا بُرا منہ بنا کر کہا تھا کہ آپ بھی تشریف لے جا سکتے ہیں کہ بس مجھے ایسا ہی محسوس تھا، جیسے دو چار چپلیں جھاڑ کر تشریف لے جانے کی استدعا کی ہو۔"

"خوب....!"

"اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو کیا واقعی دو چار چپلیں....!" فریدی مسکرایا۔

"ایسی قسمت کہاں ہے کہ عورتوں کے ہاتھ کی مار ہی سہی.... نصیب تو ہو سکے۔" حمید ڑی سانس لے کر بولا۔ "دوسری بات تھی.... میں کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ڈگمگاتا اس جگہ

پہنچا تھا جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ نصرت نظر آیا جو ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ چلتا رہا۔ آخر وہ ایک عمارت کے سامنے اترا اور اندر چلا گیا۔ عمارت شاندار تھی! پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں ہے! میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی بیرونی برآمدے تک کا نظارہ کر سکتا تھا۔ بوڑھے کے گھنٹی بجانے پر ایک آدمی نے دروازہ کھولا تھا، اور اسے اندر لے گیا تھا۔ پھر تقریباً بیس منٹ بعد بوڑھا باہر آیا، جو بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ ٹیکسی اس نے رکوائے رکھی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی، لیکن میں اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جسے بوڑھا اسے گالیاں دے کر بھاگا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی اور حمید نے کہا

"شاید دس منٹ بعد وہ آدمی پھر باہر نکلا اور پھاٹک کو مقفل کر کے سڑک پر آیا۔ پھاٹک کو مقفل کرنے کا مطلب یہی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی تھا۔ بہر حال وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے بھی گاڑی وہیں چھوڑ دینی پڑی۔ بس اسٹاپ تک وہ پیدل آیا، اور روٹ نمبر 2 کی ایک بس پر بیٹھ گیا۔۔۔ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم کیننگ روڈ کی کراسنگ پر اتر گئے اور پھر کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ نذر پور ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔"

"نذر پور ہاؤز۔۔۔!" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"کیوں۔۔۔؟" حمید نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ کہتے رہو۔۔۔!"

"کیا کہوں؟۔۔۔ ظاہر ہے کہ وہ اندر چلا گیا تھا۔ کمپاؤنڈ کے اندر میں کیسے داخل ہوتا۔"

"یہی بہت ہے۔۔۔!" فریدی کچھ سوچتا ہوا مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "نذر پور ہاؤز۔۔۔ سر وحید۔۔۔ سر وحید۔۔۔ اوہ۔۔۔!" پھر حمید کی طرف دیکھ کر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا "میرے ساتھ آؤ۔"

دوسری واردات

گھڑی اب ایک بجا رہی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اچھل کر دیوار کی گھڑی ہی سے سر ٹکرا دے

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی رپورٹ یک بیک اتنی عافیت سوز ہو جائے گی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی نے اپنے ساتھ آنے کو اس لئے نہیں کہا تھا کہ وہ باورچی خانے میں اس کا ہاتھ بٹائے! یقینی طور پر باہر جانا تھا۔

"میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔" حمید منمنایا۔

"اب رات کہاں دھری ہے! ایک بج رہا ہے فرزند۔۔۔۔ دوسرا دن شروع ہو گیا!" فریدی نے زینے طے کرتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے آئے اور فریدی نے کہا۔ "فکر مت کرو۔۔۔۔ ہم کسی ایسی جگہ ہرگز نہیں جائیں گے، جہاں تمہاری بھوک تم پر ادھار رہے۔۔۔۔!"

اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو۔۔۔ از اٹ منیجر۔۔۔۔ ہ۔۔۔۔ پلیز۔۔۔ ذرا معلوم کیجئے۔ کیا مسٹر لکھن اپنی میز پر موجود ہیں۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ بہتر۔۔۔۔!"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر یک بیک بولا۔ "ہیلو۔۔۔ موجود ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ شکریہ۔۔۔۔ جی نہیں! بس یہی معلوم کرنا تھا، انہیں تکلیف نہ دیجئے۔"

وہ ریسیور رکھ کر مڑا۔۔۔ اور حمید کو آنے کا اشارہ کرتا ہوا اداری کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"ہم جنت کے باورچی خانے کی طرف تو پرواز نہیں کر رہے ہیں۔۔۔؟" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"صرف ہائی سرکل کلب تک۔۔۔!"

"لکھن کون ہے؟"

"لکھن۔۔۔ لکھن ہے۔"

"نذر پور ہاؤز۔۔۔۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "آپ صرف اس کے نام پر دوڑے جا رہے ہیں۔ لیکن میری بات پوری کب ہوئی تھی۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"میں نے نذر پور ہاؤز کے پھاٹک پر دو آدمیوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔ لیکن ان میں سے ایک کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اور دوسرا تو وہی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے اندر چلے جانے پر سوچ رہا تھا کہ اس کی واپسی ضروری نہیں ہو سکتی! ممکن ہے یہیں رہ جائے۔ پھر مجھے

کیا کرنا چاہئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد روش سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ آنے والے پھاٹک ہی کی طرف آ رہے تھے۔ میں دیوار سے چپکا ہوا پیچھے کھسک گیا۔ پھاٹک پر بھی اندھیرا ہی تھا آنے والے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے آئے تھے اور پھاٹک پر رک گئے تھے اور اب میں ان کی گفتگو صاف سن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک کو کہتے سنا! دیکھو دوست! تم پریشان کیوں ہو! پرواہ مت کرو۔ اگر تم اس بوڑھے کے گھر گئے تو تمہاری تنہائی بھی رفع ہو جائے گی۔ ضرور جاؤ۔ اگر تم اس کی بیوی کو اس سے جدا کر سکے تو بہت بڑے انعام کے مستحق ہو گے.... ہو سکتا ہے کہ میں اس عمارت سے تمہارے حق میں ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاؤں.... پھر دوسری آواز نے پوچھا۔ آخر کیوں.... میں اس کی بیوی سے اسے جدا کیوں کردوں.... پہلی آواز کا جواب تھا۔ آہ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی بھی اسی طرح ویران ہو جائے جیسے میری ہوئی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس کے بیان پر رائے زنی نہیں کی۔ اچانک تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا یہ نصرت اور اس کی بیوی ہی کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ایسی صورت میں جب کہ نصرت کو رخصت کر کے وہ سیدھا نذر پور ہاؤز پہنچا تھا، میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ دوسرا آدمی وہی تھا، جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"جی ہاں! جب وہ روشنی میں آیا تھا تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، ارے یہی کیا میں نے پھر اس کا تعاقب اسی عمارت تک کیا تھا، جہاں نصرت گیا تھا۔"

"کیا وہ وہی عمارت تو نہیں تھی، جس کا سودا نصرت نے کیا تھا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا جانے....!"

وہ پھر خاموش ہو گئے اور لنکن سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ آخر کار کچھ دیر بعد وہ ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

ہال زیادہ گھنا آباد نہیں تھا۔ متعدد میزیں بالکل خالی نظر آ رہی تھیں! ایک بجے کے بعد عموماً وہ لوگ جمتے تھے جنہیں دوسرے دن کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یا پھر سنیچر کی راتیں ایک بھی

خالی دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر میزوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک جانب بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "چلے آؤ....!"

حمید نے اسے ایک میز کے قریب رکتے دیکھا جہاں ایک مرد دو یوریشین لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ لڑکیاں قبول صورت تھیں لیکن مرد جسمانی اعتبار سے بھدا اور بدشکل تھا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے فریدی کو گھورنے لگا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکیوں کے منہ بھی کھل گئے تھے۔

"اوہ.... لک.... کیا.... مطلب....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

"غالباً.... تم نے مجھے پہچان لیا ہے مسٹر لکھن پال....!"

"ہوں.... مگر کیوں....!" لکھن غرایا۔ انداز بالکل کسی کٹکھنے کتے ہی کا سا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "صرف اپنی معلومات میں کسی قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید اس کی پشت پر کھڑا رہا۔

فریدی نے بھی اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ اگر کہتا بھی تو اسے کھل جاتا کیونکہ پیچھے کھڑے رہ کر وہ بآسانی ان دونوں لڑکیوں کو اشارے کر سکتا تھا۔

"آمد کا مطلب....!" لکھن اس طرح بولا جیسے فریدی کے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے ہی نہ ہوں۔

"میری آمد کا مطلب ہمیشہ آمد ہی ہوتا ہے.... رفت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"مگر کیوں.... لکھن نے مضطربانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور پھر حمید کو گھورتے ہوئے دوبارہ فریدی کے چہرے پر نظر جما دی.... حمید نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی اور دانت بھی دکھائے تھے۔ ویسے انداز چڑانے ہی کا سا تھا۔"

"کہئے.... میں تنہا بیٹھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

لکھن نے پلکیں جھپکائیں۔

"میں سرو حید والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔"

"پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"شاید آپ مجھے تھوڑی بہت اطلاعات دے سکیں۔"

"کتنی فضول بات ہے کرنل! بھلا مجھے سر وحید سے کیا سروکار۔"

"میں آج کی بات نہیں کر رہا.... یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب آپ اور سر وحید دونوا ٹھیکیداری کیا کرتے تھے۔"

"میرے خدا.... اتنی پرانی بات! کرنل اسے چالیس سال کا عرصہ ہوا، جوانی کی بات ہے ہم دونوں کے تعلقات خراب ہوگئے تھے۔ اسے بھی تقریباً تیس سال ہونے کو آئے۔"

"سر وحید کو آپ نے ان دنوں کیسا آدمی پایا تھا۔"

"پرلے سرے کا بے ایمان....!" لکھن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ہم نے شرکت میں کاروبار تھا اور وہ بے ایمان ثابت ہوا تھا۔"

"اس زمانے میں اس کی ذہنی حالت کیسی تھی۔"

"اوہ.... ذہنی حالت...." یک بیک لکھن ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اوہ.. آپ لوگ ذہنی حالت کی خرابی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"سر کے بل کھڑے ہونا ذہنی صحت مندی کی علامت اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب اسے ورزش کے طور پر اختیار کیا جائے.... لیکن کیا سر وحید ورزشوں کا اتنا ہی شائق تھا۔ ورزش شوق بھی جوانی ہی سے ہوتا ہے.... کیا سر وحید کو اس زمانے میں ورزش کا شوق بھی تھا جب آپ دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"ہونہہ.... کبھی نہیں۔"

لکھن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہ وہ پاگل تھا اور نہ اسے ورزش کا شوق تھا۔ لیکن سر کے بل کھڑے ہونے کی مشق اس نے بہر حال بہم پہنچائی تھی اور بڑھاپے میں جوانی میں نہیں! جوانی میں وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ بڑھاپے میں مسخرہ ہو گیا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کرنل....!" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا جسے حمید نہ سن سکا۔ شاید لکھن نے بھی نہیں تھا، اس لئے وہ آگے جھک کر بولا۔ "جی....!"

"مجھے ایک آدمی اور بھی یاد آ رہا ہے، جو آپ دونوں کا مشترکہ دوست تھا....؟"

"کون....؟"

"پرنس توقیر....!"

"ہاں اس کا کیا! وہ اب بھی میرا دوست ہے۔"

"ان دنوں سر وحید سے ان کے تعلقات کیسے تھے۔"

"ہمارے درمیان اس مسئلے پر کبھی کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔" لکھن بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ دونوں لڑکیاں اسے گھور رہی تھیں اور شاید یہ چیز لکھن کو گراں ر رہی تھی۔ اس لئے وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اور کچھ کرنل....!"

"بہت کچھ مسٹر لکھن....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یعنی....!" وہ پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی وقت نہیں آیا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا شب بخیر۔"

لکھن کا منہ کھلا رہ گیا۔ فریدی اور حمید تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حمید آمدے سے نیچے اترتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا بات ہوئی۔"

"چلے آؤ چپ چاپ....!" فریدی ادھر اُدھر دیکھے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

پھر حمید کو سوچنا پڑا کہ کہیں خود فریدی کا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ وہ لنکن کی طرف جانے کی ائے کمپاؤنڈ کے ایک تاریک اور ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔

"یہیں ٹھہر جاؤ....!" وہ آہستہ سے بولا۔

وہ چپ چاپ رک گیا۔ کہتا بھی کیا۔ فریدی کا طریق کار کچھ ایسا ہی تھا۔

"وہ دیکھو...." دفعتاً فریدی بولا اور حمید کی نظر عمارت کے بیرونی برآمدے کی طرف اٹھ ا۔ لکھن ایک دروازے میں تنہا کھڑا تھا اور اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ ستہ چلتا ہوا اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ ں کار میں نظر آیا اور کار پھاٹک سے گذر رہی تھی۔ حمید نے اسے بائیں جانب مڑتے دیکھا۔ وہ ی تیزی سے لنکن میں بیٹھے اور لکھن کی گاڑی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ "کیا اس رات کو صبر ہی لوں۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے..... غلطی تم سے ہوئی تھی۔"

"کیسی غلطی.....؟"

"نہ تم نصرت کا تعاقب کرتے ہوئے نذر پور ہاؤز تک پہنچتے اور نہ اسی وقت مجھے بھی د دوپ کرنی پڑتی.....!"

"نصرت سے ان لوگوں کا کیا تعلق.....!"

"نصرت کی بیوی..... خیر اس کی بیوی کے متعلق تو تم ہی کوئی خاص بات معلوم کرنے کوشش کرو۔"

"اگر استاد کی اصلاح نے اجازت دی تو....." حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا، وہ تھوڑی د تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"آپ کی دانست میں دس سال سے سر کے بل کھڑے ہوتے رہنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے"

"تم نے لکھن کی گفتگو سے اندازہ کیا ہوگا کہ وہ پاگل نہیں تھا۔"

"ضروری ہے کہ لکھن کا بیان صحیح ہو؟" حمید نے پوچھا۔

"ضروری تو یہ بھی نہیں ہے کہ ہماری موجودہ بھاگ دوڑ بھی فیصلہ کن ہی ثابت ہو۔"

"نذر پور ہاؤز میں تو پرنس توقیر ہی رہتا ہے نا.....!"

"ہاں.....!" فریدی نے اگلی کار پر نظریں جمادیں جس کی رفتار اب کم ہوگئی تھی، فریدی۔ بھی لنکن کی رفتار کم کر دی۔

"اوہ..... وہ نذر پور ہاؤز کے پھاٹک ہی پر رکی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ لنکن بھی رک چکی تھ لیکن وہ اندھیرے میں تھے، فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

شاید لکھن چوکیدار سے پھاٹک کھولنے کو کہہ رہا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ اپنی گاڑی کو اندر ہی! چلا گیا۔

"اب دوسری اطلاع سنو.....!" فریدی نے طویل سانس لی۔

"کیا.....!"

"ہمارا بھی تعاقب ہوتا رہا ہے۔"

"نہیں.....!" حمید اچھل پڑا۔

"کیا تم لکھن پال کو احمق سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ اس کے بیترے دشمن ہیں، اسلئے وہ اپنے ساتھ دو چار نگراں بھی رکھتا ہے، جو دوسروں کی نظروں میں آئے بیر اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں! اس وقت کلب میں بھی کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہا ہوگا۔"

"تو دوسری گاڑی کہاں ہے۔"

"ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لیکن وہ بھی اسی طرح اندھیرے ہی میں روکی گئی ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے.....!"

"ظاہر ہے کہ واپس چلیں گے! جو کچھ مجھے معلوم کرنا تھا، معلوم کر چکا۔ گفتگو ادھوری چھوڑ ر اسی لئے اٹھا تھا کہ اس کا ردعمل دیکھ سکوں؟ تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ اسے اسی وقت آگاہ کرنے وڑا آیا ہے۔"

"تو گویا آپ نے خود ہی انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی اور لمبا چکر لے کر اُسے مخالف سمت ں موڑتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے خلاف اسی طرح ثبوت مہیا کئے جاتے ہیں جو اپنے کئے پر طمئن ہوتے ہیں، جنہیں یقین ہو کہ پولیس کو ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکے گا۔ کیا تم یہ مجھتے ہو کہ لکھن اور توقیر جیسے معززین شہر معمولی مجرموں کی طرح پولیس سے بھاگیں گے۔ ان کے لئے تو یہی تدبیر بہتر ہوتی ہے کہ ڈھکے چھپے انداز میں ان پر شبہے کا اظہار کر کے بظاہر ان کی رف سے لاپروائی برتی جائے۔ بس پھر یہ شبہے سے بالاتر ہونے کے لئے ایسی حرکتیں شروع ردیں گے کہ ان کا جرم صبح کی طرح روشن ہو جائے گا۔"

"لیکن اتنی دیر میں تو اپنا بھی قیمہ ہو سکتا ہے۔"

"صبر کرو..... اور دیکھو.....!"

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس نظر آرہی تھیں۔ "میرا یال ہے کہ ہمارا تعاقب اب بھی کیا جارہا ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس بار یہ محض تعاقب کی حد تک نہیں رہے گا۔ سنبھل کر بیٹھنا۔ بلکہ کھڑکیوں پر اسٹیل یلڈ چڑھا دو تو بہتر ہے۔ اس بار تعاقب کرنے والے کسی مقصد کے تحت تعاقب کریں گے۔"

"کیوں.....؟"

"پہلے شاید انہیں علم نہ رہا ہو کہ وہ کس کا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"اوہ تو کیا وہ اتنے دلیر بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم پر فائر کریں۔"

"لکھن اور توقیر جیسے لوگوں کا معاملہ ہے، جو قانون کو کھلونا سمجھتے ہیں۔"

"کیا آپ ان سے مرعوب ہو گئے ہیں۔"

"میں صرف ان لوگوں سے مرعوب ہوتا ہوں، جو میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔" فریدی نے ہا
قہقہہ لگایا۔

حمید کھڑکیوں پر اسٹیل شیلڈ چڑھانے لگا۔ یہ فریدی ہی کی اپج تھی کہ اس نے لنکن کو
طور پر بلٹ پروف بنا دیا تھا۔

لیکن وہ صرف ایک خدشہ ہی ثابت ہوا، گاڑی پر فائر نہیں ہوئے اور صحیح و سلامت گھر
پہنچ گئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ بھی محض شبہ ہی رہا ہو کہ دوبارہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا
کہ وہ کسی غیر متعلق آدمی کی گاڑی رہی ہو۔

بقیہ رات سکون کے ساتھ گذری۔ حمید دن چڑھے تک سوتا رہا تھا اور آنکھ کھلنے کے
بھی کافی دیر تک مسہری ہی پر پڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کس طرح استاد نصرت تک پہنچے
ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غزل یومیہ کے حساب سے اصلاح دینے پر رضامند نہ ہو۔ لیکن اس کی بیو
تو بہر حال حمید ہی کی طرفداری کرتی رہی تھی۔ ممکن ہے اس مرحلے پر بھی وہی کام آئے۔ لیک
پچھلی رات کا رویہ اس کی سمجھ میں ابھی نہیں آیا تھا.... یعنی نصرت کی موجودگی میں تو وہ ا
روکے ہی رکھنے پر مصر تھی، لیکن نصرت کے باہر جاتے ہی اتنی بے مروتی اور رکھائی سے ج
جانے کو کہا تھا جیسے وہ اتنی دیر سے کسی یتیم خانے کا چندہ طلب کرتا رہا ہو۔

وہ کراہتا ہوا مسہری سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی نا
کی میز پر پہنچ سکا۔ لیکن وہاں ناشتے کی بجائے موت کا گماشتہ موجود تھا۔

پیپر ویٹ کے نیچے ایک کاغذ نظر آیا جس پر تحریر تھا۔

"حمید.... پچھلی رات پرنس توقیر بھی قتل کر دیا گیا۔ میں نذر پور ہاؤز جا رہا ہوں۔ اٹھ ک
سیدھے وہیں آؤ....!"

حمید نے اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مارتے ہوئے باورچی کو آواز دی۔ "ابے او الو کے پٹھے کیا میں
دود کو ابال کر پی جاؤں.... چائے لاؤ۔"

دوسری عورت

پرنس توقیر نذر پور ہاؤز میں تنہا نہیں رہتا تھا۔ نوکروں کی فوج بھی تھی۔ لیکن صبح تک کسی کو
بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پرنس توقیر اپنی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا ہے، اسے روزانہ چھ بجے اس کا
یک ملازم جگایا کرتا تھا۔ آج وہ حسب معمول جگانے ہی آیا تھا۔ لیکن اس نے خواب گاہ کے
روازے کھلے پائے۔ فرش پر خون پھیلا ہوا تھا اور لاش بستر پر پڑی تھی۔

حمید اس وقت پہنچا جب فریدی ملازموں سے سوالات کر رہا تھا۔

"پچھلی رات کتنے آدمی یہاں آئے تھے؟"

"دو.... جناب...." چوکیدار نے جواب دیا۔

"دونوں کو تم پہچانتے ہو۔"

"جی نہیں پہلے صاحب کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ کوئی دس بجے آئے تھے اور صاحب انہیں
پھاٹک تک پہچانے آئے تھے۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"لکھن صاحب! وہ جن کا موٹروں کا کارخانہ ہے۔"

"ہوں.... وہ کس وقت واپس گئے تھے۔"

"بس آکر تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے تھے۔"

"وقت....!"

"صاحب گھڑی تو نہیں تھی پاس.... پتہ نہیں ایک بجا تھا کہ ڈیڑھ... کہ دو... پتہ نہیں صاحب۔"

"تو انہیں بھی پرنس پھاٹک تک چھوڑنے آئے تھے۔"

"نہیں صاحب....!"

حمید وہاں سے ہٹ کر جائے واردات پر آیا۔ یہاں محکمہ سراغرسانی کے دو آفیسر بھی موجود

تھے۔ چونکہ وہ پرنس توقیر جیسے معزز آدمی کے قتل کا معاملہ تھا اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا پورا دفتر ہی اٹھ کر یہیں چلا آیا ہو.... اس وقت فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر خواب گاہ نشانات کی تصاویر لے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بڑے آفیسروں کی بھیڑ میں وہ کہاں گھستا پھ اس لئے وہ عمارت سے لان پر نکل آیا۔

یہاں ایک جگہ وہ سارے ملازمین اکٹھا تھے، جن سے فریدی پوچھ گچھ کر چکا تھا۔ اس کا تھا کہ وہ اپنے طور پر ان سے سوالات کرے گا لیکن دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا، جو برآمدے میں اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس نے قریب پہنچنے پر پوچھا۔

"میں یہاں مستقبل کی خیریت دریافت کر رہا ہوں۔ کیا آپ کا شبہ لکھن پر ہے۔"

"لکھن کے جانے کے بعد بھی وہ زندہ دیکھا گیا تھا۔"

"خیر.... تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"اس آدمی کو دیکھو! جو لکھن سے پہلے یہاں آیا تھا۔"

"صرف نگرانی یا اس سے پوچھ گچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"بہتر ہے کہ اسے نگرانی میں رکھو، میں بعد میں چیک کر لوں گا.... لیکن ادھر آؤ... ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر کمپاؤنڈ کے ایک ایسے گوشے میں رکا جہاں آس پاس کوئی بھی م نہیں تھا۔

"قریب آؤ....!" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور دو تصو نکالیں۔

"ایک ہی عورت کے دو مختلف پوز....!"

"اوہ.... یعنی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"پہچانتے ہو....!"

"کیوں نہیں.... یہ نصرت کی بیوی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں اب بھی حیرت باقی تھ

"ان میں سے ایک تو سر وحید کے البم سے برآمد ہوئی تھی، اور دوسری آج یہاں تو خواب گاہ میں ملی ہے۔"

"اوہ.... تو یہ عورت....!"

"رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے۔" فریدی نے تصویروں کو دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔ جگدیش اور امر سے کہو کہ وہ اس آدمی کی نگرانی کریں جس نے سعیدہ کی کوٹھی خریدی ہے۔"

"سعیدہ کی کوٹھی....!"

"ہاں تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ نصرت کی سوتیلی بھتیجی تھی۔"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ خیر میں کیا کروں گا....!"

"نصرت کی بیوی۔" فریدی نے کہا اور پھر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

"نصرت کی بیوی....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا اور پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔ اس نے اپنی کار پھاٹک کے باہر ہی چھوڑی تھی۔

مگر نصرت کی بیوی! وہ تو اسے پچھلی رات بھی بے حد پُر اسرار معلوم ہوئی تھی۔ اس وقت جب اس نے بڑی بے رخی سے اس کو رخصت کیا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے روکے رکھنے کے اصرار میں کافی گرم جوش تھی۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی ویسی عورت تھی تو شوہر کی موجودگی میں اس سے لاپروائی برتنی چاہئے تھی، چہ جائیکہ زبردستی روکے رکھنا اور شوہر کے جاتے ہی معنوی اعتبار سے گویا دھکے دے کر ہی نکال دینا ٹھہرا تھا۔ یہ بڑا حیرت انگیز جوڑا تھا.... ہر اعتبار سے.... پچھلی رات اس نے وہ کوٹھی دیکھی ہی تھی جس کے متعلق اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ نصرت ہی کی ملکیت تھی.... پھر وہ اس شاندار کوٹھی کی موجودگی میں اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور اس کی کار اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں نصرت رہتا تھا۔ اس نے کار بستی میں ہی چھوڑ دی اور وحید مینشن کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی ملاقات کے لئے کون سا بہانہ تراشے گا۔ نہ تو اصلاح کے لئے کوئی غزل ہی تھی اور نہ کاندھے پر ایئر گن۔

آج پھر سب سے پہلے نصرت کی بیوی ہی سے مڈ بھیڑ ہوئی اور وہ اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے سوچا اگر اس نے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو کیا صورت ہو گی۔

"آپ کا خادم.... پرواز فاختی...." وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔

"نصرت صاحب آرام کر رہے ہیں۔" عورت نے سرد لہجے میں کہا اور دوسری طرف مڑ گ

"مطلع عرض کیا ہے....!" حمید نے کھکار کر اسٹارٹ لینے کا ارادہ کیا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا.... جاؤ یہاں سے۔" وہ جھلا کر مڑی۔

"کل تو آپ نے بڑا سہارا دیا تھا۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"کیا مطلب....!"

"اگر آپ مدد نہ کرتیں تو میں اتنے بڑے شاعر کا شاگرد کبھی نہ بن سکتا۔"

"کبھی کبھی میرا ذہن بہک جاتا ہے۔" عورت خشک لہجے میں بولی۔ "میں ہمیشہ تفریح موڈ میں نہیں ہوتی۔"

"تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر رو بھی سکتا ہوں محترمہ.... آزمائش کر کے دیکھ لیجئے۔ صرف قہقہوں کا ساتھی نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "مرد واقعی بالکل الو کے پٹھے ہوتے ہیں۔"

"اور ان کے عالم وجود میں آنے کے لئے الوؤں کا پورا جوڑا درکار ہوتا ہے اور یہ چیز یقینی پر تیسری جنگ عظیم کی طرف لے جائے گی۔" حمید کا لہجہ تشویش کن تھا۔

وہ اسے غصیلے انداز میں دیکھتی رہی پھر یک بیک اس کے چہرے پر نرمی کے آثار آنے۔ اور اس نے کہا۔ "مگر کل تم شاگرد بننے کیلئے تو نہیں آئے تھے اس کا خیال تو میں نے ہی دلایا تھا۔"

"مگر آپ نے خیال دلایا ہی کیوں تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کس قسم کے گدھے ہو۔ مگر سارے مرد ایک ہی قسم ہوتے ہیں۔ تم سمجھے تھے شاید میں تم پر ریجھ گئی ہوں۔"

"ذرا ریجھ کر دیکھئے بھی تو کیسی درگت بناتا ہوں۔" حمید نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب....!" اس بار عورت کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"ایک بار ایک لڑکی مجھ پر عاشق ہوئی تھی، آج تک روتی ہے سر پر ہاتھ رکھ کر۔"

عورت نے پلکیں جھپکائیں اور حمید نے کہا۔ "میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس کی شادی کرادی، جو کانے ہیں اور ڈاڑھی بھی رکھتے ہیں۔"

"کیا بکواس شروع کی ہے تم نے جاؤ، یہاں سے ورنہ میں نصرت صاحب کو آواز دیتی ہوں۔"

"غزل میرے پاس موجود ہے۔"

وہ بڑی تیزی سے برآمدے کی طرف روانہ ہو گئی.... لیکن اندر نہیں بلکہ برآمدے ہی میں رک کر اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگی، جیسے دفعتاً کوئی چیز اس پر کھینچ مارے گی۔

حمید آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی، البتہ اب اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ضرور نظر آرہی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں.... آپ مجھے....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ پاگلوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دفعتاً حمید کو یاد آگیا کہ وہ خیالات کی رو میں بہکا ہوا ادھر چلا آیا ہے، حالانکہ یہاں آنے سے پہلے ہی اسے رمیش اور امر کو اس آدمی کی نگرانی پر لگانا چاہئے تھا پھر اگر یہاں پھنس گیا تو وہ اشد ضروری کام رہ ہی جائے گا۔

"آپ مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں محترمہ! اس طرح نہ ہنسئے۔" اس نے ڈری ڈری سی آواز میں کہا۔

لیکن اس کے قہقہے طویل ہی ہوتے گئے اور حمید سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے لگا، پھر یک بیک بھڑک کر بھاگا۔

"ارے.... ٹھہرو.... ٹھہرو....!" عورت ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی چیخی۔

لیکن حمید کو ٹھہرنا کب تھا۔ وہ باغ سے نکل آیا اور تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود ہی اس عمارت کی طرف جاتا، جہاں پچھلی رات نصرت کو دیکھا تھا۔ کیونکہ اتنی دیر میں کچھ تبدیلیاں بھی ہو سکتی تھیں۔ اس لئے وہ خود ہی دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی اب بھی اس عمارت میں موجود ہے یا نہیں۔

سعیدہ کی کوٹھی کے پھاٹک سے اس نے ایک ٹیکسی نکلتے دیکھی.... اور اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار کر کھڑی کر دی۔ پھاٹک سے نکل کر گاڑی پھر رک گئی اور وہ آدمی نیچے اتر کر پھاٹک کو مقفل کرنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس نے ٹیکسی کے ڈکے میں سوٹ کیس اور ہولڈال بھی دیکھ لئے تھے۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

"کہاں دوست....!" حمید مسکرایا۔

"کک.... کیوں....!" وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تمہیں چند سوالات کے جواب دینے ہیں۔"

"کیوں.... آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

"اوہ....!" وہ پھاٹک کی سلاخوں سے ٹک گیا۔

"تم پچھلی رات پرنس توقیر سے کس وقت ملے تھے۔"

"مم.... میں.... ساڑھے نو بجے.... شاید ساڑھے دس بجے.... مگر کیوں؟" وہ انداز میں آنکھیں پھاڑے حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"واپسی کب ہوئی تھی۔"

"وقت کا اندازہ مجھے نہیں ہے۔"

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو۔"

"کیوں....؟"

"سوال کا جواب دو۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"نصیر آباد....!"

"کیوں....؟ کیا نصرت کی بیوی سے عشق لڑانے کی اسکیم ختم کر دی۔"

"کیا....؟" وہ پھر بوکھلا کر حمید کو گھورنے لگا.... لیکن یہ کیفیت دیر تک قائم نہیں تھی۔ شاید وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پتہ نہیں، آپ کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہیں۔" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ "ہٹ سامنے سے۔"

"پھاٹک کھولو....! ٹیکسی سے سامان نکالو اور اندر چلو۔" حمید نے سرد لہجے میں اسے حکم

"آخر کیوں....!"

"پرنس توقیر قتل کر دیا گیا۔ اس لئے ہم ہر اس آدمی کو چیک کر رہے ہیں جو پچھلی رات سے ملا تھا۔"

ایک بار پھر وہ پھاٹک کی سلاخوں سے جا لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑے رہنے کی

جواب دے رہی ہو۔

حمید نے اس کا سامان ٹیکسی سے اتروا لیا اور پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر اس کے پاس اتنا مواد تھا کہ وہ اپنی دانست میں کرنل فریدی کو بھی متحیر کر سکتا۔

اس کی کہانی سن لینے کے بعد اس نے اسے قطعی طور پر حراست میں لے لیا۔ اس کی دانست میں اب چھوٹ دے کر نگرانی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

شام کو فریدی سے گھر پر ہی ملاقات ہوئی اور وہ اپنے کارناموں کا دفتر لے بیٹھا۔ فریدی نے نعیم کی کہانی سنی اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر میں نے تو تم سے نگرانی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا میں ان کی نگرانی کرتا ہوا نصیر آباد تک چلا جاتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"نہیں بس اسے روک لینا ہی کافی تھا۔ حوالات میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

حمید کچھ کہنے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ جھلاہٹ کے باوجود وہ اس گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ نعیم کی کہانی خواہ ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت کی وجہ سے بکواس ہی کیوں نہ رہی ہو لیکن سر وحید کی الٹی تصویر کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یا اگر نعیم کی کہانی من گھڑت ہی تھی تو اسے کسی ایسی تصویر کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی وجہ سے اس کے خلاف شبہات کو مزید تقویت پہنچ سکے۔ ظاہر ہے اس کے بیان پر ہی پولیس اسے ٹوک سکتی تھی کہ ایسی ایک چیز سامنے آنے کے باوجود بھی اس نے پولیس سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ لہٰذا وہ کہانی ایسی نہیں ہو سکتی، جسے نعیم نے اپنے چھٹکارے کے لئے گھڑا ہو۔"

"اس کہانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"دوسری بار سنی ہے...." فریدی نے لاپرائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب.... یعنی کہ آپ.... اسے پہلے ہی چیک کر چکے تھے۔"

"قطعی نہیں.... میں نے تو ابھی تک نعیم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"پھر کیسے معلوم ہوا آپ کو۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا، پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سعیدہ کی روح تھی۔"

"میں نے یہ کب کہا ہے۔"

"تو پھر کسی عورت ہی نے اس کی روح کا رول ادا کیا ہوگا اور اس طرح نعیم کی کہانی عورت بھی سنا سکتی ہے۔"

"اوہ....!" حمید نے پلکیں جھپکائیں، چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کون تھی۔"

شاید وہ مسز نصرت کے امکانات پر غور کر رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی چکرا دینے وا کیس اس کے سامنے آئے تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر ان سے مختلف نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

"ایک عورت جو خود بخود سامنے آئی ہے جس کی وجہ غالباً خوف ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیسا خوف....!"

"اسے پرنس توقیر نے ڈاکٹر سعیدہ کا رول ادا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہاں کیس الجھ جاتا ہے" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "وہ ایک ایسی عورت ہے جسے سر وحید سے دشمنی تھ پرنس توقیر اس سے دوستی رکھتا تھا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ سر وحید نے اسے بھی چند نقصان پہنچائے تھے، لہٰذا وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ یہی چیز اسے آمادہ بھی کر سکی ورنہ ایسے ڈرامے میں حصہ لینے پر تیار نہ ہوتی۔ غالباً سر وحید کی تصویر کی موجودگی کا بھی یہی مطلب تھا اسے پرنس توقیر کے بیان پر یقین آجائے۔ لیکن تصویر الٹی لٹکائی گئی تھی جس کی وجہ پرنس اسے نہ بتا کر عقلمندی سے کام لیا تھا۔ یعنی اس طرح اس عورت کو یقین دلا دیا تھا کہ سر وحید کو بڑے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ ابھی ہر معاملے کی وضاحت نہ کر سکتا۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ الٹی تصویر کا کیا مطلب ہے۔ نعیم کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سر وحی ایجنٹ ہے، جسے اس نے محض اسے نقصان پہنچانے کے لئے انگیج کیا ہے۔"

"حالانکہ وہ اپنے متعلق دوسری کہانی سناتا ہے۔"

"کہانیوں کو بھلا دو اور صرف مقصد پر غور کرو۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ " عورت نے دو دن بعد سر وحید کی موت کی خبر سنی اور بوکھلا گئی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں کہ پولیس کو مطلع کر سکتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ڈرامے کا مقصد سر وحید کی مو ہوگا۔ پرنس توقیر نے تو اسے یہی بتایا تھا کہ وہ سر وحید کو صرف مالی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

اسے اس انجام کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ کبھی توقیر کی باتوں میں نہ آتی.... آج وہ پرنس توقیر سے ملنے آئی تھی۔ جب اس کے قتل کا علم ہوا تو بدحواس ہو گئی۔ اس طرح اتفاقاً وہ سامنے آئی ورنہ اسے تلاش کر لینا تو بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ وہ کوئی اہم شخصیت نہیں ہے۔ ہوٹلوں کی نشستیں ہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔"

"تو پھر الٹی تصویر کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ اس عورت کو اس ڈرامے میں حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔"

"فی الحال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوچنے لگا کہ پھر نصرت اور نصرت کی بیوی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔ پرنس توقیر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کیوں خریدنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقعات کی روشنی میں اس ڈرامے کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ وہ خود نصرت کے سامنے آئے بغیر نعیم کے ذریعہ کوٹھی خرید لے۔

چڑچڑا شاعر

حمید کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ کیا حقیقتاً مقصد صرف اس کوٹھی کی خریداری تھی؟ پھر پرنس توقیر نے نعیم کو نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی ہدایت کیوں دی تھی اور اس کی خواب گاہ سے نصرت کی بیوی کی تصویر برآمد ہونے کا کیا مطلب تھا؟ سر وحید کے یہاں بھی اس کی تصویر ملی تھی.... لیکن ان دونوں کا قاتل کون تھا.... کون تھا؟.... اوہ.... وہ یک بیک اچھل پڑا۔

"ہوں....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"نصرت....!"

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نصرت ہی پر ٹوٹ پڑو گے.... کیونکہ ان دونوں کے پاس اس کی بیوی کی تصویریں تھیں....!"

"کیا میرا خیال غلط ہے۔"

"ابھی صحیح اور غلط کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرنا باقی ہے۔"

"کون سے پہلو....!"

"چلو! فی الحال اسے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ دونوں ہی اس کی بیوی پر نظر رکھتے تھے۔ اس
لئے اس نے انہیں قتل کر دیا۔ لیکن وہ کوئی پردہ نشین عورت نہیں ہے جسے دیکھنے کے لئے سر دو
سر کے بل کھڑے ہو کر جھانکنے کی زحمت مول لیتا۔ اگر محض دیکھنے ہی کی بات تھی تو وہ اسے
آسانی دیکھ سکتا تھا۔"

"میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نصرت کے پاس ایک بے آواز رائفل بھی ہے۔"

"ہاں... آں.... رائفل بھی ہے میرے ذہن میں۔ لیکن پہلے مجھے دیکھنے دو کہ توقیر
وہ عمارت کیوں خریدی تھی اور نصرت کیوں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو عمارت کی فروخت
علم ہو سکے۔ تمہاری کہانی کے مطابق اس نے نعیم کو اس پر تو آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اس کی بیوی
اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلادے.... کہہ دے کہ وہ خریدنا تو چاہتا تھا لیکن بعض قانو
دشواریوں کی بناء پر وہ عمارت فی الحال بیچی نہیں جاسکتی۔ اس سے پہلے نصرت نے اپنی بیوی
تمہارے سامنے ہی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس تھی۔ اس لئے فروخت کر دی گئی۔ جب بیوی
بہت زیادہ اودھم مچایا تو اسے کہنا پڑا کہ وہ اسی رقم سے دوسری کوئی عمارت خرید لے گا.... لیکن
حقیقتاً ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔
یہی نیت ہوتی تو پھر نعیم کو یہ سمجھانے کیوں دوڑا جاتا کہ وہ اس کے گھر آکر بیوی کو یقین دلا
کہ عمارت فروخت نہیں ہو سکی۔ اس لئے وہ بحیثیت کرایہ دار ہی اس میں مقیم رہنا چاہتا ہے۔
اور پھر نعیم اس کی اطلاع پرنس توقیر کو دینے کے لئے دوڑا جاتا ہے.... اور پرنس توقیر اس
کہتا ہے کہ وہ ضرور نصرت کے گھر جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔
اگر یہ عشق کا چکر ہے تو بتایئے حمید صاحب کیا آپ نے کبھی کسی دوسرے کی معرفت عشق
فرمانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں اتنا عدیم الفرصت نہیں رہتا۔" حمید بولا۔ "لیکن.... لیکن.... اب کیا کہوں! تو
آپ کا خیال یہ ہے کہ کوئی تیسرا آدمی بھی اس سے عشق کرتا تھا جس نے ان دونوں کو ختم کرا
کر دیا۔"

"ارے تو یہ عشق کیوں سوار ہو گیا ہے تم پر.... ڈفر کہیں کے.... اگر کوئی تیسرا آدمی عشق

کے چکر میں ہوتا تو سب سے پہلے وہ نصرت کو ختم کرتا نہ کہ ان دونوں کو۔"

"ختم کیجئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اب شاید سر کے بل ہی کھڑے ہو کر سوچنا پڑے گا۔"

فریدی جو بجھا ہوا سگار سلگا چکا تھا آہستہ آہستہ دھواں نکالتا ہوا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ.... مگر.... لکھن پال۔ آپ نے اسے چیک کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"چوکیدار نے اسے تنہا واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے جانے کے بعد بھی توقیر زندہ دیکھا گیا تھا۔ اس لئے فوری طور پر اس کے بیان پر یقین کیا جاسکتا ہے۔"

"کس کے بیان پر....!"

"لکھن کے بیان پر.... اس نے خود ہی مجھے بتایا ہے کہ وہ توقیر کو اس کی اطلاع دینے گیا تھا کہ پولیس سر وحید کے سلسلے میں اس پر بھی نظر رکھتی ہے۔ جس کا جواب توقیر نے یہ دیا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس لئے اسے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن کسی نے اسے بھی قتل کر دیا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا چلئے لکھن کو واپس جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور کسی ملازم نے اس کے جانے کے بعد بھی توقیر کو زندہ دیکھا تھا۔ لیکن کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ یا تو دوبارہ واپس آیا ہو یا اس کے کسی آدمی ہی نے اسے قتل کر دیا ہو۔"

"ممکن ہے! لیکن اسی صورت میں جب اسے ثابت کر دیا جائے۔ عدالت محض امکانات پر غور نہیں کرتی۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید بُرا سا منہ بنائے اٹھ گیا۔

مگر کسی مسئلے سے لاپروائی ظاہر کرنے سے اُسی وقت کام چلتا ہے جب ذہن بھی اس پر آمادہ ہو.... حمید اس مسئلے کو اپنے ذہن سے نہ نکال سکا۔ آخر نصرت اور اس کی بیوی کا ان معاملات سے کیا تعلق تھا۔ نصرت نے سر وحید کے قتل سے پہلے اس کے محکمے کو اطلاع دی تھی کہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے.... کچھ لوگ چھیڑ چھیڑ کر اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا یہ پیش بندی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ توقیر نے بھی اس عمارت کی خریداری ہی کے سہارے اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہو اور اسے اس کا علم ہو گیا ہو.... اور اس نے اسے قتل....!

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور حمید دروازے میں رک کر مڑا۔

"نصرت اور اس کی بیوی پر نظر رکھو.... ویسے میں نے اور بھی انتظامات کر دیئے ہیں کہ اس طرح قتل نہ ہونے پائیں۔ لیکن تمہیں خاص طور پر ہدایت دی جاتی ہے۔"

"خدا کی پناہ.... اب وہ بھی قتل کر دیئے جائیں گے۔"

"غالباً قاتل نے بھنگ پی لی ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "یا پھر میں ہی یہ سوچتے سوچتے عنقریب پاگل ہو جاؤں گا کہ ہم دونوں اب تک کیوں زندہ ہیں۔"

فریدی مسکرایا اور سگار کو ایش ٹرے پر رکھتا ہوا بولا۔ "تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ نصرت ان دونوں کا قاتل ہے۔ اس لئے اب تمہارا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ابھی ابھی دیر پہلے تم نے نعیم سے اپنی گفتگو کے متعلق بتایا تھا لیکن خود اس پر غور کرنے کی ضرور نہیں محسوس کی....!"

"کس پہلو پر میں نے غور نہیں کیا۔"

"نصرت نعیم سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر آؤ.... اور میری بیوی کو یقین دلا دو کہ تم صر کرایہ دار ہو، کسی دشواری کی بناء پر عمارت کو خرید نہیں سکے۔ نعیم اس کی یہ انوکھی تجویز پر توقیر کے سامنے دہراتا ہے.... پھر پرنس کیا کہتا ہے اس سے۔"

"یہی کہ نعیم وہاں ضرور جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔ نروس ہو جاتا ہے۔ پھر پرنس توقیر اس سے کہتا ہے کہ وہ نصرت کی موجودگی میں تو اس سے کہے کہ وہ صرف کرایہ دار کی حیثیت سے اس عمارت کے لئے دوقیم ہے۔ لیکن نصرت کی عدم موجود میں کسی نہ کسی طرح اسے بتا دے کہ اس نے پوری رقم ادا کر کے عمارت خرید لی ہے۔ مگر نصر نہیں چاہتا کہ بیوی کو اس کا علم ہو۔ اس لئے اس نے اسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے۔"

"ہوں تو.... تم اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں نتیجہ مجھ پر ہی نہ پہنچ جائے۔"

"بیٹھ جاؤ.... میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت زیادہ الجھ گئے ہو۔ وہ صرف اس کا کھنڈر والا مکا خالی کرانا چاہتے ہیں۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ابھی کیسے کہا جا سکتا ہے....؟" حمید دوبارہ بیٹھتا ہوا بولا

ے میں پائپ خالی کرنے لگا۔

"اگر یہ عشق کی کہانی ہے تو....!"

"ایک منٹ ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ مقصد نڈر والا مکان خالی کرانا ہے۔ کیا صرف اتنا ہی مقصد نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے درمیان ناچاقی د جائے اور اس ناچاقی کا اختتام علیحدگی پر ہو۔"

"ہوں.... اوں.... ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ "اس طرح تو عشق کی کہانی ابت ہو جاتی ہے۔ واہ بھئی دور کی کوڑی لائے ہو۔ یعنی دوسری عمارت میں منتقل ہونے کا قضیہ نا بڑھ سکتا ہے کہ نوبت طلاق کی آ جائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے....؟ لیکن توقیر کو کس نے قتل کر دیا۔"

"نصرت نے.... یا کسی تیسرے عاشق نے۔"

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم عاشقوں کی ایک فہرست مرتب کر لیتے.... مگر حمید صاحب یہ نہ بولئے کہ اتنے عاشق رکھنے والی ایک ایسے بوڑھے کو پسند کرتی ہے، جو اس کی خواہشات بھی نہیں ری کر سکتا۔ اسے فریب دیتا رہتا ہے، اور وہ کوئی ایسی عورت بھی نہیں ہے جو شادی کے معاملے ں والدین کی مرضی کی پابند رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک الٹرا ماڈرن قسم کی عورت ہے۔"

"مگر پہلے تو آپ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ غیر صحت مند نفی رجحان کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہتیری عورتیں بوڑھے مردوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"خیالات حالات کے پابند ہیں۔ کسی بھی معاملے میں جیسے جیسے اس سے متعلق نئے حالات سامنے آتے ہیں خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی میرا ایک خیال کسی لاعلمی پر مبنی ہے یکن کچھ دیر بعد کسی چیز کا علم ہو جانے پر اسی خیال کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔ ذرا یہ تو سوچو کہ روحید بھی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے عشق کرتا تھا اگر چاہتا تو اسے شہر میں اس کے لئے دس شاندار ارتیں خرید لیتا۔ پھر اس نے نصرت ہی کو کیوں منتخب کیا، جو ایک کھنڈر نما عمارت میں رہتا تھا۔ وبظاہر دولت مند بھی نہیں ہے....!"

"ارے تو پھر میں کس کی گردن کے لئے پھندا تیار کروں۔" حمید نے زچ ہو کر کہا۔

"ابھی نہیں! پھندا بعد کی چیز ہے۔ پہلے کسی طرح نصرت سے وہ مکان خالی کرانا چاہئے۔"

"ہم مکان خالی کرائیں گے...." حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ وہ آخر اس کھنڈر سے کیوں چمٹا ہوا ہے۔"

"اس کی وجہ کنجوسی بھی ہو سکتی ہے جناب۔"

"چلو بھئی! فی الحال ایک تجربہ کرنا ہے۔ ذہن کو زیادہ نہ الجھاؤ، ورنہ پھر عشق پر آ کر گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔"

"ایک تدبیر سمجھ میں آرہی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرائی۔

"کیا....؟"

"اب میں بھی اس کی تصویر رکھنا شروع کر دوں؟"

"لیکن شاید تمہیں قتل ہونے کی سعادت نہ نصیب ہو سکے۔"

"ٹھہریئے.... آپ نے لکھن سے بھی تو گفتگو کی تھی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا، "جس کا ماحصل یہ تھا کہ سر وحید، لکھن اور پرنس توقیر کبھی دوست بھی تھے۔"

"ہاں.... تھے! چوتھا بھی تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "جس کا تذکرہ میں نے مصلحتاً نہیں کیا تھا۔ لیکن لکھن کو وہ ضرور یاد آیا ہوگا۔ البتہ اگر میں تمہارے سامنے اس کا نام دہرا دوں تو تم پر پھر عشق اور رقابت کی کہانی سوار ہو جائے گی۔"

"کون.... نصرت....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے جب شاید نصرت کی بیوی پیدا بھی نہ ہوئی ہو۔"

"ہت تیری کی....!" حمید پھر مضمحل ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ کو اتنی پرانی بات کیسے معلوم ہوگئی۔"

"سر وحید کے قتل کے بعد اس کی پچھلی زندگی کے متعلق چھان بین کرنی ہی پڑی تھی۔ ان چاروں کی دوستی کے دور کا ایک اہم واقعہ سامنے آیا۔ ایک رات کا واقعہ جب چاروں نے جی کھول کر فائرنگ کی تھی اور سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"کیا آپس ہی میں گولیاں چلی تھیں۔"

"ہاں.... اور پولیس کو رپورٹ دی گئی تھی کہ وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ وہ سمجھے تھے شاید

ن پر لٹیروں نے حملہ کر دیا ہے۔ تار جام والی سڑک بن رہی تھی اس زمانے میں سر وحید کے پاس سی کا ٹھیکہ تھا اور یہ چاروں جنگل میں خیمے لگا کر رہتے تھے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے غلط رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو... کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ چاروں کو بیک وقت فرنجک ہو گئی ہوگی۔"

"خدا جانے.... اب کھوپڑی کام نہیں کرتی۔ میں آج جلد ہی سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا اور را سا منہ بنائے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ حمید اپنے کمرے میں جانے سے پہلے لائبریری میں آیا اور یلی فون ڈائریکٹری میں لکھن پال کا پتہ تلاش کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی نے ابھی تک سے اس کیس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔

فریدی عموماً اسے اتنے ہی حالات سے باخبر رکھتا تھا جتنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی اس ادت کی بناء پر بعض اوقات حمید یہاں تک سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ شاید وہ اس پر بھی پوری رح اعتماد نہیں کرتا۔

اس نے لکھن کا پتہ ڈائریکٹری میں تلاش کر لیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے طور پر اس سے گفتگو رے گا۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے اسے اسکے متعلق احتیاط برتنے کی ہدایت بھی نہیں دی تھی۔

لائبریری سے نکلا ہی تھا کہ راہداری کے قریب فریدی نظر آیا۔

"ہوں.... تو آؤ...." اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کا منتظر ہی رہا ہو۔

"کہاں آؤں....!"

"نصرت سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں....!"

"مگر.... میں تو....!"

"فکر مت کرو.... وہ تم سے غزل سنانے کی فرمائش نہیں کرے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں رے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ جائے.... خیر آؤ۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں پیر پٹخ کر بولا۔ بھی ایئر گن لے کر جاؤ کبھی جھنجھنا بجاتے دوڑے جاؤ۔ کبھی میرے ساتھ چلو۔"

"ہاں ہاں.... آؤ.... آؤ...." وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ دیر کرنے سے کوئی تیسرا حادثہ ہوجائے۔"

حمید نے سوچا تھا کہ کچھ دیر دن بھر کی تھکن اتارے گا۔ پھر ہوسکتا تھا کہ ہائی سرکل کا
میں لکھن سے ملاقات ہوجاتی۔ لیکن "مرگ مفاجات" سے کہاں چھٹکارہ۔ گھسٹنا ہی پڑا۔ جھلا
میں وہ فریدی کے پاس بیٹھنے کی بجائے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔

راستے بھران کے درمیان کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں ہوئی۔

نصرت کے بے ترتیب پائیں باغ پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ کار سے اتر کر باغ میں دا
ہوتے وقت فریدی کو ٹارچ روشن کرنی پڑی۔ شکستہ عمارت کا بیرونی برآمدہ بھی تاریک تھا۔ ا
کھڑکیوں اور دروازوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

فریدی نے صدر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے شاید نصرت کی بیوی ہی نے جواب
تھا۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔

"کون ہے....؟" آواز آئی.... حمید نے سوچا کہ یہ عورت چوبیسوں گھنٹے اسی کھنڈر
گذارتی ہے۔

فریدی نے اسے اپنا نام اور عہدہ بتایا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ لیکن جیسے ہی حمید
چہرے پر روشنی پڑی مسز نصرت کی آنکھوں سے جھنجھلاہٹ جھانکنے لگی۔

"اس کا کیا مطلب....!" اس نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا اب سچ مچ مجھے پولیس ہ
طلب کرنا پڑے گا۔"

"...س تو یوں بھی آپکی خادم ہی ہے محترمہ...!" حمید بولا۔ "بغیر طلب کئے ہی پہنچ گئی

"میں مسٹر نصرت سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ براہِ کرم میرا کارڈ ان تک پہنچائیں گی

فریدی نے کہا اور اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح متوجہ ہوئی کہ حمید کباب ہو کر
گیا۔ با... سا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت اور بے جان ہو کر رہ گئی ہو

"...ڈ محترمہ....!" فریدی کی آواز برآمدے میں گونجی اور وہ اس کے ہاتھ سے کارڈ لے
کچھ کہے بغیر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

حمید بھی خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی بجائے نصرت راہداری میں نظر آ
تیزی سے دروازے کی طرف آرہا تھا۔

"تف فرمائیے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر رکتے ہوئے کہا اور پھر حمید کو گھورنے لگا۔

"اوہ.... یہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... مگر.... مگر.... دیکھئے میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔ آخر اس کی وجہ۔" وہ
نہ سے بڑبڑایا۔

"اس بار آپ کی سالانہ یاددہانی میری نظروں سے بھی گذری تھی، نصرت صاحب!" فریدی
"اور اس کے ساتھ ہی وہ نئی رپورٹ بھی کہ کچھ لوگ آپ سے جھگڑا کرنے کی کوشش
ہے ہیں۔"

"آپ مجھے اب بھی اپنا شاگرد ہی سمجھئے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے آپ لوگ مجھ سے براہِ راست کوئی گفتگو
سکیں۔" نصرت نے کہا۔ "میں اپنی رپورٹ میں بھی یہی کہہ چکا ہوں کہ جھگڑا کرنے والے
ے لئے اجنبی ہیں۔"

"کیا آپ اخلاقاً بھی ہم سے بیٹھنے کو نہ کہیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آیئے....!" بوڑھا بُرا سا منہ بنائے ہوئے مڑ گیا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لایا جس میں بہت پرانا فرنیچر نظر آرہا تھا۔

کمرے کی فضا بھی کچھ گھٹی گھٹی سی تھی اور وہاں اسی قسم کی بو گونج رہی تھی جیسے باورچی خانہ
یب ہی ہو۔

"تشریف رکھئے....!" نصرت بے دلی سے بولا۔

"آپ تو وحید مینشن کے پچھواڑے ہی رہتے ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ابھی کچھ دن ہی پہلے میں یہاں آیا تھا.... عجیب کیس ہے یہ بھی.... بے سروپا۔"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ میرا سونے کا وقت ہے۔"

"میں صرف یہ بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ سر وحید کے سر کے بل کھڑے ہو کر آپ
کے گھر میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا بکواس ہے۔" نصرت نے آنکھیں نکالیں۔

"اور میرا خیال ہے کہ ٹھیک باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا میں اُلو ہوں۔" نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

"جی ہاں اور میں آپ کا شاگرد ہوں۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔" وہ کھڑا ہو کر دہاڑا۔

"اوہ.... آپ پتہ نہیں کیا سمجھے۔" فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔ "ایک بات اور بھی ہے۔ اس وقت مجھے وہ چاروں دوست یاد آ رہے ہیں جنہوں نے رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے پر گولیاں برسائی تھیں۔"

نصرت دھب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں اپنے رویے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کھڑکی میں

حمید نے سوچا کہ بس اب سنسنی خیزی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ شاید ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا فریدی کی جیب ہی میں موجود ہو۔ بارہا ایسے واقعات پیش آئے تھے، جب حمید یہ سمجھا تھا کہ صرف ایک معمولی سی تفتیش میں حصہ لے رہا ہے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اصل مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں۔

اس نے پھر نصرت کی طرف دیکھا جو کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔" فریدی نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کا اشارہ کس واقعہ کی طرف ہے۔"

"یہ اس زمانے کی بات ہے جب تار جام والی سڑک بن رہی تھی۔"

"اوہو.... اچھا....!" بوڑھا ہنس پڑا۔ "بڑی پرانی بات یاد کی ہے آپ نے.... ہاں ایک رات ہم چار آدمیوں نے محض غلط فہمی کی بناء پر ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی اور ان میں ایک زخمی ہو گیا تھا۔ ہم سمجھے تھے شاید ہم پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے۔"

"پھر بھی شروعات کے لئے تو کوئی واقعہ ہی ذمہ دار ہو گا.... کیا ہوا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے....!" بوڑھا آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں ابھی آپ نے ایک مضحکہ خیز بات کہی تھی کہ سر وحید کے سر کے بل کھڑے ہو کر میرے باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔ کیا آپ نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ چار آدمیوں کی وہ جنگ کس طرح شروع ہوئی تھی۔"

"مجھے تفصیل یاد نہیں۔ بہت پرانی بات ہے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"آپ کی گولی سے....!"

"میں سمجھا.... شاید آپ اس کا قتل میرے سر منڈھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میری بات کا جواب دیجئے۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ کیا خود سر وحید نے کسی کے خلاف شبہ بھی ظاہر کیا تھا؟"

"یہی تو دشواری ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "روزانہ تین بجے آپ کہاں ہوتے ہیں۔"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بس یہ صرف ایک سوال ہے۔"

"میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ریٹائرڈ ہو چکا ہوں بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جاتا۔"

"باورچی خانے میں اس وقت کون ہوتا ہے۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" نصرت غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ایک موقعہ کا شعر یاد آ رہا ہے استاد۔" حمید بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"مگر بعض باتیں موقعے کے شعر سے بھی زیادہ اہم ہیں استاد۔" حمید نے کہا اور نصرت اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"بیٹھ جایئے مسٹر نصرت آپ مشکلات میں پھنس گئے ہیں۔ آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی پڑے گی، اب تک دو آدمی مر چکے ہیں۔"

"کون دو آدمی....؟ کیا مطلب....!"

"پہلا سر وحید اور دوسرا وہ جو آپ کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا کرنل....!"

"یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان چاروں میں سے دو آدمی ختم ہو چکے ہیں جنہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی۔"

"دوسرا کون ہے....؟" نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پرنس توقیر....!"

"اوہ.... میرے خدا....؟ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں....؟"

"میں فی الحال کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کس نے خریدی ہے؟"

"کک.... کیوں....؟"

"آپ الٹا مجھ ہی سے سوال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ بُری عادت ہے۔"

"نعیم نامی ایک صاحب نے خریدی ہے۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ عمارت آپ فروخت کر چکے ہیں۔"

"کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں آپ! مجھے یقین کیوں نہ ہوگا جب کہ میں نے ہی....!"

"کیا آپ یہی بات محترمہ کے سامنے دہرا سکیں گے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" نصرت میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"آپ صرف مطلع اور مقطع سمجھ سکتے ہیں استاد۔" حمید نے کہا۔ "درمیانی اشعار سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے تو بہتر ہے.... یہ ہمارا کام ہے۔"

"میں گذارش کروں گا کہ آپ لوگ تشریف لے جائیے! ورنہ میں ابھی کمشنر کو فون کرتا ہوں۔" نصرت پھر بھڑک اٹھا۔ فریدی مسکرا رہا تھا وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"اچھا چلئے میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ نعیم صرف کرایہ دار ہے۔ مگر میرے تسلیم کر لینے سے کیا ہوگا۔ مطمئن تو مسز نصرت کو کرنا ہے۔ اوہ.... بات خواہ مخواہ لمبی ہوتی جا رہی ہے، میں تو آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ اب نعیم کوئی گڑبڑ نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اسے حوالات میں ڈال دیا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

حمید بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔ دفعتاً نصرت نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ "ٹھہریئے۔ نعیم کو آپ نے کیوں گرفتار کیا ہے اور کس گڑبڑ کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔"

"کچھ نہیں! شکر کیجئے کہ اسے موقع ہی نہ مل سکا! ورنہ آپ اس وقت اتنے پُرسکون نظر نہ آتے اور محترمہ کا غصہ تو شاید آتش فشانوں کے منہ بھی پھیر دیتا۔"

"کیا آپ مجھے پاگل بنا دینے کا تہیہ کر کے آئے ہیں۔" نصرت اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر اندھیرے میں گھورتا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔

"ہم تہیہ کر کے آئے ہیں کہ صرف غیر طرحی سنائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"یا تو آپ لوگ صاف صاف گفتگو کیجئے یا میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ میں سسپنس میں رہنے کا عادی نہیں ہوں.... اس سے مجھ پر ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ تو صرف اس کھنڈر میں رہنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ کو کسی قسم کے بھی اٹیک کا خدشہ نہیں ہے۔"

نصرت کے ہونٹ پھیل گئے۔ لیکن یہ مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔

"خیر ختم کیجئے۔" فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر کہا۔ "فروخت سے کچھ دن قبل ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی کس کے پاس تھی۔"

نصرت نے فوراً ہی جواب نہیں دیا لیکن انداز سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مکانوں کے ایک دلال کے پاس۔"

"تو آپ پہلے ہی سے اسے فروخت کر دینے کی فکر میں تھے۔"

"ہاں! لیکن کوئی گاہک نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کوٹھی منحوس مشہور ہے۔"

"پھر گاہک مل گیا۔ آپ نے بیگم صاحبہ کو بتایا.... لیکن پھر نہ جانے کیوں آپ نے گاہک سے یہ خواہش ظاہر کی کہ بیگم صاحبہ کو فروختگی کا علم نہ ہونے پائے اس سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کو

اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلائے.....؟"

"میں کہتا ہوں..... یہ قطعی نجی معاملات ہیں، ان سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہونا چاہ بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔

"قطعی نہ ہونا چاہئے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر بعض اوقات آدمی حالات سے ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کا یہ قطعی نجی معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ نعیم کے آقا نے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ آپ کی موجودگی میں تو آپ کے بیان کی کردے لیکن علیحدگی میں بیگم صاحبہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ آپ جھوٹے ہیں۔

"نہیں....." نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اس کا آقا..... اس کا آقا! میں نہیں

"اوہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عمارت نعیم نے خریدی تھی۔"

"پھر کس نے خریدی تھی.....!"

"پرنس توقیر نے.....!"

حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک بوڑھے کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو۔ اس نے اسے غور سے مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پھر معمول پر آ گیا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ توقیر کی اس حرکت کا کیا مطلب تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"مجھے پہلے ہی علم تھا کہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں ہوئے مسکرا کر کہا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ جو عمارت ہی کے کسی گوشے سے ابھری وہ چونک پڑے اور بوڑھا دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "اوہ سلیمہ کو کیا ہوا۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ نہ چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور نہ یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بوڑھے کے پیچھے جائے گا

دفعتاً کھنڈر کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے آواز آئی۔ "سنئے۔"

آواز کسی عورت کی تھی۔ "سنائیے!" فریدی نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

"میں سلیمہ ہوں! نصرت کی بیوی۔ خدارا کسی طرح اس کھنڈر سے نجات دلائیے، ورنہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں گی۔"

"کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں اڑ رہا تھا۔ سایہ کھڑکی کے پاس سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر فریدی کی طرف مڑا جس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اسی وقت نصرت پھر کمرے میں داخل ہوا وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"وہ پتہ..... نہیں..... کہاں ہے..... میری مدد کیجئے۔" وہ رک رک کر بولا۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔ لیکن حمید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں بس آ رہا تھا کہ فریدی یہاں وقت کیوں ضائع کر رہا ہے۔

اچانک قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نصرت کی بیوی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"یہ کیسی چیخ تھی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں باتھ روم میں تھی۔ کون تھی وہ۔"

"تم نہیں تھیں۔" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔

"میں کیوں ہوتی۔"

"مگر آواز تو تمہاری ہی جیسی تھی۔"

"خدا کی پناہ..... میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ ہرگز نہیں رہوں گی۔"

"خاموش رہو۔" نصرت بپھر گیا۔

"ارے نہیں استاد میں رجز سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ خاموش رہئے۔" نصرت اس پر الٹ پڑا۔

"وقت نہ ضائع کیجئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یہ چیخ کیسی تھی۔"

"میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔" نصرت نے ہاتھ ہلا کر کہا، بیوی سے بولا۔ "اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں تو کہیں اور انتظام کر لو۔ میں یہیں رہوں گا۔"

"یہ کتنی بے تکی بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" نصرت کی بیوی نے آنکھیں لیں۔ "ہاں تم سے کہہ رہا ہوں؟ کان کھول کر سن لو۔ یا مجھے قطعی طور پر چھوڑ دو۔ یا میری مرضی کے مطابق رہو۔"

"آپ سب کے سامنے میری توہین کر رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"نہیں میں صاف طور پر گفتگو کر رہا ہوں۔ مجھے اپنے اجداد کے اس کھنڈر سے پیار ہے۔ میں یہاں مرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک کرسی کی پشت گاہ پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

"آپ کو کچھ اور پوچھنا ہے؟" نصرت نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر ناخوشگوا ں کہا۔

"نہیں جناب شکریہ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب ہمیں مجبوراً خود ہی آپ کے و ھونڈھ نکالنا پڑے گا تاکہ سالانہ یاددہانیوں کا مسئلہ حل ہو سکے۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔"

"مجھے کون روکے گا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ از روئے قانون میرے وکیل کو مجبور نہیں کر سکتے۔" نصرت آنکھیں نکال کر بو

"جو میں کرتا ہوں وہی قانون ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو قانون مجھ سے شکوہ نہیں کر۔

"خیر میں بھی دیکھوں گا۔" نصرت کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیسی سالانہ یاد دہانی کیسا وکیل۔" مسز نصرت نے سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"میں کہتا ہوں تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" نصرت پھر اس پر الٹ پڑا۔

چلو بھئی فریدی نے حمید سے کہا۔ "ہماری وجہ سے خواہ مخواہ کہیں یہ دونوں آپس میں بیٹھیں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر رک کر مڑا اور آہستہ سے بولا۔ "مجھے شبہ ہے ک کی بیگم صاحبہ سر وحید کے قاتل سے واقف ہیں۔"

"کیا کہا.....!" مسز نصرت اچھل پڑی۔

"بالکل بالکل....." نصرت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بچوں کی سی ہنسی تھی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں شوخی بھی دیکھی تھی۔

"نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی نے کہا۔ "آپ اس مسئلے کو غیر سنجیدگی سے نہیں ٹال وہ اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم تہیہ کر کے آئے ہو کہ مجھے پاگلوں کی طرح چیخنے پر مجبور کر دو گے۔"

"آپ ایک بار پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔" فریدی

نصرت کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تڑ سے بولی۔ "میں خوب سمجھتی ہوں۔ پہلے آپ نے پنے اسسٹنٹ کو بھیجا تھا اب خود تشریف لائے ہیں۔"

"تم کیا سمجھتی ہو؟" نصرت نے پوچھا۔

"ایک بار ان حضرت نے آرلکچو میں مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔"

حمید چکرا گیا اور اس طرح بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس نے ہونٹوں کی بجائے ں سے سگار پینا شروع کر دیا ہو۔

"مگر یہ ان دنوں کی بات ہے محترمہ جب آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔" فریدی مسکرا کر لا۔ "اس لئے یہ مسئلہ نصرت کی ذات سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ ویسے مجھے آپ کی یادداشت کی ریف ہی کرنی چاہئے۔"

"خدا کی قسم برداشت سے باہر ہے۔" نصرت ناچ کر رہ گیا۔

"ایسے حالات واقعی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خاموش ہی رہا۔ یہ رات بھی اس کی لئے عجیب ہی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس عورت نے نصرت کو ڈاج دے کر فریدی تک اپنا یہ یام پہنچایا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے نجات دلائے اور اب اس پر الزام لگا ہی تھی کہ اس نے کبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی اور تو اور فریدی نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

نصرت آنکھیں پھاڑے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مگر آپ قاتل کو جانتی ہیں۔" فریدی نے اس کی بیوی سے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ روحید پر فائر آپ کے باورچی خانے ہی سے کیا گیا تھا۔"

دفعتاً مسز نصرت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور حمید نے اسکی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"مم..... نن..... میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے کہا اور تیزی سے فریدی کے قریب ہی سے گذرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ نصرت کسی بت کی طرح ساکت تھا لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے بذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے.....!" اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

"میں اس کا مظاہرہ کر سکتا ہوں.... اگر آپ اجازت دیں۔"

"کیسے! کیا دیوار پر فائر کیا گیا ہوگا۔ کیا گولی دیوار سے گزر کر اس کے لگی ہوگی۔"

"نہیں! میں دکھاؤں گا۔ کیا آپ مجھے اپنے باورچی خانے تک لے جاسکیں گے اور کیا ا اجازت دیں گے کہ میں آپ کی بے آواز رائفل استعمال کر سکوں۔"

"اوہ....!" نصرت اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا خوف تھا یا اظہار حیرت۔

"تو آپ اس کے قتل کا الزام میرے سر رکھ دیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اس پر تو آپکی بیگم صاحبہ ہی روشنی ڈال سکیں گی کہ قاتل کون تھا۔

"تو اس نے مجھ سے بھی چھپایا ہے۔ لیکن وہ چلی کیوں گئی۔"

"اس کا جواب بھی وہی دے سکیں گی۔ میرے خیال سے اب آپ کو دیر نہ کرنی چاہئے۔"

"آیئے... میرے خدا... یہ رات کتنی عجیب ہے۔" نصرت دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دوسرے کمرے میں اس کی بیوی ملی وہ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

نصرت نے دیوار سے رائفل اتاری اور فریدی کی طرف بڑھادی۔ پھر بیوی سے بولا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم سر وحید کے قاتل کو جانتی ہو۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو۔ چھیڑ چھاڑ کے تذکرے پر تمہاری آواز میں بڑی زندگی تھی۔" نصرت گر

"لیکن اس الزام پر تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔ اگر یہ جھوٹا ہے اپنے کمرے میں چلو۔ جواب دینا پڑے گا اگر اسے ثابت نہ کیا جاسکا۔"

وہ اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے کے دروازے پر لایا اور اندر دھکیل کر زنجیر چڑھادی۔

"کھولو.... کھولو.... یہ کیا کرتے ہو۔ کیا دیوانگی ہے۔" وہ اندر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

نشانہ

باورچی خانے کی پچھلی دیوار شکستہ تھی اور اس سے تاروں بھرا آسمان صاف دکھائی د

تھا۔ یہ شگاف اتنا کشادہ تو ضرور تھا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکے۔ بہر حال باورچی خانہ قطعی غیر محفوظ تھا۔ اگر اسے مقفل نہ رکھا جاتا تو سارے ہی رہائشی حصے غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے۔ اس وقت بھی وہ قفل ہی کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

فریدی کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ دروازے کی طرف مڑا۔ یہاں سے وحید مینشن کی تیسری منزل کی دیوار صاف نظر آرہی تھی۔

"آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں مجھے۔" نصرت نے پوچھا۔

"ٹھہریئے....!" فریدی بولا اور شکستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ لیکن راہ میں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار اور بھی حائل تھی۔ یہ فرش سے تقریباً چار فٹ ضرور اونچی ہوگی۔ دونوں دیواروں کے درمیان ایندھن کے ڈھیر تھے۔

"کوئی آدمی اس شگاف سے اندر داخل ہو کر یہاں بہ آسانی چھپ سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس طرح کہ یہاں بیٹھ کر کھانا پکانے والے کو خبر ہی نہ ہو سکے۔"

"خدا کی پناہ۔" نصرت پھر جھنجھلا گیا۔ "میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سے گولی چلائی گئی تھی تو وہ پہلے آسمان کی طرف گئی ہوگی اور پھر وہاں سے اس طرح ٹپکی ہوگی کہ سر وحید کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا ہوگا۔

"بے صبر ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور صحن میں رک کر اس نے تین بار سیٹی بجائی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرنے جارہا ہے۔

دفعتاً فریدی نے نصرت سے کہا۔ "اب دیوار کی طرف دیکھئے مسٹر نصرت۔"

حمید کی نظر وحید مینشن کی طرف اٹھ گئی۔ تیسری منزل کی دیوار پر ایک جگہ ایک چھوٹا سا روشن مستطیل نظر آرہا تھا۔

"اوہ.... یہ کیا....!" نصرت بڑبڑایا۔ خدا کی قسم میری نظر آج تک اس پر نہیں پڑی تھی۔

"اب آیئے باورچی خانے میں۔"

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آگئے۔ فریدی چار فٹ اونچی دیوار تک چلا گیا۔

"ذرا جھک کر یہاں سے دیکھئے اور زیادہ صاف نظر آرہا ہے۔"

حمید بھی قریب پہنچ گیا۔ اب یہاں اس روشن مستطیل کی اصلیت واضح ہوئی۔ یہ ایک

چھوٹی سی مستطیل نما خلاء تھی جس میں ایک موم بتی روشن تھی اور موم بتی کی لو یہاں سے ص
نظر آرہی تھی۔

"یہ تالی میں تو کبھی نہیں دیکھی۔" نصرت بڑبڑایا۔

"تھوڑی دیر بعد یہ پھر نظروں سے غائب ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا اور دیوار کی دو
جانب اترتا ہوا بولا۔ "اب دیکھئے کہ سر وحید کا کیا حشر ہوا۔ جب وہ اسی خلاء سے آنکھیں لگا
کے بل کھڑا تھا مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ ایک کارتوس دینے کی بھی زحمت گوارہ کریں گے۔"

"میگزین بھرا ہوا ہے۔" نصرت بولا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں طفلانہ چمک دیکھی۔

"شکریہ۔" فریدی نے میگزین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور شست لے کر فائر کر دیا۔ را
بے آواز تھی اس لئے ایک ہلکی سی "کلک" باورچی خانے میں گونج کر رہ گئی۔

دوسری طرف مستطیل نما خلاء کی موم بتی گل ہو چکی تھی۔

"بڑا شاندار نشانہ ہے....!" نصرت بڑبڑایا۔

"تو اس طرح سر وحید کا خاتمہ ہوا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں سے
صحیح نشانہ نہیں لیا جا سکتا۔" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر نصرت ہی بولا۔ "مگر کون! یہاں سے کس نے فائر کیا ہو
کون آیا ہوگا یہاں۔"

"آپ کہاں تھے جس دن یہ حادثہ ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھر پر نہیں تھا۔ رات گئے واپس آیا تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ سر وحید مر گیا۔"

"کیا بیگم صاحبہ تین بجے عموماً باورچی خانے ہی میں ہوتی ہیں؟"

"ہاں.... مگر اس سے کیا....؟"

"کچھ نہیں.... سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے باورچی خانے میں اس طرح کیوں جھانکا کرتا تھا۔"

"یقین کیجئے مسٹر آفیسر.... اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو شائد وہ میرے ہی ہاتھوں مرتا
نصرت نے مسکرا کر کہا "اور یہ سوال میرے لئے بھی تشویش کن ہے کہ وہ میرے باورچی خا
میں کیوں جھانکا کرتا تھا۔ لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آیئے اب میں ا
نا معقول عورت سے پوچھوں گا۔"

وہ باورچی خانے سے پھر اس کمرے کی طرف آئے جہاں نصرت نے اپنی بیوی کو بند کیا تھا۔
ت نے کنڈی گرائی اور دروازے کو دھکا دیا۔ وہ مسہری پر منہ کے بل پڑی بُری طرح کانپ
تھی۔

"اٹھو....!" نصرت نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ اٹھ تو گئی لیکن کسی سے نظر نہیں ملائی اس
جھکا ہوا تھا اور وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔

"کس نے فائر کیا تھا باورچی خانے سے۔" نصرت دہاڑا۔

"میں نہیں جانتی تھی.... مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے کھٹکے کی آواز سنی تھی اور چونک پڑی
وہ دیوار کے شگاف سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ میں چیخی تھی اور وہ
گیا تھا۔"

"کون تھا....؟"

"پرنس توقیر....؟"

"ہائیں....!" نصرت آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ "لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ تم
تھیں کہ سر وحید باورچی خانے میں جھانکا کرتا ہے۔"

"نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے کبھی جھانکتے نہیں دیکھا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا۔"

"میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہیں تم میرے کیرکٹر پر شبہ نہ کرنے
لں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی۔" وہ رونے لگی۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا۔ نصرت اپنی بیوی کو تنفر آمیز نظروں سے دیکھ کر رہا تھا۔
نے فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس وقت جو کچھ
یا ہے، بہت ہی منظم طریقے پر کیا ہے۔ شاید وحید مینشن کی تیسری منزل پر اس کے آدمی پہلے
ے موجود تھے جنہوں نے سیٹی کی آواز پر دیوار کی پوشیدہ خلاء میں موم بتی روشن کر دی تھی۔

"تم نے آخر مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔" نصرت نے اپنی بیوی کو پھر جھنجھوڑ ڈالا۔ "اور تم پرنس
لو کیا جانو۔"

اس کی بیوی نے سر اٹھایا گو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر ان میں حمید کو غصے کی

لہر نظر آئی۔ دفعتاً اس نے غرا کر کہا۔ "کیوں نہ جانوں۔ کیا میں کوئی پردہ نشین عورت ہوں۔ ہزاروں کو جانتی ہوں۔"

"بس کیجئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔ "آپ دونوں ہی بہترین اداکار ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!" بوڑھا چونک پڑا اور عورت بھی فریدی کو گھورنے لگی۔

"زیادہ لمبی اڑان اکثر بڑی تیزی سے نیچے لاتی ہے۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

"پتہ نہیں اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کا وارنٹ گرفتاری میری جیب میں موجود ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب کہاں تک سمجھاؤں۔" فریدی نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے ک

"یہ کیا کرنے جا رہے ہیں آپ۔" بوڑھا جھلائی ہوئی آواز میں چیخا۔

"وارنٹ دکھائیے۔"

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وارنٹ بھی نکالا۔

"مگر یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے۔ آخر میں کس بناء پر گرفتار کیا جا رہا ہوں۔" نصرت۔ بھی غصے ہی کا مظاہرہ کیا۔

"سر وحید اور پرنس توقیر کے قتل کے الزام میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ج تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"بکواس ہے۔" نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اس پر غور کرنا عدالت کا کام ہے.... میرا نہیں۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔ آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔" نصرت کی بیوی بولی۔

"عدالت میں ثابت کروں گا۔ ویسے جس طرح میری یہ بات صحیح نکلی ہے کہ آپ سے واقف تھیں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے رائفل پرنس توقیر کے ہاتھ م بلکہ نصرت کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس کے بعد نصرت نے پرنس توقیر کو بھی ختم کر بھی فرمائیے کہ میں نے آپ کو کبھی آلکچو میں چھیڑا تھا۔ توقیر اس بیان کی تصدیق کرنے

ندہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھی تھی۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" نصرت اس طرح بولا جیسے اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا اثر دیکھنا اہتا ہو۔

"ظاہر ہے کہ ہتھکڑیاں نکال لینے کے بعد میں کیا چاہوں گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ تم مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔" حمید نے بوڑھے کی نکھوں میں دیوانگی کی جھلک دیکھی۔ اس نے رائفل سیدھی کر لی تھی۔ رائفل اس دوران اسی کے پاس ہی رہی تھی۔

"نکل جاؤ یہاں سے.... جاؤ۔" وہ فائر کر دینے کی دھمکی دیتا ہوا بولا۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" عورت چیخی۔ لیکن بوڑھا سیفٹی کیچ ہٹا چکا تھا۔

فریدی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "آپ مطلق پریشان نہ ہوں محترمہ! وہ ایک ایسے آدمی کو ولی مارنے جا رہا ہے جس نے آپ کو کبھی چھیڑا تھا۔"

"اے بوڑھے۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آس پاس ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔"

"اس لئے تم اس وقت بھی اس کو غزل پر اصلاح دے سکتے ہو۔" فریدی نے نصرت سے کہا ور ہتھکڑیاں لے کر اس کی طرف بڑھا۔ نصرت نے ٹریگر دبا دیا اور حمید دیوانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا۔ عورت بھی چیخی تھی لیکن فریدی اپنے ہی پیروں پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

حمید اور نصرت گتھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

"تم بیکار الجھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "میں احمق نہیں ہوں کہ میگزین خالی کئے بغیر رائفل اسے دے دیتا۔"

"ہات تیری کی۔" حمید بڑبڑاتا ہوا نصرت پر سے اٹھ گیا۔ ویسے اس نے اس سے رائفل تو چھین ہی لی تھی۔

نصرت دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ بازی کیسے پلٹ گئی۔ پہلے تو فریدی اس خیال کی تردید کر رہا تھا کہ نصرت ہی قاتل ہے۔

"ایسا ظلم نہ دیکھا نہ سنا۔" عورت بڑبڑائی۔

"میں آپ کو اس کھنڈر سے نجات دلا رہا ہوں محترمہ۔ آپ نے کچھ دیر پہلے خواہش ظاہر کی تھی۔"

"خواہش ظاہر کی تھی تم سے کب....؟" نصرت نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جب آپ ان کی چیخ سن کر باہر تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے کھنڈر کی طر کھڑکی سے کہا تھا۔ خدا کے لئے مجھے اس کھنڈر سے نجات دلائیے۔"

"اوہ.... کتیا.... اتنی چالاکی....!" نصرت نے دانت پیس کر کہا۔

"خاموش رہو سؤر.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔"

"زبان کو لگام دے سؤر کی بچی۔"

"چپ رہو سؤر....!" عورت نے جھلاہٹ میں نصرت پر تکیہ کھینچ مارا۔

"یہ رباعی عرض ہوئی ہے۔" حمید نے ہونٹ بھینچ لئے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اس بار نصرت کے ہتھکڑیاں لگا ہی دیں۔

وہ چیختا رہا۔ مرنے مارنے پر آمادہ رہا۔ لیکن اسے اور اس کی بیوی کو کار تک پہنچا ہی دیا گ

پھر دوسری صبح کے اخبارات نے سر وحید کی موت کا معمہ حل کر دیا۔ اس کی چھت میکنزم کے متعلق تفصیل آئی تھی جس پر دباؤ پڑتے ہی دیوار میں خلاء پیدا ہو جایا کرتی تھ وحید سر کے بل کھڑا ہو کر نصرت کی بیوی کے سلسلے میں تاک جھانک کیا کرتا تھا۔ ایک دن نے اسے جھانکتے دیکھ کر اپنی بے آواز رائفل سے ٹھکانے لگا دیا اور پھر اپنی بیوی کے د عاشق پرنس توقیر کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے بھی مار ڈالا۔ پولیس نے دونوں مقتولین ک سے اس کی بیوی کے فوٹو برآمد کئے ہیں۔

سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن حمید مضطرب تھا۔ اس کیس کے کئی الجھاؤ تک اس کے لئے الجھاوے ہی بنے ہوئے تھے۔

اس نے فریدی سے بھی ان کے متعلق گفتگو کرنی چاہی بس یہی جواب ملا۔ "ختم کر اپنے ذہن کو زیادہ نہیں الجھانا چاہتا۔ نصرت اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن اس کی بیوی کے جرم کا اعتراف کر ہی لیا ہے۔"

"تو وہ جانتی تھی کہ سر وحید وہاں سے جھانکا کرتا ہے۔"

"اس کا اعتراف اس نے نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ جانتی تھی۔ اگر اعتراف کر لیتی تو نصرت ہی کب اسے زندہ چھوڑتا۔"

اسی دن رات کے کھانے پر فریدی نے فون پر ایک کال ریسیو کی اور کھانا چھوڑ کر نہ صرف خود اٹھ گیا بلکہ حمید کو بھی اپنی ہی تقلید پر مجبور کیا۔

"کیا مصیبت آگئی ہے۔" حمید پیر پٹخ کر بولا۔

"جاؤ سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن لو۔ نقاب ساتھ لینا مت بھولنا۔" فریدی نے کہا۔

"جلدی کرو۔"

"کیا ہوگا....!"

"طوفان میل کا بیٹا۔ اسٹیج کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے کسی ہنٹر والی کی بیٹی کا ابھی انتظام ہو جائے۔ جلدی کرو ڈفر۔ ریوالور بھی لینا۔ کچھ راؤنڈ فالتو بھی۔"

"فی الحال میں خود کو کسی پالتو سے زیادہ نہیں سمجھ رہا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "آج کی تفریح بھی تمہیں عرصہ تک یاد رہے گی۔"

"اگر فاقہ مستی تفریح ہے.... تو....!"

"دفع ہو جاؤ۔" فریدی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے بھی سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون ہی میں دیکھا۔

پھر گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی گئی جس کا رنگ آئے دن تبدیل ہوتا رہتا تھا اور نمبر کی پلیٹیں بھی حسب ضرورت بدلی جا سکتی تھیں۔ یہ گاڑی بہت ہی مخصوص مواقع پر استعمال ہوتی تھی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

کار انہوں نے دولت گنج کی ایک تاریک گلی میں چھوڑی اور گلیوں ہی سے پیدل گذرتے رہے، حمید بالکل خاموش تھا۔ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسی ہی جھلاہٹ ذہن پر مسلط تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ وحید مینشن کی پشت پر آنکلے ہیں۔ نصرت کی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہی تو سامنے تھی۔

"نقاب....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ حمید نے نقاب چہرے

پر لگالی اور اب پھر یک بیک وہ اپنے جسم میں ویسا ہی پھرتیلا پن محسوس کرنے لگا جیسا خاص مہ
کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سارے حواس پوری طرح بیدار ہوگئے تھے۔

کھنڈر پر اندھیرا مسلط تھا اور وہ دونوں چوپایوں کی طرح زمین پر ٹکے ہوئے آہستہ آ
آگے بڑھ رہے تھے۔

اندر داخل ہونے کے لئے فریدی نے وہی شگاف منتخب کیا جو باورچی خانے کی دیوارو
تھا۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ اگر باورچی خانے کا دروازہ صحن کی طرف سے مقفل ہوا تو کیا ہو
کس طرح دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔ صدر دروازہ تو ان دونوں کی گرفتاری کے بعد ہی
کر کے سیل کر دیا گیا تھا۔

باورچی خانے میں پہنچ کر دروازے کے برابر ہی انہیں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آیا جس
ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی نے محدود روشنی والی چھوٹی سی ٹارچ روشن کی
سوراخ شاید کچھ دیر قبل ہی بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب ہی اینٹوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر
پلاسٹر کے ٹکڑے نظر آرہے تھے۔ پچھلی رات حمید نے یہاں ایسا کوئی سوراخ نہیں دیکھا تھا۔

سوراخ کے قریب رک کر فریدی نے آہٹ لی اور پھر اپنے پیر سوراخ سے گذار دیئے۔
طرح وہ کھسکتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اب حمید کے لئے اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں تھ
بھی بہ آسانی سوراخ سے گذر کر صحن میں پہنچ گیا۔ ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ دفعتاً ایک کھڑکی
روشنی نظر آئی۔

فریدی اسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ... روشنی پھر غائب ہو گئی تھی۔ شاید وہ کسی ٹار
روشنی تھی۔ جسے حسب ضرورت جلایا اور بجھایا جا رہا تھا۔

پھر انہوں نے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ روشنی دوبارہ نظر آئی اور اس بار دیر تک ر
فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور کوئ
نکلا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اس کی بائیں پسلی سے جا لگی۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ دوست....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

اور اجنبی کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"اب تم سوئچ آن کر دو.... کمرے کا۔" فریدی نے حمید سے کہا تھا لیکن حمید کو اس کی

پانے میں دشواری محسوس ہوئی۔

بہر حال اس نے سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ ان کا شکار بھی نقاب پوش ہی نکلا۔

فریدی اسے ریوالور سے دھکیلتا ہوا پھر کمرے میں واپس لا رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر حمید نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھورا۔

ہوس کی کہانی

یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس۔
نکھوں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نقاب سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ہاتھوں میں سفید دستانے
تھے۔ بائیں شانے سے ایک چرمی تھیلا لٹک رہا تھا جس سے لوہے کے کچھ اوزاروں کے سرے
جھانک رہے تھے۔

فریدی نے ریوالور کی نال سے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر نقاب پوش کی جامہ
تلاشی لینے لگا۔ ایک چاقو اور ایک آٹومیٹک پستول اس کے پاس سے برآمد ہوا جس کی میگزین پُر
تھی۔ پھر اس نے اس کے کاندھے سے چرمی تھیلا بھی اتار کر فرش پر الٹ دیا۔ مختلف قسم کے
اوزار بکھر گئے۔

"اب تم اپنا کام اطمینان سے جاری رکھ سکتے ہو دوست۔" فریدی نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ بھی اپنی اصلی آواز میں نہیں
بولا۔ اس نے حلق کے بل بولنے کی کوشش کی تھی۔

"میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ اپنا کام جاری رکھو۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"لیکن جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

اور جواب میں حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا ہے۔ لیکن خود اس
نے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فریدی کے اس طرح

ریوالور جیب میں ڈال لینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس نقاب پوش کو جواب دینے پر مجبور نہیں مانے گا۔ نقاب پوش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ غالباً وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا مقا چاہتا ہے۔

"تم جواب دینے پر مجبور ہو۔" دفعتاً فریدی بولا۔

"اوہ....!" نقاب پوش نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس پر چھلانگ لگائی۔ فریدی بے خبر نہیں کہ اس کی زد میں آجاتا۔ بڑی پھرتی سے وہ ایک طرف ہٹا اور پھر قبل اس کے کہ نقاب دوسری بار اس کی طرف پلٹتا اس نے اس کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کی۔ نقاب پوش کراہ کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کا دوسرا حملہ یہی ثابت کر رہا تھا کہ وہ مر جانے یا مار ڈالنے کا تہیہ کر کے جھپٹا ہے۔

حمید کی حیثیت ایک خاموش تماشائی کی سی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے حالات میں قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی شامت تو آئی نہیں تھی کہ وہ اس میں خود بھی حصہ لے بیٹھتا۔ ایسے مواقع پر فریدی دخل اندازی کرنے والوں کو بھی دوچار ضرور جھاڑ دیتا تھا۔ خواہ اس کے اپنے ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر مقابلہ کرنے والے دو تو حمید کو یقینی طور پر ہاتھ پیر ہلانے کا خیال آتا۔

دوسرے حملے میں فریدی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن اس بار بھی اس نے بڑی صفائی سے اسے خالی دیا تھا۔

تیسری بار حملہ کرنے کی بجائے نقاب پوش دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور ہانپتا ہوا بولا جو کوئی بھی ہو۔ ایک سرکاری فرض کی ادائیگی میں حارج ہو رہے ہو۔"

"ارے دوست! یہ کہانی بھی میرے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔" فریدی نے کچھ حیرت کا اظہار کر کے کہا۔

"اس مکان کا مالک ایک غیر ملکی جاسوس تھا۔" نقاب پوش بولا۔ "میں اس کے کاغذات تلاش کر رہا ہوں۔"

"تمہیں یہ حق کہاں سے ملا ہے دوست۔" فریدی کا لہجہ پر سکون اور باوقار تھا۔

"میں سیکرٹ سروس سے متعلق ہوں۔"

"خوب! حالانکہ سیکرٹ سروس کا کوئی آدمی پھانسی کے تختے پر بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ کون ہے کیونکہ اس کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آسکتا۔ شاید تم نے کسی جاسوسی ناول میں سیکرٹ سروس والوں کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔"

یک بیک نقاب پوش پھر فریدی پر ٹوٹ پڑا.... اور فریدی اس بار جم کر مقابلہ کرتا ہوا بولا۔ "ابھی میں دیکھے ہی لیتا ہوں کہ تم کون ہو۔"

نقاب پوش اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار اس نے فریدی کو گرا بھی دیا لیکن خود کو اس کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔

"کیا میں تمہیں جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔" فریدی اس کی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ "بولو.... اگر تم جواب دینے پر آمادہ ہو تو میں تمہاری گردن چھوڑ دوں۔"

"بتاؤں گا...." وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا اور فریدی اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

"تم کون ہو....؟" نقاب پوش نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"نہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور نہ اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ میں نے تم سے صرف یہ پوچھا تھا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اسی کا جواب چاہتا ہوں۔"

"اگر تم یہ بتا دو کہ تم کون ہو تو شاید بڑے فائدے میں رہو گے۔"

"اور تم سیدھے پھانسی کے تختے کا رخ کرو گے کیونکہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم نے پرنس وقیر کو دھوکا دے کر ختم کر دیا۔"

حمید نے دیکھا کہ اس بار نقاب پوش نے جھک کر لوہے کا ایک اوزار اٹھا لیا ہے اور فریدی پر پھر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

حمید نے جھلا کر ریوالور نکال ہی لیا اور گرج کر بولا۔ "اوزار زمین پر گرا دو۔ ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بیچارہ اس وقت تنہا ہے۔ کہیں سہم کر مر ہی نہ جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس بیچارے کو اپنے گارڈ سے بھی چھپ کر آنا پڑا ہے۔"

"اوہ تو یہ لکھن پال ہے۔" حمید نے سوچا اور چپ چاپ ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

دوسری جانب نقاب پوش کی بوکھلاہٹ ہی اس کی شکست کا باعث بن گئی۔ حملہ تو اس نے

زور دار کیا تھا لیکن کھوپڑی سے باہر ہو کر نتیجہ یہ ہوا کہ لوہے کا وزنی اوزار خود اسی کے سر
وہ چکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اور پھر سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی اس پر چھا گیا تھا اس نے اس کی نقاب کھینچ کر الگ
تھکا ہوا لکھن پال بے بسی سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"اس کے ہاتھ پکڑلو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں سر وحید اور پرنس توقیر
کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے جا رہا ہوں....!"

لکھن پھر جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن اس بار فریدی نے اس کے منہ پر ہاتھ رسید کیا
اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں۔

فریدی نے بھی اپنا نقاب ہٹا دیا تھا اور لکھن سے کہہ رہا تھا۔ "تم سمجھے تھے شاید اس
مدد سے اپنا جرم نصرت کے سر منڈھنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

اب حمید کو فریدی کی پچھلی رات والی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ نصرت
کی بیوی کو اس کھنڈر سے ہٹانا ضروری ہے اور پرنس توقیر بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی
طرح وہاں سے ہٹالے جائے۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ پرنس توقیر اور سر وحید کا قتل کس
ہوا تھا۔ اگر یہی ان دونوں کا قاتل تھا اور کسی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ نصرت یہاں
اسے بھی تو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ اتنی زحمت کیوں مول لی کہ اس کی بیو
سازش میں شریک کر کے اسے جیل بھجوانا پڑا۔ اس طرح یہ مقصد پورا کیا کہ وہ اس عمارت میں

یہ سوالات چکرا دینے والے تھے لیکن فریدی سے دوسرے دن تک کچھ نہ معلوم ہو
وہ اب بھی بے حد مشغول نظر آ رہا تھا۔

یہی وہ مراحل ہوتے تھے، جب حمید کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا! لیکن کیا ہوتا
فریدی چاہتا تھا۔ ویسے حمید کو اس کا بھی علم تھا کہ ایسے حالات اسی وقت پیدا ہوتے
فریدی کو واضح ترین ثبوت مہیا کرنے کی فکر ہوتی تھی۔ اس کیس میں اتنی تاخیر کا مطلب
کہ فریدی جو کچھ بھی کر چکا ہے اسے صحیح ثابت کر دینے کیلئے ابھی تک کافی مواد نہیں فراہم

شام کو اسے معلوم ہوا کہ فریدی جیل کی طرف گیا ہے۔ اس نے بھی کار نکالی اور ا
چل پڑا، لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب فریدی واپس آنے کے لئے اپنی گاڑی پر بیٹھ رہا تھا۔

"چلو.... وہیں چل رہے ہیں۔ نصرت کے مکان پر۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولا اور حمید کو پھر گاڑی
وڑ لینی پڑی۔

راستے بھر وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتا رہا۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی کیس تھا۔

نصرت کے مکان میں اسے اپنے ہی محکمے کے کچھ آدمی نظر آئے، جو مختلف جگہوں پر کھڑے
ئے تھے۔ ایک آدمی اسے اور فریدی کو ایک کمرے میں لایا جہاں کا فرش کھودا گیا تھا۔

ایک جانب ایک زنگ خوردہ آہنی صندوق دکھائی دیا جس کا ڈھکن علیحدہ ہو گیا تھا اور جس
ں بھری ہوئی اشرفیاں دور سے بھی دیکھی جا سکتی تھیں۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ تو یہ چکر
ا۔ اس نے سوچا۔

"وہی پرانی کہانی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "ساری دنیا سمیٹ لینے کی
وس! خواہ اس میں سے اپنی ذات پر ایک پائی بھی نہ صرف ہو سکے۔ یہ اشرفیاں سالہا سال سے
رت کے لئے سوہانِ روح بنی رہی ہوں گی۔ اب یہی دیکھو نا کہ چار آدمی بیک وقت اپنا ذہنی
ازن کھو بیٹھے تھے۔ خیر پھر بتاؤں گا۔"

وہ مجسٹریٹ کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اپنی نگرانی میں اس صندوق کو سر بمہر کرانے کی تیاری
رہا تھا۔

"تو یہ نصرت کوئی خزانہ دبائے بیٹھا تھا جس کے لئے دو قتل ہو گئے تھے لیکن قاتل نے خود
صرت ہی کو ٹھکانے کیوں نہ لگا دیا۔" حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔

اس کے بعد رات کے کھانے ہی پر اطمینان سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکا۔

"اس کیس کے دوران میں کئی ادھورے واقعات تمہارے علم میں بھی آ چکے ہیں۔" فریدی
نے کہا۔ "اور اس وقت تک میری معلومات بھی زیادہ نہیں تھیں مگر کہانی تو اب مکمل ہوئی ہے۔
صرت اس کی بیوی اور لکھن تینوں ہی بالآخر زبان کھولنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ خزانہ بہت عرصے
ے نصرت کے پاس ہے۔ لکھن، توقیر، نصرت اور سر وحید اپنے ابتدائی زمانے میں بڑے اچھے
وست تھے۔ لکھن اور سر وحید سڑکوں کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ نصرت آثار قدیمہ کے محکمے میں
یک آفیسر تھا اور پرنس توقیر اس لئے ان کے ساتھ رہا کرتا تھا کہ ان زندہ دلوں کے ساتھ سیر و
شکار میں اچھا وقت کٹ جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہ چاروں ساتھ ہی تھے، جب تار جام والی

سڑک بن رہی تھی۔ انہیں دنوں نصرت ٹھیکیداروں کے کیمپ سے تھوڑے ہی فاصلے گڑھ میں آثار قدیمہ کے سلسلے میں کھدائی کر رہا تھا.... جس وقت یہ صندوق ہاتھ لگا وہ تیز نصرت کے پاس ہی موجود تھے۔ نصرت نے وہاں سے مزدوروں کو دوسری طرف ہٹا د طرح کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہونے پائے لیکن اس وقت اسے وہاں سے ہٹالانا بھی آسان کا کیونکہ چاروں طرف کام ہو رہا تھا۔ طے یہ پایا کہ فی الحال وہ اسے ڈھک دیں اور بعد میں سے وہاں سے لے جائیں، دراصل ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی ایک مزدور کی کدال نے کسی دھار سے ٹکرا کر آواز پیدا کی تھی نصرت نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کھودنے سے روک دیا تھا اور خود ہی مٹی ہٹانے پر صندوق نظر آیا تھا۔ ان چاروں کے علاوہ اور کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رات کو کیمپ میں وہ اس کے بٹوارے کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ نصرت اکیلے ہڑپ تھا۔ اس نے بظاہر تو ان سے اتفاق کیا تھا لیکن دل ہی دل میں بُری طرح کھول رہا تھا کہ تینوں کم بخت کیسے حصے دار بن بیٹھے ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ بھی اس وقت وہیں موجود رات کو نصرت اٹھا اور راج گڑھ کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی بے اطمینانی ہی میں تھے بھی نیند نہیں آئی تھی اور وہ بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ یہیں سے جھگ ہوا۔ یا شاید یہ بات رہی ہو کہ وہ چاروں ہی انفرادی حیثیت سے اسے صرف اپنے ہی کرنے کے لئے کوشاں رہے ہوں۔ نصرت بے خبر تھا کہ وہ لوگ بھی چل پڑے ہیں۔ جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا کسی نے اس پر فائر جھونک مارا۔ اس نے بھی ریوالور نکال لیا سمتوں میں فائر بھی کرتا رہا اور اس بکس کو نکال لینے کی کوشش بھی جاری رہی۔ فائروں ک قریب کے دیہاتوں کے لوگ دوڑ پڑے۔ لیکن نصرت کسی نہ کسی طرح اس صندو کھسکا لے گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے اسے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہٹا کر اور پھر نہایت اطمینان سے کیمپ میں واپس آگیا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ زخمی سر وحید کو وہا تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نصرت بھی انہیں کے ساتھ آیا ہو۔ توقیر اور لکھن سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بھی فائر کی آوازوں ہی پر ادھر گئے ہوں۔ سر وحید ان الزام لگا رہا تھا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو یہی بیان دیں کہ یہ فائرنگ محض نتیجہ تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اسے مان لیا اور پولیس کو بھی یہی رپورٹ دی۔ لیکن بع

معلوم ہوا کہ صندوق وہاں نہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہئے تھا تو پھر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ ہر آدمی دوسرے کو بے ایمانی کا الزام دے رہا تھا۔ اس دن سے وہ چاروں دشمن ہو گئے۔ کچھ نوں بعد انہیں علم ہوا کہ خزانہ نصرت ہی کے قبضے میں ہے اور انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ لیکن نصرت نے اس دوران میں چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے ایک ر بہر لفافہ اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر اس کی موت غیر قدرتی حالات یں واقع ہو تو وہ لفافہ پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور یہ چیز ان تینوں پر بھی واضح کر دی گئی کہ ر اسے کچھ ہوا تو وہ تینوں ضرور پکڑے جائیں گے۔ ادھر وہ ہر سال پولیس کو یاد دہانی بھی کرا دیتا ما کہ اگر وہ غیر قدرتی حالات میں مرا تو اس کا وکیل قاتلوں کے نام پولیس تک پہنچا دے گا۔ لیکن ، تو پولیس اس کے وکیل سے واقف تھی اور نہ وہ تینوں۔ ورنہ وکیل کا انتظام بھی کر لیا جاتا۔ ادھر ن لوگوں نے اس خزانے کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ صرت نے اسے اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں ہی چھپایا ہو گا۔ جہاں خود رہتا ہے۔

اس شبہے کو اس بات سے اور تقویت پہنچی کہ نصرت ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی ہاتھ آجانے کے وجود بھی اسی کھنڈر میں پڑا رہا ہے.... کچھ دنوں بعد سر وحید کے تعلقات لکھن اور توقیر سے زاب ہو گئے۔ لیکن وہ بھی ابھی تک خزانے کے حصول کے لئے کوشاں تھا۔ ویسے اب اس کی وشش انفرادی تھی۔ لکھن اور توقیر مل کر کام کر رہے تھے۔ سر وحید نے نصرت پر ایک عورت سلط کر دی۔ یعنی نصرت کی بیوی۔ وہ اس سے بس یونہی مل بیٹھی تھی۔ رفتہ رفتہ شادی کی نوبت گئی۔ سر وحید اس عورت کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ لیکن وہ بھی اس میں امیاب نہ ہو سکی۔ ویسے سر وحید کو روزانہ اپنے باورچی خانے سے اشارے کیا کرتی تھی اور نصرت ں سے لاعلم تھا۔ سر وحید کو وہاں سے جھانکنے کا گویا خبط ہو کر رہ گیا تھا۔ جب ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی ھی نصرت کے ہاتھ آگئی تو عورت نے سر وحید کے اشارے پر اسے بور کرنا شروع کر دیا کہ اب ہ اس میں اٹھ جائے۔ لیکن نصرت نے کوئی وجہ بتائے بغیر انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی معقول جہ معلوم کئے بغیر اس کی بیوی کیسے چپ ہوتی۔ تھک ہار کر نصرت نے اسے سمجھایا کہ سعیدہ کی ٹھی منحوس تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے کوئی دوسری عمارت خریدے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے ہ کوٹھی کے لئے کوئی گاہک نہ مل سکا کیونکہ خود نصرت ہی نے اسے بدنام کیا تھا۔ دوسری طرف

کسی طرح توقیر اور لکھن کو اس جھگڑے کا علم ہو گیا اور توقیر نے ایک پروگرام بنایا۔ ان دنو
نصرت کو روپیوں کی ضرورت تھی اسے گاہک مل گیا۔ یہ گاہک خود توقیر ہی تھا لیکن نعیم
پر.... اس سے پہلے ہی لکھن یہ معلوم کر چکا تھا کہ نصرت کی بیوی سر وحید سے ملی ہوئی ہ
اس نے یہ بات توقیر پر نہیں ظاہر ہونے دی اور اندر ہی اندر نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈا
بالآخر وہ سر وحید سے کٹ کر لکھن سے آملی۔ چونکہ سر وحید نے اسے خزانے کے راز میر
کر لیا تھا لہٰذا وہ جلد از جلد اپنی کوششوں کا بہتر انجام دیکھنا چاہتی تھی۔ سر وحید اس کی دا
ایک ناکارہ آدمی تھا جس نے خزانے کی تلاش کا بار اس کے کاندھوں پر ڈال دیا تھا۔ لک
ذہین بھی معلوم ہوا اور کام کرنے والا بھی، اس لئے اس نے اسی کے ہاتھوں سر وحید جیسے
ہی دیا۔ لکھن نے باورچی خانے ہی سے اس پر فائر کیا تھا اور رائفل بھی نصرت ہی کی ا
تھی۔ لکھن نے توقیر کو یہ سب کچھ نہیں بتایا ویسے وہ بظاہر اس سے تعاون ہی کر رہا تھا ا
اس کی نعیم والی اسکیم کو بھی بے حد سراہا تھا۔ توقیر نے سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی مکانوں
سے حاصل کی تھی اور دلال بھی نعیم کو پھانسنے کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔ ادھر
کو معلوم ہوا کہ سعیدہ کا رول ادا کرنے کے لئے وہاں سر وحید کی الٹی تصویر لٹکائی گئی ہے
باچھیں کھل گئیں اور اس نے دو دن بعد ہی سر وحید کو ٹھکانے لگا دیا لہٰذا الٹی تصویر اور ال
معاملہ بے حد سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس طرح لکھن نے یہ سوچا تھا کہ جلد یا دیر سے تو
کے قتل کے سلسلے میں ماخوذ کر لیا جائے گا۔ یہی ہوتا.... لیکن اس سے پہلے ہی میں نے
پوچھ گچھ کر ڈالی، پچھلے واقعات کا حوالہ دے بیٹھا۔ لہٰذا لکھن نے سوچا کہ کہیں توقیر بھا
دے.... خزانے کا ایک راز دار سر وحید تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ رہا نصرت تو بھلا وہ کب کسی
دیتا۔ توقیر ہی سے خدشہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا لکھن نے اسی رات کو اس کا بھی خاتمہ کر د
موت پر وہ عورت بوکھلا گئی جس نے نعیم والے ڈرامے میں حصہ لیا تھا اور اس طرح
سامنے خود ہی آگئی، اب لکھن نے سوچا کہ ان دونوں کا قتل کسی طرح نصرت کے
جائے تو میدان بالکل ہی صاف ہو جائے گا۔ پھر تم نے دیکھا ہی ہے کہ میں نے کس طر
نصرت کی بیوی کو اس کا موقعہ دیا تھا۔ مگر کتنی چالاک عورت ہے.... تمہیں اس کی د
تا.... اور پھر دوسری طرف سے کھڑکی میں آنا.... اس طرح وہ خود ہی ظاہر کرنا چا

ہاں سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اگر میں اصل معاملے کی طرف آنے میں کچھ دیر لگاتا تو وہ یقینی طور پر کوئی ایسی حرکت کرتی جس کی بناء پر مجھے نصرت پر شبہ کرنا ہی پڑتا۔ ایسے میں تو یہ سوچ کر ہی گیا تھا کہ نصرت کو اسی وقت وہاں سے ہٹانا ہے اور اس کے لئے اس سے بہتر تدبیر دوسری نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اس کے خلاف قتل کا شبہ ظاہر کر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔ پرسوں رات ان کی گرفتاری کے بعد ہی میرے آدمی کھنڈر میں پھیل گئے تھے جنہوں نے دن کو بھی نگرانی کی.... اور کل رات کو مجھے اطلاع ملی کہ کوئی اس کے مکان میں داخل ہوا ہے۔ بس پھر اس کے بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو....!"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سر وحید سر کے بل کھڑے ہونے میں وقت کا اتنا پابند کیوں تھا اکثر وہ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر چھت پر بھاگا چلا جاتا تھا۔ لیکن ٹھیک تین ہی بجے....!"

"خود کو جھکی ثابت کرنے کے لئے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ نہ وہ عورت کہیں بھاگی جاتی تھی اور نہ خزانہ۔ بس وہ چاہتا تھا کہ اس کی یہ جھک گھر کی چہار دیواری سے نکل کر باہر بھی مشہور ہو جائے کیونکہ اگر وہ چوری چھپے اس قسم کی کوئی حرکت کرتا تو طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ دیوار کی مشینی ساخت پرانی ہے۔ سر وحید سالہا سال سے نصرت کے گھر میں جھانکتا آیا تھا۔ غالباً اس لئے کہ شاید اس طرح کبھی خزانے کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ اسی مکان میں کہیں دفن ہے یا نہیں.... ہوس کی کہانی ہے حمید صاحب یہ تینوں کم دولت مند نہیں تھے.... لیکن مفت کا مال اور ہوس....!"

"اب نصرت کا کیا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"سزا تو اسے یقینی طور پر ہوگی کیونکہ اس نے غیر قانونی طور پر وہ خزانہ اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ حالانکہ اسے سرکاری تحویل میں دیا جانا چاہئے تھا۔ اشرفیاں محمد تغلق کے دور کی ہیں آج کے زمانے میں لاکھوں کی مالیت.... مگر حالات کی ستم ظریفی تو دیکھو کہ نصرت آج تک اپنی ذات پر آدھی اشرفی بھی نہیں صرف کر سکا۔ بس ایک چوکیدار کی حیثیت سے خطرات کا سامنا کرتا رہا۔ آدمی بھی کتنا عجیب جانور ہے.... جو صرف بچانے کے لئے بچاتا ہے....!"

"مگر نصرت ہے بڑا چالاک! اگر وہ وکیل والا اسسٹنٹ نہ بنتا تو یہ لوگ اسے کبھی کا ختم کر چکے

ہوتے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا نعیم اور اس عورت کا کیا ہوگا جس نے ڈاکٹر سعید کا رول ادا کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سرکاری گواہ بنائے جائیں گے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نصرت نے اپنی بیوی کو بتایا ہی کیوں تھا کہ ڈاکٹر سعید کی کوٹھی کے لئے ایک گاہک مل گیا ہے جب کہ یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ بعد میں اسے اپنی اسی غلطی کی تلافی کے لئے کافی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ نعیم کو اس پر آمادہ کرنا پڑا تھا کہ صرف کرایہ داری کی بات کرے۔"

"اس کا جواب تو نصرت ہی دے سکے گا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی وقت الجھن سے بچنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اس عورت کا ٹائپ دماغ چاٹنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ٹائپ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اپنے مقدر میں تو شائد کسی ٹائپ کی بھی عورت نہیں ہے.... اور ہم زندگی بھر ٹائپ رائٹر ہی بنے رہیں گے۔"

"ٹائپ رائٹر.... کیا بات.... زیادہ بکواس کا نتیجہ مہملیات ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"لنڈورے کو ٹائپ رائٹر ہی کہتے ہیں۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "اکیلا.... ادا ٹائپ رائٹر.... جو مر مریں اور مخروطی انگلیوں کی راہ تکتے تکتے.... بالآخر.... بالآخر.... کچھ نہیں.... ابے او نصیرا.... ایک گلاس ٹھنڈا پانی....!"

فریدی نے جگ سے پانی انڈیل کر اس کی طرف کھسکا دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 83

چمکیلا غبار

(مکمل ناول)

پیشرس

کہانی تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کہانی لکھنے والا کہانی کو اُسی جگہ روک ضرور ہے، جہاں سے بوریت شروع ہو جانے کا امکان ہو۔ اسی کو کہانی کا اختتام لیجئے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ آپ بعض کہانیوں کے متعلق سوچتے ہیں کہ کا یہ ابھی نہ ختم ہوئی ہوتیں لیکن یقین کیجئے کہ اُن کا وہیں ختم ہو جانا بہتر ہوتا ورنہ ہیرو ہیروئن "بال بچے دار" بننے لگتے ہیں۔ اِسی طرح کسی کہانی میں ہ ہیروئن کو "بال بچے دار" بنتے دیکھ کر آپ نہ صرف کتاب اپنے سر پر مار لیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی لات مصنف کے پیٹ پر پڑے۔ یہ بات تو رومانی کہانیوں کے لئے۔ اب آیئے اسرار و سراغ کی کہانیوں کی طرف۔ کہانی ہو گئی لیکن آپ بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ پھر کیا ہوا ہو گا؟ کچھ صرف سوچتے ہ جاتے ہیں اور کچھ.... مجھے لکھ مارتے ہیں "آپ نے یہ تو دکھایا ہی نہیں مجرموں کا کیا ہوا!"

بھیا! دیکھو گرفتار تو ہو گئے اب اور کیا چاہئے۔ لیکن نہیں چند حضرا عدالتی کاروائیاں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ کہانیوں انداز الگ ہوتے ہیں جس قسم کی کہانیاں میں لکھتا ہوں اُن میں عدالتی کاروا قطعی غیر ضروری ہیں۔ اگر لکھنے لگوں تو وہی حضرات کچھ دنوں کے بعد اٹھیں گے۔ "آپ خواہ مخواہ صفحات بھرا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہی تھ آپ جج صاحب کے بچے کا عقیقہ یا ختنہ کرادیتے۔"

بہر حال اگر آپ عدالتی کاروائیاں پڑھنے کے ایسے ہی شائق ہیں تو ا اسٹینلے گارڈنر کے ناول پڑھا کیجئے۔ اُن کی کہانیاں مقدمات ہی کی شکل میں شر ہوتی ہیں اور ان کا مخصوص کردار پیری میسن وکیل ہے۔ میری کہا سراغرسانوں کے گرد گھومتی ہیں جن کا کام محض اتنا ہوتا ہے کہ وہ مجرم کو پکڑ کر قانون کے حوالے کر دیں۔ لہٰذا اس حوالگی کے ساتھ ہی میری کہانیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بعض حضرات تو کوئی لطیفہ سننے کے بعد بھی پوچھ بیٹھتے ہیں "پھر کیا ہوا؟" اور لطیفہ سنانے والے کو دانت پیس کر کہنا پڑتا ہے۔ "پھر یہ ہوا کہ میں نے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔"

مگر آپ مطمئن رہئے۔ میں اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور اگر رکھتا بھی ہوں تو آپ کو کیوں بتانے لگا۔ کیا ٹھیک ہے۔ کنویں میں بھی آپ کے خطوط پہنچیں۔ کچھ نہیں تو یہی سہی کہ "بھئی اب کتنے پانی میں ہو۔"

آمدم برسر مطلب! یہ اتنی لمبی "لکھواس" میں نے اسی لئے کی ہے کہ آپ اس کہانی "چمکیلا غبار" کے مجرموں کے لئے شائد ہی پوچھیں کہ پھر کیا ہوا؟ کم از کم ایک کردار تو ایسا ضرور ہے جس کے متعلق آپ الجھن میں پڑ جائیں گے۔ پھر مجھ پر جھلائیں گے کہ آخر اسی جگہ کہانی کیوں ختم کر دی گئی۔ کہانی اپنی جگہ مکمل ہے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں کسی کردار کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو تو یہی سمجھئے کہ اس سے دوبارہ بھی ملاقات ہو سکتی ہے یار زندہ صحبت باقی۔

اس کہانی میں میں نے کوشش کی ہے کہ میرے ہر قسم کے پڑھنے والوں کی تشفی ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ "قاسم پسندوں" کو اُس کی "کم نمائی" کی شکایت پیدا ہو۔ لیکن اس سلسلے میں گذارش ہے کہ کسی تیز رفتار کہانی میں قاسم جیسے "سست رو" کرداروں کے لئے گنجائش کم ہی نکل سکتی ہے۔ بہر حال وہ جتنا بھی آیا ہے خوب آیا ہے۔ اس کہانی میں "حمید پسندوں" کی شکایت بھی رفع ہو جائے گی کہ وہ صرف ایک درباری قسم کا مسخرہ بن کر رہ گیا ہے۔

ابنِ صفی

اُلو اور اقلیدس

ان دنوں محکمے میں فریدی کی مخالفت کا بڑا زور تھا۔ پرانے حکام کے تبادلے ہو گئے تھے۔ حکام کو نئی جگہ بھرم بنائے رکھنے کا خیال ہوتا ہے اس لئے وہ کیسے گوارہ کر لیتے کہ ایک ماتحت ا کا تفوق اُن پر بھی برقرار رہے۔ یہاں آنے سے پہلے وہ جانتے ہی تھے کہ مرکزی محکمہ ء کرنل فریدی کا نام ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ فریدی اپ مرضی سے اس معمولی سے عہدے پر ٹکا ہوا ہے ورنہ کبھی کا پتہ نہیں کہاں پہنچا ہوتا۔ اس ے سے عہدے پر جمے رہنے کی وجہ بھی سب کو معلوم تھی۔ وجہ یہی تھی کہ وہ کام کرنا چاہتا تھا۔ سراغ رسانی سے عشق تھا اسے اور یہی عشق محکمے تک لایا تھا۔ ملازمت برائے ملازمت کا یوں نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اُس کی مالی حیثیت بہت بلند تھی۔

لیکن ان دنوں اُسے صرف دفتری اُمور تک محدود کر دیا گیا تھا۔ اُس نے خاموشی۔ تبدیلی گوارہ کر لی۔ اپنے افعال سے ذرہ برابر بھی احتجاج نہ ظاہر ہونے دیا۔ البتہ حمید بے حا تھا۔ بور ہونے کی بات بھی تھی کیونکہ اُسے تو اٹھتے بیٹھتے انگارے چبانے پڑتے تھے۔

اب اسی وقت جیسے ہی وہ کینٹین تک جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلا۔ انسپکٹر آصف دور ہی سے للکار کر کہا۔ "جناب کپتان صاحب.... ذرا سنئے گا۔"

وہ اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ برآمدے کے وسط میں دونوں رک گئے۔

"ارے تم لوگ ابھی یہیں ہو۔" آصف نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! ابھی تو یہیں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کسی دن جیل میں ہوں گے اور کچھ حضرات ہسپتال میں۔"

"غلط سمجھے۔" آصف مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "سوال یہ ہے کہ ایسے اہم کیس میں جائے واردات پر سعید اور حامد کیوں بھیجے گئے ہیں۔"

"کس اہم کیس میں....!"

"ملک کا مشہور ریاضی دان ڈاکٹر داؤد قتل کر دیا گیا۔ اُف فوہ۔ کہاں ہو آج کل تم لوگ کہ تازہ ترین حالات سے بھی بے خبر رہتے ہو۔"

"آپ جانتے ہی ہیں مسٹر آصف کہ ہمارے پاس کس قسم کے کیس آتے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور برآمدے سے اتر کر کینٹین کی طرف چل پڑا۔

آج کل دفتر میں قدم رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو فریدی کے سامنے لمبی تعطیل کی تجویز پیش کی تھی لیکن فریدی نے ہنس کر ٹال دیا تھا اور اب حالات کم از کم حمید کے لئے تو ناقابل برداشت ہی ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ کینٹین کے چھوٹے سے صاف ستھرے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

اُسے اس حادثے کا علم تھا۔ کیونکہ اُس کی موجودگی ہی میں نئے ڈی۔ ایس۔ پی نے انسپکٹر سعید اور سب انسپکٹر حامد کو جائے واردات پر بھیجا تھا۔ لیکن اس نے حادثے کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ فریدی ہی سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فریدی کو بھی اس واردات کا علم تھا یا نہیں۔

ڈائننگ ہال میں سارجنٹ توفیق پر نظر پڑی جو بسکٹوں کے ٹکڑے جلدی جلدی حلق سے اتارتا ہوا چائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اُس نے حمید کو دیکھ کر ہاتھ اٹھایا اور حمید کے قدم غیر ارادی طور پر اُس کی میز کی جانب اٹھ گئے۔

سارجنٹ توفیق بھی دونوں انسپکٹروں کے ساتھ جائے واردات پر گیا تھا۔

"گوٹ پھنس گئی ہے استاد۔" اُس نے منہ چلاتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا ہوا....!" حمید نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ڈپٹی صاحب کو اطلاع دینے آیا تھا۔"

"کیسی اطلاع....!"

"ڈاکٹر داؤد قتل کر دیا گیا۔ جانتے ہی ہو گے۔"

"ہاں معلوم ہے مجھے۔ تم سعید اور حامد کے ساتھ گئے تھے۔"

"وہ بڑی بے تکی حرکتیں کر کے مرا ہے۔" توفیق نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا....؟"

"اُس نے کوتوالی فون کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ شائد وہ ڈی۔ایس۔پی کا رشتے دار بھی تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی دوڑا گیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو ڈاکٹر داؤد کو فرش پر رگڑتے دیکھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ سینے کے زخم پر تھا اور وہ کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ حملہ آور کون تھا! داؤد نے چیخ کر کہا اُلو اُلو.... پھر وہ رٹتا رہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون میں انگلی ڈبو کر اس نے ایک مثلث اور دائرہ بنایا... پھر.... مر گیا۔"

"خوب....!" حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

"اب.... یہ مثلث.... یہ دائرہ.... اور اُلو.... حامد صاحب اور سعید صاحب کو چکر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر داؤد نے اپنی زندگی میں کبھی کسی اُلو کو دائرہ یا مثلث ثابت کر کوشش کی ہو۔ ریاضی دان ہی ٹھہرا۔"

"نہیں.... پیارے۔" توفیق ہنس کر بولا۔ "اب دیکھنا ہے کہ کرنل صاحب کے بغ کام چلتا ہے۔"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور مڑ کر ویٹر سے چائے لانے کو کہا۔

توفیق کو شائد اس کی بے توجہی اور لاپروائی پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے اُس کی دیکھتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب پھر وہیں جانا ہے۔"

حمید نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور میز پر انگلیوں سے ہلکی ہلکی ضربیں لگانے لگا۔

پتہ نہیں توفیق کے بیان میں کہاں تک صداقت تھی۔ اُس نے سوچا اگر دائرے مثلث کی کہانی درست تھی تو فریدی (نجی ہی طور پر سہی) اس کیس میں دلچسپی لینے سے باز نہ آسکے گا

آفس بند ہونے میں تھوڑی ہی دیر تھی اس لئے اس نے بقیہ وقت ڈائننگ ہال میں گذار دیا۔

لیکن اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ فریدی کی آنکھ بچا کر کسی طرف نکل جاتا۔ کیونکہ ادھر وہ کینٹین سے باہر آیا اور اُدھر فریدی اپنے آفس سے برآمد ہوا اور اُس نے اُسے اپنے ساتھ چلنے کا ہی اشارہ کیا تھا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ آہستہ اُس شیڈ کی طرف چلنے لگا جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ آج حمید اپنی گاڑی سے نہیں آیا تھا۔

فریدی کے ساتھ لنکن میں بیٹھتے وقت وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا بھی تھا۔

"کیوں! جانکنی میں کیوں مبتلا ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا اور گاڑی کا انجن ہلکی سی آواز کے ساتھ اسٹارٹ ہوا۔

حمید پھر ڈاکٹر داؤد کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ لیکن اُس نے اس کا تذکرہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کچھ دیر بعد اُس نے فریدی سے کہا۔ "آخر ہم کب تک کلرکی کرتے رہیں گے۔"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔"

"قطعی! میری دانست میں تو لمبی چھٹی ہی مناسب رہے گی۔" حمید بولا۔

"پھر اس کے بعد....!"

"دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔ "مگر شائد ہم گھر کی طرف تو نہیں جا رہے۔ پھر کہاں۔"

لنکن ہیوبشام روڈ پر مڑ رہی تھی۔

"کوتوالی....!" فریدی نے ونڈ شیلڈ پر نظر جمائے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ.... ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا فون آیا ہوگا۔" حمید نے کہا۔ "ڈاکٹر داؤد اس کا رشتے دار تھا شائد۔"

"تمہارے پاس بھی کافی اطلاعات معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا تھا کہ کیا میں اس کے لئے تھوڑا وقت نکال سکوں گا۔"

"اور آپ خود ہی کوتوالی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔"

"کیا حرج ہے۔"

"میں اسے آپ کی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ابھی تک ہوش نہیں آیا حالانکہ کلرکی کرتے

کرتے انگلیاں گھسی جارہی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی محض معلومات حاصل کرنے کو توالی جارہا ہے۔ شائد اُس نے گھر ہی پر ڈی۔ ایس۔ پی کا انتظار کیا ہوتا۔

شائد ڈی۔ ایس۔ پی کو بھی توقع نہیں تھی کہ فریدی خود ہی چلا آئے گا۔ اسی لئے استقبال بڑے پرتپاک انداز میں ہوا تھا۔

"کرنل! میں بے حد مشکور ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے گرمجوش مصافحہ کے ساتھ کہا۔ اصل گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ فریدی واردات پر نہیں آیا تھا۔

"آج کل میں زیادہ تر آفس ورک کررہا ہوں۔" فریدی بولا۔

دفعتاً میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈی۔ ایس۔ پی نے ریسیور اٹھالیا لیکن دو ہی لمحے میں وہ ماؤتھ پیس میں چیخا۔ "کیا؟"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی حالت میں کچھ سنتا رہا پھر کریڈل پر پٹختا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی میں آگ لگ گئی۔"

"کس نے اطلاع دی ہے۔"

"ایک ایس آئی نے جو وہاں موجود تھا لاش اٹھوانے کے بعد وہاں سامان کی فہرست کرنے کا کام ہورہا تھا۔"

"کیا وہ مکان میں تنہا رہتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور تب تو ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ بہترین شہادتیں ضائع ہو جائیں۔"

پھر تھوڑی دیر بعد ایک پٹرول کار کوتوالی کے پھاٹک سے باہر نکلی جس کے پیچھے فر لنکن تھی۔

فریدی بڑبڑا رہا تھا۔ یقیناً کوئی اہم ترین شہادت ضائع ہو گئی۔

"قبل از وقت کیسے کہا جاسکتا ہے۔" حمید بولا۔

"پھر آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ جائے واردات کا معائنہ کرنے ں نے کسی خاص چیز پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ضائع کردی گئی۔"

ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی ماڈل کالونی کے ایک دور افتادہ حصے میں واقع تھی۔ آس پاس اور کوئی ت نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے یہاں عمارت بنوانے میں ریاضی داں کی سکون پسندی ہی کو دخل رہا ہو۔

پوری عمارت سے شعلے بلند ہورہے تھے اور آس پاس آدمیوں کا جم غفیر نظر آرہا تھا لیکن ں بھی کوئی آگ بجھانے والی گاڑی نہ دکھائی دی۔

"آگ بجھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔" فریدی گاڑی روک کر نیچے اترتا ہوا بولا۔

ایک پولیس کانسٹیبل مجمع سے گزرنے کے لئے جگہ بنانے لگا اور وہ عمارت سے تھوڑے ہی لے پر رکے۔ یہاں وہ ایس آئی موجود تھا جس نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو فون پر اطلاع دی تھی۔

ڈی۔ ایس۔ پی اُس پر برس پڑا۔ "تم کھڑے دیکھتے ہی رہے اور پوری عمارت میں آگ لگ گئی۔"

"فائر اسٹیشن کو فون کئے گئے ہیں جناب۔" ایس آئی نے کہا۔ "لیکن اس وقت اُن کے پاس بھی گاڑی نہیں ہے۔ سب گاڑیاں پہلے ہی سے کہیں جاچکی ہیں۔ اس وقت شہر کی کئی عمارتیں رہی ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سمٹ گئے اور ڈی۔ ایس۔ پی اُس کی ف مڑا۔

"اُسے بھی بے بسی ہی کہنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

"آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شہادت ضائع کی گئی ہے۔ ورنہ ایک ہی شہر ایک وقت آتشزدگی کی اتنی وارداتوں کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ مدد لینے میں دیر اور پوری عمارت خاک کا ڈھیر ہو جائے۔"

فریدی ایس آئی سے سوالات کرنے لگا۔

"آپ اس وقت کہاں تھے جب آگ لگی تھی۔"

"ڈرائنگ روم میں جناب۔"

"کیسے علم ہوا تھا....؟"

"کسی کانسٹیبل نے کہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کون تھا۔ آگ عمارت کے پچھلے حصے

سے شروع ہوئی تھی۔"

"کچن سے....!"

"جی نہیں! کچن تو اُس وقت محفوظ تھا۔ ہم عمارت سے نکل آئے تھے۔ پھر کالونی آفس سے فائر اسٹیشن فون کیا گیا تھا۔"

پھر فریدی نے اس کانسٹیبل کے لئے پوچھ گچھ شروع کی جس نے ایس آئی کو اطلا وہاں چھ سات کانسٹیبل تھے جن میں سے ایک نے اعتراف کیا کہ اُسی نے آگ کے متعلق کو بتایا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ اور تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟"

"میں پھاٹک پر تھا حضور! ایک راہ گیر نے اطلاع دی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا عمارت کی آیا تھا۔ میں نے بھی اُس کے ساتھ جا کر دیکھا۔ پچھلے حصے میں آگ لگی تھی۔ پھر میں کو اطلاع دی۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ آگ لگنے کی اطلاع دینے والے کو روک کے رکھنا چاہئے۔" فریدی

"مجھے نہیں معلوم تھا حضور۔" کانسٹیبل گھگھیایا۔

"اگر اُسے دوبارہ کہیں دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"ضرور پہچان لوں گا.... جناب عالی۔"

فریدی حمید کی طرف مڑا جو ابھی ابھی موڈل کالونی کے پوسٹ آفس سے واپس

"اب بھی اسٹیشن پر کوئی گاڑی موجود نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔

"تب پھر کوئی صورت نہیں رہ گئی۔" فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ "آگ ہو چکی ہے۔"

عمارت جلتی رہی اور وہ کھڑے دیکھتے رہے۔ دروازے اور کھڑکیاں تڑخ تڑخ کر اور گھر ادھواں جس میں بہت اونچائی تک آگ کی لپٹیں بھی شامل ہوتی تھیں، آسما کر رہا تھا۔ لوگ چیخ رہے تھے اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی!

"کیا کوئی ملازم بھی ساتھ نہیں رہتا تھا۔" فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی سے پوچھا۔

"نہیں وہ تنہا رہتے تھے۔ ادھر اُن کی مالی حالت بہتر نہیں رہی تھی۔" ڈی۔ ا

نظربانہ انداز میں کہا۔ "ابھی میں نے قریب ہی کہیں کوئی فائر ہائیڈرنٹ تلاش کرانے کی کوشش تھی۔ لیکن آس پاس ایک بھی نہیں ہے ورنہ اُسی سے ہم خود ہی کچھ کام لے سکتے!"

"آپ اُسے خاک کا ڈھیر ہو جانے سے نہیں بچا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ سب ہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر داؤد بہت سلجھی ہوئی یت کے آدمی تھے۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ ایسا نہیں تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "وہ لڑالو بھی تھے اور دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کی بھی عادت تھی۔"

"آپ اُن کے مرنے سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔"

"ہاں انہوں نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں لیکن انہوں نے فون پر تفصیل نہیں ی تھی۔ بس ہذیانی انداز میں یہی چیختے رہے تھے فوراً پہنچو.... فوراً پہنچو....!"

"بہت زیادہ خائف تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں! آواز سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ "اور جب میں یہاں پہنچا تو وہ ب کمرے میں زمین پر لوٹ رہے تھے۔ گولی سینے پر لگی تھی اور خون فرش پر پھیل رہا تھا۔ میرا یال تھا کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں تھے۔ لیکن قاتل کے متعلق استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ن کی ذہنی حالت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیوں....؟"

"قاتل کے متعلق پوچھنے پر ان کی زبان سے الو نکلا تھا۔ اور پھر وہ اُلو ہی اُلو رٹتے رہے تھے۔ ر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو اپنے مشاغل سے جنون کی حد تک عشق ہوتا ہے لن میں اسے جنون سے بھی زیادہ کوئی اور چیز سمجھوں گا اگر مرتے وقت بھی اُن مشاغل کا دھیان ہے یا مرتے مرتے بھی انہیں مشاغل ہی سے متعلق کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب میں نے اُن سے قاتل کے متعلق پوچھا تھا تو وہ ایک طرف تو اُلو اُلو رٹتے رہے تھے ردوسری طرف اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر فرش پر ایک مثلث اور ایک دائرہ بھی بنایا تھا۔"

"خوب....!"

"اور اسی حالت میں اُن کا جسم سرد پڑ گیا تھا۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا اور اسی وقت آگ بجھانے والی گاڑیوں کی گھنٹیاں سنائی دیں

"اب کیا باقی بچا ہے۔" حمید نے جلتی ہوئی عمارت کی طرف دیکھ کر کہا۔

آگ بجھانے والی گاڑیاں اپنے کام میں لگ گئیں اور وہ لوگ مجمع سے باہر آگئے! کانسٹ
ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ سوشل آدمی بھی نہ رہے ہوں گے۔" فرید
ی۔ایس۔پی سے کہا۔

"بہت زیادہ سوشل تھے۔ میں انہیں عجیب ہی کہوں گا۔ ریاضی داں عموماً خشک طبیعت
ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اُن سے بہت مختلف تھے۔ گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ اچھی خا
موڈلنگ بھی کر لیتے تھے.... اُوہ....!"

یک بیک ڈی۔ایس۔پی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی بات یاد آ
حمید نے اُس کی آنکھوں میں اضطراب کی لہریں بھی محسوس کیں۔

دفعتاً ڈی۔ایس۔پی نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے اُن کا بنایا ہوا ایک بت یاد آ
وہ کسی سوچ میں پڑ گیا پھر اس طرح بولا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "اُلو.... اُلو....
س سے بھی کوئی تعلق تھا۔"

فریدی اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "جی ہاں....!" ایس۔پی پھر اس کی
دیکھ کر بولا۔ "مٹی اور پلاسٹر آف پیرس کا بت۔ جس کا چہرہ آدمیوں کا سا تھا لیکن
پرندے کا۔ بس وہ اُلو ہی معلوم ہوتا تھا۔ گول چہرہ عجیب سی بھنویں اور اُلو کی چونچ کی سی ناک

"آپ نے اُسکے متعلق ضرور پوچھا ہوگا۔"

"ہاں.... پوچھا تھا۔ وہ ہنسے تھے اور صرف "ایک کارٹون" کہہ کر خاموش ہو گئے تھے

تعاقب

آگ بجھانے والی گاڑیوں کی ٹنکیاں خالی ہو گئیں لیکن آگ پوری طرح نہ بجھ سکی

ب بھی کثیف دھوئیں کے مرغولے اُبھر رہے تھے اور لپٹیں بھی اٹھتی دکھائی دیتی تھیں۔
فائر فائٹرز وہاں فائر ہائیڈرنٹ تلاش کرتے پھر رہے تھے تاکہ مزید پانی حاصل کر کے کام چلایا
سکے۔

"آپ نے یہ تو یقیناً معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی کہ وہ کس کا کارٹون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔"

"ان کے احباب کے بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔ چند ایک کے نام اور پتے بھی دے سکیں
تر ہوگا۔"

"حلقہ احباب نہ مخصوص تھا اور نہ محدود۔ روز ہی نئے نئے احباب بنا کرتے تھے۔ اور ساری
ی احباب نوازیوں کی نذر ہو جاتی تھی اور وہ ہمیشہ مالی تباہ حالی کا رونا روتے رہتے تھے۔ ویسے میں
کو چند نام اور پتے بھجوا دوں گا۔"

"شکریہ....!" فریدی نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے نجی طور پر کام کرنا پڑے گا۔
ے شاید ہی اجازت ملے۔"

"کچھ کیجئے کرنل! میں بے حد پریشان ہوں وہ دراصل بیگم صاحبہ کے ماموں تھے۔ جب سے
نے سنا ہے بُرا حال ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گزرے پھر فریدی نے پوچھا۔ "دائرہ اور مثلث الگ الگ بنائے تھے یا
دائرے کے اندر تھا یا پھر اس کے برعکس۔"

"دونوں الگ الگ تھے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا....!"

"ایسے وقت میں ذہنی حالت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر میں دیکھوں گا۔"

رات گئے وہ دونوں واپس ہوئے۔ فریدی کی جیب میں ڈاکٹر داؤد کے چند دوستوں کے نام
پتے موجود تھے۔

"بڑی شدت سے مخالفت ہوگی اگر آپ نے اس کیس میں ہاتھ لگایا۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن آپ نجی طور پر تفتیش ضرور کریں گے۔"

"بھئی کلرکوں کو بھی حق حاصل ہے کہ فرصت کے اوقات میں تفریح کریں۔"

"مگر یہ کلرک بیمار پڑ جانا چاہتا ہے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم بیمار نہ پڑے تو میں تمہاری ٹانگ ہی توڑ کر بٹھادوں گا۔"

"کیا آپ کی دانست میں اُلو مثلث اور دائرہ کلیو بھی ہو سکتے ہیں۔"

"قطعی ہو سکتے ہیں۔"

"اگر وہ ہوش میں نہ رہا ہو تو۔"

"تب ہی تو کلیو ہو سکتے ہیں! ورنہ ہم اُسے سیدھا سادھا سا بیان تسلیم کر لیتے۔ یقیناً ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلا تھا یا جو کچھ بھی اس خاص فعل کا نتیجہ تھا اُسے کیا تم ذہن ہی سے متعلق نہ سمجھو گے؟"

"یقیناً سمجھوں گا لیکن اُلو یا اقلیدس آپ کو کدھر لے جائیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے قا متعلق استفسار کیا تھا۔ اُس نے کہا اُلو پھر مثلث اور دائرہ بنا کر رکھ دیا۔ کیا یہ ضروری ہ سے قاتل پر روشنی پڑ ہی سکے۔ اُس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تو وہ یا تو قاتل کا نام بتاتا ظاہر کرتا۔ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو ہو سکتا اور مثلث ڈی۔ ایس۔ پی کے سوال کا جواب ہی نہ رہے ہوں۔"

"لیکن اُن کا کچھ نہ کچھ تعلق اُس اذیت سے ضرور ہونا چاہئے جس کی بناء پر اُ حالت متوازن ہی نہ رہی تھی۔"

"تو پھر پیدا کیجئے تعلق۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "ڈی۔ نے کسی مجسمے کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔"

"ہاں! لیکن افسوس ہے کہ ہم اُسے نہ دیکھ سکے۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ جلتی ہوئی عمارت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ راکھ کا ڈھیر ہوتے بھی دیکھا تھا۔ وہاں اب کیا باقی بچا ہوگا۔ سبھی کچھ تو ضائع ہو گیا۔ لیکن نے اُس پر فائر کرنے کے بعد ہی آگ کیوں نہیں لگا دی تھی اگر اُسے کچھ شہادتیں تھیں۔ آخر پولیس کی موجودگی میں اس کا خطرہ کیوں مول لیا؟ یہ ایک ضروری سوال تھا۔

اس سوال پر فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔ " نے مجھے اُلو، مثلث اور دائرے کو اہمیت دینے پر مجبور کیا ہے۔ عمارت میں اُس وقت آگ

پولیس وہاں موجود تھی بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اس قسم کے خطرات اُسی حالت میں مول لئے جاتے ہیں جب بچاؤ کے لئے کوئی دوسری راہ نہ ملے۔ جائے واردات کا معائنہ کرنے والوں کی پروائی کی بناء پر اُلو مثلث اور دائرے والی بات قبل از وقت عمارت کے باہر آگئی تھی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہی آتشزنی کا موجب بنی ہو۔"

"ہوں.... اس کے امکانات قوی ہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اب بات سمجھ میں آئی ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُلو کا مجسمہ ہی وہ اہم شہادت رہی ہو جس کی بناء پر مجرم کی شخصیت روشنی میں آجاتی۔"

"فی الحال یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا کیونکہ فریدی نے لنکن گریننگ روڈ پر موڑی تھی۔

"میرے پاس ایک پیشہ ور مجسمہ ساز کا پتہ بھی ہے۔ اُس سے ڈاکٹر کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اُس کا شوروم اسی سڑک پر ہے۔"

کچھ دور چل کر لنکن بائیں جانب والے فٹ پاتھ سے جا لگی۔ فریدی نے انجن بند کر دیا اور نیچے اتر آیا۔

اب وہ مجسموں کی ایک بڑی دوکان میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک پستہ قد اور معمر آدمی نے ان کا استقبال کیا۔

فریدی اس طرح شوکیس میں رکھے ہوئے مجسموں کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کسی خاص مجسمے کی تلاش ہو۔ یہاں زیادہ تر ملک کے بڑے آدمیوں کے مجسمے نظر آرہے تھے۔ شعراء فلسفیوں اور سیاست دانوں کے مجسمے۔

"فرمائیے جناب۔" بوڑھے آدمی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نصیری صاحب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"فرمائیے! جناب یہی خادم ہے۔ کیا آپ اپنا مجسمہ بنوائیں گے۔"

"نہیں.... مجھے ایک ایسا مجسمہ چاہئے جو دلچسپ ہو۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"مطلب یہ کہ جسے دیکھ کر ہنسی آئے۔ جس نے مجھے آپ کا پتہ دیا تھا اُسی کے ہاں میں نے

ایسا ہی ایک مجسمہ دیکھا تھا۔"

"کس کے ہاں۔" بوڑھے کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔

"ڈاکٹر داؤد کے یہاں....!"

"اوہ.... مگر وہ مجسمہ کیسا تھا۔"

"سر آدمی کا اور دھڑ پرندے کا۔ لیکن چہرے کی بناوٹ بالکل اُلو کی سی تھی۔"

حمید بغور اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ ابھی اُسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کی اطلا نہیں ملی۔ ورنہ وہ اُس کے تذکرے پر اتنا پرسکون نہ دکھائی دیتا۔ لیکن جیسے ہی فریدی نے مجسمے متعلق تفصیل ظاہر کی اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"مم.... میں.... ایسے بت کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ڈاکٹر داؤد خود ہی کلے موڈ کرتے تھے۔ اچھے آرٹسٹ تھے۔ انہوں نے خود ہی بنایا ہوگا۔"

"جی ہاں.... انہوں نے خود ہی بنایا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں ویسا ہی دوسرا آپ بنوالوں۔"

"بھلا میں کیسے بنا سکتا ہوں جناب۔ مم.... میں نے تو اُسے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ کچھ خائف سے نظر آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور پھر بیک اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ بائیں جانب والی کھڑکی سے ایک فائر ہوا تھا۔ بوڑھے کی چیخ دوکا محدود فضا میں گونجی۔

"دیکھو....!" فریدی نے بوڑھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر حمید سے کہا اور دروازے سے پاتھ پر چھلانگ لگائی۔

حمید بوڑھے کی طرف جھپٹا جو فرش پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ گولی اس کی داہنی کنپٹی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے دم توڑ دیا۔ گولی لگنے کے بعد اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نکل سکا تھا۔

فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی۔ حمید نے مجمع ہٹانے کے لئے ایک ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلالیا۔ فر گلی میں تھا۔ کچھ دیر بعد دوکان میں واپس آکر اُس نے کوتوالی فون کیا۔

گلی میں تین ڈیوٹی کانسٹیبل موجود تھے، جنہوں نے گلی سے آمد و رفت روک دی تھی

ے ایک کھڑکی کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

"دیکھو....!" فریدی نے آہستہ سے حمید کو مخاطب کیا۔ "ہم یہاں بس یونہی چلے آئے ڈاکٹر داؤد کے سلسلے میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے تشویش کن انداز میں سر کو جنبش دی۔

ذرا ہی سی دیر میں کئی پولیس کاریں وہاں پہنچ گئیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی آیا تھا۔

فریدی نے اُسے علیحدہ لے جا کر کہا۔ "یہ کوئی گہری سازش ہے۔ میں اُس سے اسی مجسمے کے ق پوچھ گچھ کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ قاتل وہیں سے آپ کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔" ایس۔ پی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکے گا۔ لیکن سنئے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ لئے اس کیس کی تفتیش کروں تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کیجئے گا کہ میں آپ سے اس کا پتہ م کر کے یہاں آیا تھا۔"

"تو گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا تعلق ڈاکٹر کے کیس سے نہ ظاہر کیا جائے۔"

"جی ہاں.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... اس طرح شائد نصیری کا کیس باضابطہ طور پر آپ کو مل جائے۔" ایس۔ پی نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کا خیال ہی فضول ہے، چونکہ قتل میری موجودگی میں ہے اس لئے شاید میرے ہی خلاف تفتیش شروع کردی جائے۔"

"نہیں....!" ڈی۔ ایس۔ پی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے میں جو کچھ بھی کروں گا اس کا مقصد ل ڈاکٹر داؤد کے قاتل ہی پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ محکمے میں آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے اس کے بارے بھی کچھ سنا تھا۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ "آپ فنگر پرنٹ سیکشن والوں کو طلب

کر کے کھڑکی پر نشانات تلاش کرائیے اور دوکان کی تلاشی لیجئے۔ مگر یہ تلاشی آپ کی ذمہ
ہو گی۔ میں صرف ساتھ رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے..... میں سمجھتا ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے تشویش کن انداز میں سر ہلا کر

لیکن فریدی اُس تلاشی میں شریک نہ ہو سکا کیونکہ اُس کے محکمے کا نیا ایس۔ پی بھی
گیا تھا اور شاید وہ اسی اطلاع پر آیا تھا کہ واردات فریدی کی موجودگی میں ہوئی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"بس یوں ہی۔ ایک پاپولر مجسمے کی تلاش تھی۔"

"آپ ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی پر بھی موجود تھے۔ میرا مطلب ہے آگ لگنے کے بعد۔"

"جی ہاں۔ صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ اوپر کے آرڈر کتنے سخت ہیں۔"

"جی ہاں مجھے علم ہے۔ مگر میں نے کوئی بے ضابطہ مداخلت تو نہیں کی۔"

"ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے آپ کا تحریری بیان لیا یا نہیں۔"

"غالباً مجھے اسی لئے روکا گیا ہے۔"

فریدی نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح اُس سے پیچھا چھڑائے لیکن وہ اُسے باتوں میں الجھا
رہا اور اس دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی تلاشی لے کر باہر بھی آ گیا۔

اپنے محکمے کے ایس۔ پی کی موجودگی ہی میں فریدی کو وہاں سے رخصت
ڈی۔ ایس۔ پی سے گفتگو کرنے کا موقع کہاں تھا۔

"اب فرمائیے۔" حمید نے لنکن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "میں خود کو بے بس سمجھنے کا عادی نہیں

"بے بس تو وہ مرنے والا بھی نہیں تھا۔" حمید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اور فریدی صرف ہنس کر خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "کیا خیال ہے تمہارا..... نصیـ
پہچانتا تھا یا نہیں۔"

"اس کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"قطعی پہچانتا تھا۔ لیکن شاید اُسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بارے میں نہیں معلوم تھا

"تو کیا وہ اس بناء پر مارا گیا کہ آپ کو پہچانتا تھا۔"

"نہیں صرف اس لئے کہ میں اس کے ذریعے کسی کو پہچان لوں گا۔ نصیری بہت دنوں سے
ی لسٹ پر تھا فرزند۔"

"کیا مطلب.....!"

"غیر پسندیدہ اور مشتبہ عناصر کی لسٹ پر۔ لیکن ڈاکٹر داؤد کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"تو کیا آپ اُسے بھی اُس لسٹ میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"

"الو کے تذکرے سے نصیری خائف نظر آنے لگا تھا۔" حمید نے کہا۔

"شائد وہ ہمیں بہت کچھ بتا سکتا۔"

"میں تو صاحب اب کلرکی ہی میں خوش ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "وہ تو آپ کا
دیکھ کر مجھے ان پابندیوں پر غصہ آ جاتا ہے۔"

"اوہو! تو تم نے حسب عادت بھاگ دوڑ پہلے ہی سے سونگھ لی۔"

"دیکھئے!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہوں کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"جو لوگ پولیس کی موجودگی میں کسی عمارت میں آگ لگا سکتے ہوں یا ہماری نظروں کے
امنے نصیری کو قتل کر سکتے ہوں کیا وہ ہم پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہ کریں گے؟"

"یقیناً کریں گے۔ میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں اپنے سہرے کے علاوہ اب اور کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"موت سے ڈرتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"شادی سے پہلے یقیناً ڈرتا ہوں۔ پھر شادی کے بعد بھلا موت کہاں آتی ہے۔ ارے ارے
یہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔"

"کسی ایسی جگہ جہاں اندازہ کر سکوں کہ تعاقب اب بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو کسی کام سے باز رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ فریدی
قول تھا کہ موت کی تلاش میں رہنے والوں سے موت ہمیشہ دور بھاگتی ہے۔ یا کم از کم ویسی موت

تو انہیں کبھی نہیں نصیب ہوتی جیسی وہ چاہتے ہیں۔ تو پھر موت کے معاملے میں جوارِیوا رویہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔

ایک نہیں ہزاروں اس پر متحیر رہا کرتے تھے کہ آخر وہ اب تک زندہ کیوں ہے۔ تولا تعداد دشمن تھے اور آئے دن اس کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔

خود حمید ہی نے اُسے سینکڑوں بار موت کے جبڑوں سے صحیح و سلامت بچ نکلتے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ حمید بھی جان بوجھ کر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دینے کا ہو، نہ وہ حقیقتاً بزدل تھا اور نہ کام چور۔ لیکن خواہ مخواہ کسی الجھن میں پڑنے سے گریز کر اس وقت وہ تنہا ہوتا تو گاڑی کو کسی ویرانے کی طرف موڑنے کی بجائے بھری پُری سڑکوں ہی

لیکن اب لنکن ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی جس کے دونوں کناروں پر او درختوں کی قطاریں تھیں اور اُن کے بعد پھر شائد کھیتوں اور جنگلوں ہی کے سلسلے پھیلے ہوں۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ یقینی طور پر تعاقب ہو رہا تھا۔

"ہے نا.....!" فریدی نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"یقین کے ساتھ کیسے کہا جا سکتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے وہ ہی طرح غلط فہمی کا شکار ہوا ہو۔ یعنی کوئی نامراد عاشق جو سمجھا ہو کہ اُس کی محبوبہ ہماری سفر کر رہی ہے۔"

دفعتاً فریدی نے لنکن کی رفتار تیز کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں کاروں کا طویل ہو گیا۔

"دیکھتے رہو! جیسے ہی پچھلی گاڑی کسی نشیب میں جائے فوراً بتانا۔" فریدی نے کہا۔

حمید پھر مڑا۔ پچھلی گاڑی شائد نشیب ہی میں جا رہی تھی۔ کیونکہ اب اُس کے نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

"نشیب ہی میں ہے۔" حمید جلدی سے بولا اور فریدی نے گیئر بدلے۔ رفتار ساتھ ہی گاڑی کی روشنیاں بھی گل ہو گئیں۔

"بائیں جانب اتر جاؤ۔" فریدی نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔ یہ سب کچھ اتنی جلد حمید کو کچھ سوچنے کی مہلت نہ مل سکی۔

اس نے دروازہ کھول کر بائیں جانب چھلانگ لگائی اور لڑھکتا ہوا نشیب میں چلا گیا۔ پھر بمشکل تمام سنبھلنے میں کامیاب ہو سکا۔ یقین تھا کہ جسم پر خراشیں آئی ہی ہوں گی۔ لیکن ان کی سوزش محسوس کرنے کا ہوش کسے تھا۔

مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ یہاں سے سڑک کی بلندی تقریباً پندرہ فٹ ضرور رہی ہو گی۔ لیکن حمید کسی کار کی صرف آواز ہی سن سکا۔ کار نہیں دکھائی دی تھی۔ البتہ ہیڈ لیمپس کی روشنی درختوں پر جھلکیاں مارتی نکل گئی تھی۔

تو وہ گاڑی کے بغیر رکے ہی گذر گئی۔ حمید نے سوچا اور اُسے فریدی کی بوکھلاہٹ پر تاؤ آنے لگا۔ خواہ مخواہ چوٹیں بھی کھائیں اور کپڑے بھی تباہ کئے۔

یک بیک قریب ہی اُسے سرسراہٹ سنائی دی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ "کہاں ہو۔"

"آغوشِ مادر میں۔" حمید جھلا کر بولا اور پھر پہلی سی خاموشی چھا گئی۔ مگر یہ خاموشی بے وجہ نہیں تھی۔ وہ ضرورتاً خاموش ہوئے تھے۔ کیونکہ اب پھر کسی کار کی آواز سنائی دی تھی اور روشنی بھی نظر آئی تھی۔ آنے والی کار وہیں رکی جہاں انہوں نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

"نہیں یہ گاڑی نہیں ہے۔" انہوں نے کسی کو کہتے سنا۔ "اوہ... اسمیں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"یقیناً یہ وہ گاڑی نہیں ہے۔" یہ دوسری آواز تھی۔

"کہیں ہم پھنس تو نہیں گئے۔" تیسری آواز آئی جس کے جواب میں انہوں نے کچھ بھی نہ سنا۔

اُلو کا خوف

فریدی نے حمید کا شانہ دبایا اور پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ چڑھائی پر رینگنے لگے۔ جلد ہی انہیں ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں سے وہ سڑک پر بہ آسانی نظر رکھ سکتے تھے۔

آنے والی کار کی روشنیاں بھی گل کر دی گئی تھیں اور سڑک پر تین دھندلے سائے نظر آ رہے تھے۔

"تمہیں خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے۔" کوئی بولا۔ "ہو سکتا ہے یہ گاڑی قطعی غیر متعلق ہو۔"

"اتنی قیمتی گاڑی یہاں ویرانے میں اس طرح چھوڑ دی گئی ہے۔" دوسری آواز آئی۔

"وقت نہ برباد کرو.... یا آگے چلو یا واپس۔"

"وہ تو ہاتھ سے گیا.... واپسی ہی مناسب ہے۔"

وہ شاید گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی بیک ہوئی اور پھر شہر کی طرف مڑ گئی۔

جب وہ کچھ دور نکل گئی تو فریدی بھی اٹھا اور دونوں لنکن کی طرف آئے۔ تھوڑی د بھی شہر کی طرف مڑ رہے تھے۔ لنکن کے ہیڈ لیمپس بجھے ہوئے تھے لیکن عقبی سرخ اندیکھے خطرات کے لئے جاگ رہی تھی۔

لنکن کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ اندھیرے میں رفتاری خطرناک ہی تھی۔ لیکن فریدی نے جواب نہ دیا۔ رفتار اُسی وقت کم ہوئی تھی جب والی کار کی عقبی سرخ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

"ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" فریدی نے تشویش کن لہجے میں جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ قطعی غیر متعلق رہی ہو جسے ہم اپنے تعاقب میں سمجھے تھے۔"

"لیکن خود اُس گاڑی کا تعاقب کیا گیا تھا۔"

"بس اب یہی دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں۔ اُن کے اندازِ گفتگو سے تو یہی معلوم کہ جس کا انہوں نے تعاقب کیا تھا وہ اتفاقاً ہی کہیں انہیں نظر آ گیا تھا۔"

"تو پھر ہو سکتا ہے کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کا بھی تعاقب کیا گیا ہو۔ ہم کیسے ہیں کہ وہ کار ہمارے تعاقب میں نہیں تھی۔ اور اگر نہیں تھی تو خدا ہمیں معاف کرے۔ نے رات صرف آرام کے لئے بنائی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس بھاگ دوڑ میں حمید کی بھوک چمک اٹھی تھی وہ تھوڑی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیوں جناب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کار میں ہمارے ہی آدمی رہا ہو۔"

"سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہو۔"

دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں ابھی تک کوئی خاص فرق نہیں واقع ہوا تھا۔

وچ رہا تھا کہ اگر شہر پہنچ کر انہوں نے یہی کار اپنے پیچھے دیکھی تو ہوشیار ہو جائیں گے۔ کیونکہ نہوں نے ٹارچ روشن کر کے اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔

"اوہو....!" وہ یک بیک اچھل پڑا۔

پچھلی کھڑکی سے تیز قسم کی روشنی کار میں داخل ہوئی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا آنکھیں بند ہیا گئیں۔ گو روشنی کا فاصلہ زیادہ تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی تیز شعاعیں آنکھوں سے گذر کر گدی سے دوسری طرف نکل جائیں گی۔ اور پھر گھنٹیوں کی آوازیں جنگل کی پرسکون فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگیں۔

"فائر بریگیڈ....!" فریدی نے کار کی رفتار کم کر کے اُسے ایک طرف کر لیا۔ مگر پھر پورے ریک لگائے اور پھرتی سے انجن بند کر دیا۔

"اترو....!" اُس نے حمید کو دھکیلتے ہوئے کہا۔

اس بار وہ دونوں ایک دوسرے پر گرے اور ٹھیک اسی وقت گاڑی کا پچھلا شیشہ چور چور ہو گیا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے تھے۔

"چلو....!" فریدی نے سڑک کے نشیب میں اندھا دھند چھلانگ لگائی۔ اس بار پھر حمید نے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر نیچے پہنچ گیا۔ اس کی چیخیں سسکاریوں ہی میں تبدیل ہوتی رہی تھیں۔ جانے کتنے کانٹے جسم میں چبھے ہوئے تھے اور نیچے پہنچ کر سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا تھا۔

آگ بجھانے والی گاڑی گھنٹیوں کا شور بکھیرتی ہوئی سڑک پر سے گذر گئی۔ فائر یقینی طور پر ی گاڑی سے کئے گئے تھے۔ لیکن وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے محض راستہ بنانے کے لئے فائر کئے گئے تھے۔

حمید نے بڑی قوت سے دانت پر دانت جمائے۔ پتہ نہیں یہ جھلاہٹ تھی یا سر کی دکھتی ہوئی چوٹ جس نے دانت بھینچنے پر مجبور کیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم زندہ ہی ہو گے۔" قریب ہی فریدی کی آواز آئی۔

"ایسے واہیات خیال پر مجھے غصہ بھی آ سکتا ہے۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ اپنی خوش طبعی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ دھماکے کے ساتھ ہی اتنی روشنی ہوئی تھی کہ سارا جنگل ایک

پل کے لئے جاگ سا پڑا تھا۔

"گئی.... ختم ہوئی وہ کار۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا سڑک کی طرف جھپٹا۔ حمید میں اتن
کہاں تھی کہ وہ بھی ویسی ہی تیزی دکھا سکتا۔ سر کی چوٹ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

فریدی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ لیکن حمید کا انتظار کرنا ہی تھا۔ جیسے ہی وہ پچھلی سیٹ
کار چل پڑی۔ آگ بجھانے والی گاڑی کی گھنٹیاں اب نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید بھنا کر بولا۔

"یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی بچا یا نہیں۔"

"کس کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس کار کی جو کچھ دیر پہلے ہماری گاڑی کے قریب رکی تھی۔"

"تو یہ آگ بجھانے والی گاڑی۔"

"آگ بجھانے والی گاڑی کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتی ہے اس کی ساخت میرے لئے
نئی تھی۔"

"اوہ....!" حمید کھڑکی پر جھکتا ہوا بولا۔ "وہ رہے شعلے.... بائیں جانب.... نیچے۔"

فریدی نے کار روک دی۔ بائیں جانب نشیب میں ایک کار الٹی پڑی دھڑا دھڑ جل رہی
فریدی گاڑی سے اترا تو.... لیکن وہیں رک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کار والوں م
ایک بھی زندہ نہ بچا ہو۔ اُن میں سے کسی کو چیخنے تک کا موقع نہ مل سکا ہو۔

"مگر یہ کیسے ہوا ہوگا۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹکراؤ.... اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر گاڑی ہی ڈرائیور کے قا
باہر ہو گئی ہو۔ سنو وہ گاڑی جیسی بھی رہی ہو۔ شہر کی طرف نہ جا سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ا
خاموشی سے واپس آئے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ تم اپنی گاڑی تارجام کی طرف نکال لے جا
پر انہوں نے صرف گولیاں چلائی تھیں اور نظر انداز کرتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔"

"میں آپ کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جاؤ....!" فریدی نے اسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں گاڑی چلا
کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

مزید بحث کا موقع نہیں تھا۔ حمید چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا اور گاڑی بیک کر کے مخالف
ت میں موڑ لی اور خود مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ فریدی وہیں کھڑا ہے یا نیچے اتر گیا ہے۔
اس نے بڑی جھلاہٹ کے عالم میں اسٹیئرنگ سنبھالا تھا۔ گاڑی سنسان سڑک پر فراٹے
نے لگی۔ مگر ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ تارجام کے کسی ہوٹل میں چین سے سو تو سکے گا۔ ظاہر
کہ اسی وقت تو واپسی ہونے سے رہی۔

تارجام کا فاصلہ اُس کے اندازے کے مطابق یہاں سے کم از کم چالیس میل ضرور رہا ہوگا۔
ر کی رفتار تیز ہی کرتا رہا.... لیکن اس کا ذہن اب پھر اُلو دائرے اور مثلث میں الجھ کر رہ گیا
یہ کیا چکر تھا جس کیلئے اتنی ہنگامہ خیزی ہوئی تھی اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے کسی کا تعاقب
ا اور پھر موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔ پتہ نہیں اُن میں سے کوئی زندہ بھی بچا تھا یا نہیں۔

یک بیک اُس کے کانوں میں ایک سریلی سی آواز گونجی۔ "آپ کے پاس ماچس تو نہ ہوگی۔"
آواز گاڑی کی پچھلی نشست سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ گئے اور وہ گاڑی کو
قابو ہونے سے بمشکل بچا سکا۔

آواز نسوانی تھی اور سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔ لیکن وہ انگریز نہیں
تی تھی۔ حمید کو پہلے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا لیکن یہی جملہ پھر دہرایا گیا۔ اس نے ایک
ا سانس لے کر اسٹیئرنگ کو صرف داہنے ہاتھ سے سنبھالا اور بائیں سے ماچس نکال کر مڑے
فرمائش پوری کر دی۔ وہ ونڈ شیلڈ پر سے نظر نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔

"شکریہ....!" آواز آئی۔ پھر اُس نے دیا سلائی کے جلنے کی آواز سنی۔ غالباً سگریٹ ہی
ئی گئی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کاش روانگی سے پہلے گاڑی کے اندر بھی ایک نظر ڈال لی ہوتی۔ مگر کیا وہ تنہا
وگی۔

یک بیک اس نے گیئر بدلے اور گاڑی کی رفتار کم ہو گئی۔

"یہ مناسب نہیں ہوگا جناب۔" نہایت شریفانہ لہجے میں کہا گیا۔ لیکن اس بار بھی آواز
نی ہی تھی۔

"مناسب تو یہ بھی نہ ہوگا کہ آپ میرے ساتھ اکیلی سفر کریں۔" حمید نے پر سکون لہجے

میں کہا۔ "ویسے میری گاڑی پہلے بھی کئی بار لڑکیاں جن چکی ہے۔"

"اوہ.... تب تو آپ ایک تجربہ کار مڈ وائف بن چکے ہوں گے۔"

"مڈ ہنر بینڈ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن آج تو میں خودکشی کے
ہوں۔ اس لئے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے جنہیں سن کر ہنسی

"خوب! تو آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں۔"

"قطعی.... کیونکہ لڑکیوں سے اس سے زیادہ کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اچھا تو
طرح مرنا پسند کریں گی۔ گاڑی کو سڑک کے نیچے گراؤں یا کسی درخت سے ٹکرا دوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"

"فائر کرو.... اچھا ہے۔ مجھے خود ہی گاڑی نہیں گرانی پڑے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ جو دل چاہے کرو۔" اس بار لہجے میں لاپروائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"تب تو میں تمہیں ہائینے کی نظم سناؤں گا.... جرمن ہو نا تم....!"

"اوہ.... کیا ہائینے پسند ہے تمہیں۔" لڑکی نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"بہت زیادہ....!"

"اور.... رلکے....!"

"وہ تو مجھے بالکل چغد معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔ اُسے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتی ہے۔ یک بیک اُ
روک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔

"کیوں....؟" لڑکی کا منہ کھل گیا۔ وہ خاصی قبول صورت تھی۔ عمر بیس اور
درمیان رہی ہوگی۔

"تم نے ابھی پستول کی دھمکی دی تھی۔" حمید مسکرایا۔

"وہ تو میں نے یونہی....!" لڑکی ہنس پڑی۔

"میں اپنی گاڑی میں تمہاری موجودگی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"لفٹ.... تار جام تک۔ آج رات میں نے بڑے ڈراؤنے مناظر دیکھے ہیں۔

و میں نہیں ہے۔"

"یہاں اتنی رات گئے تمہارا کیا کام....!"

"میں پیدل ہوا خوری کی عادی ہوں۔ آج راستہ بھول گئی۔"

"جہاں سے تم بیٹھی ہوگی وہاں سے شہر بیس میل کے فاصلے پر ہے اور تار جام چالیس میل
اچھا تو یہ ہوا خوری کہاں سے شروع ہوئی ہوگی۔"

"نہ میں سمجھا سکتی ہوں اور نہ تم سمجھ سکو گے۔ لہٰذا ہمیں دوسری باتیں کرنی چاہئیں۔ مثلاً
ت کی باتیں۔ اگر تھوڑی بہت سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہو تو انٹر نیشنل پولیٹکس کی باتوں میں کوئی
ائقہ نہیں۔"

"مضائقہ تو اس میں بھی نہ ہوگا کہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" حمید نے کار سے اترتے
ئے کہا اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "نیچے آؤ۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔ تم خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کروں گی کہ
، تنہا چھوڑ کر اپنی راہ لو۔ یہی کرنا تھا تو شہر سے کیوں ساتھ لائے تھے۔"

"اوہ....!" حمید نے دانت پیستے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اُسے نیچے کھینچ لیا۔

"درندے.... وحشی۔" وہ غصیلے انداز میں بسور کر بولی۔ "عورتوں سے ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔"

"میرے ڈیڈی کے گرانڈ فادر تو چانٹے اڑا دیا کرتے تھے۔" حمید نہایت اطمینان سے بولا۔ وہ
لی نشست کا دروازہ بند کر کے لڑکی کو ایک طرف دھکیلتا ہوا اگلی نشست پر جا بیٹھا۔ انجن
رٹ کیا اور کار حرکت میں آگئی۔ لیکن لڑکی نے اس سے بھی زیادہ پھرتیلے پن کا مظاہرہ کیا۔
مادہ کار کے آگے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ حمید کو اُسے پیچھے چھوڑ جانے کا موقعہ ہی نہیں
ب ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں کار کی رفتار ہی کیا رہی ہوگی۔

"میں تمہیں کچل دوں گا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ضرور کچل دو۔" اس نے اسی طرح دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

وہ اتنے پھرتیلے پن سے گاڑی کا راستہ بار بار روک رہی تھی جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو
ھیں رکھتی ہو؟

"ارے کیا واقعی مرنا چاہتی ہو۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

وہ جواب دیئے بغیر دوڑتی رہی۔ حمید کو خطرہ سر پر منڈلاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس
کیوں نہ فی الحال کسی کچے راستے پر مڑ جائے یا شہر ہی کی طرف واپس چلے۔ اس طرف
مقصد محض گاڑی کی حفاظت تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی کا یہ خیال کہ وہ خطرناک گاڑی پھر واپ
گی صرف ایک لایعنی سا اندیشہ رہا ہو۔ مگر یہ لڑکی وہاں کیسے رہ گئی تھی۔ یہ اُسی گاڑی
ہو گی جس پر آگ بجھانے والی گاڑیوں کی سی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

یک بیک اس نے رفتار بہت کم کر دی۔ مگر لڑکی اپنی پہلی ہی سی رفتار سے دوڑتی چل
تھی۔ رفتار کم کر کے حمید نے بریک لگائے اور پھر گاڑی کو بیک کر کے شہر کی طرف مو
والا تھا کہ لڑکی پلٹ پڑی اور ہاتھ ہلا کر زور سے بولی۔ "احمق نہ بنو۔ موت کے منہ میں نہ
حمید نے دیکھا کہ اب وہ پھر دوڑتی ہوئی اس کی طرف آ رہی ہے۔ اُس نے ہیڈ لی
دیئے۔ تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ گاڑی کے پیچھے تھا۔
ارادہ تھا کہ اب وہ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر گاڑی میں ڈالے گا اور تار جام کی بجائے
رخ کرے گا ورنہ ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر اُسے کسی جال میں پھنسنا پڑتا۔ کیونکہ وہ اسے
ہی کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔

لڑکی بھی احمق نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے حمید تک پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی
روشنی کر دی۔ پھر بولی۔ "اچھا تو یہ بات ہے۔ اب تم جھگڑا کرنا چاہتے ہو۔ اچھا تو آؤ...
سے کمزور نہیں پڑوں گی۔"

حمید پھر دانت پیس کر رہ گیا۔

"خود بھی تھک رہے ہو اور مجھے بھی تھکا رہے ہو۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھو۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "جب سے تمہیں دیکھا ہے
قابو میں نہیں ہے۔"

"ذہن کو قابو میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گاڑی کے سامنے لیٹ جاؤ۔" حمی
ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"سنو....!" لڑکی سنی ان سنی کر کے بولی۔ "یہ رات بڑی بھیانک ہے۔ ابھی ابھی

ن آدمیوں کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اُن کی کار اسی طرح اچھل کر کھڈ میں جا پڑی تھی
ے وہ کوئی کھلونا ہو اور کسی شریر بچے نے ایک معمولی سی ٹھوکر سے اُسے دور پھینک دیا ہو۔"

"وہ کون تھے۔"

"خدا جانے.... ایک آگ بجھانے والی گاڑی اس سے ٹکرائی تھی لیکن نہ تو آگ بجھانے والی
ی کی رفتار میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ اُسے کوئی نقصان ہی پہنچا تھا۔ میں نے ایسا حادثہ آج تک
ں دیکھا۔"

"مگر تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"لڑکی.... تم مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"اُلو...." وہ یک بیک اچھل پڑی اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ "میرے خدا۔"
رائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آج اس وقت تک گیارہویں بار اُلو کا نام سنا ہے۔ تم کون ہو۔"

"اُلو....!" حمید جھلا کر بولا اور پھر یک بیک اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سامنے کسی گاڑی کے
لیمپس چمک رہے تھے۔ اُس نے جیب سے ریوالور نکالا اور اُس کا رخ لڑکی کی طرف کیے
ئے نشیب میں اترتا چلا گیا۔ سر کی تکلیف بدستور موجود تھی۔ اسی نے ذہن کو کسی قابل نہیں
اتھا ورنہ وہ اتنے احمقانہ انداز میں وقت برباد کرنے کی بجائے اب تک کوئی ڈھنگ کا کام کر چکا ہوتا۔

"ارے.... ارے....!" لڑکی کی آواز سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دور چل کر حمید
یک ایسی جگہ مل گئی جہاں چھپ کر وہ نہ صرف اپنی حفاظت کر سکتا تھا بلکہ سڑک پر بھی نظر رکھ
تھا۔ یہ پتھروں کے کچھ ڈھیر تھے جن کے رخنوں سے لمبی لمبی گھاس اُگ آئی تھی۔

آنے والی کار لنکن کے قریب ہی رکی اور کسی نے انگریزی میں پوچھا۔ "کیا ہوا۔"

"ادھر نکل گیا۔" حمید نے لڑکی کی آواز سنی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ لیکن حمید کی چھٹی حس کہہ رہی تھی جیسے وہ آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے
ے۔ اچانک لڑکی چیخنے لگی۔ "ارے.... ارے.... تو مجھے مارتے کیوں ہو۔ کیوں مارتے ہو۔"

"تم نے اُسے نکل کیوں جانے دیا۔" کسی مرد نے کہا۔

"ارے.... وہ اُلو تھا.... اُلو....!" لڑکی روتی سی آواز میں چیخی۔

"کیا... اُلو... نہیں۔" حمید نے محسوس کیا کہ مرد کی آواز سے بھی خوف ظاہر ہونے لگا

"ہاں.... ہاں اُلو تھا....!"

"چلو.... بھاگو جلدی....!" یہ کسی دوسرے مرد کی آواز تھی۔

پھر کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے وہ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے ہوں۔

کار پھر اُسی طرف مڑتی دکھائی دی جدھر سے آئی تھی۔

"اُلو....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا اور دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

امتیازی تمغہ

کرنل فریدی نے سگار ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تو وہ لڑکی تمہیں اُلو خائف ہو گئی تھی۔"

"ہاں ہو سکتا ہے جرمنی میں ہٹلر جیسے آدمی اُلو سمجھے جاتے ہوں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر

"اوہو....! تمہیں اس پر بھی یقین ہے کہ وہ جرمن ہی تھی۔"

"یہ اندازہ ہے۔"

"بہرحال اُلو نے انہیں خائف کر دیا تھا۔ ہاں تم نے رات کہاں گذاری۔"

"تارجام کے علاوہ اور کہاں گذارتا۔ واپسی تو آپ کے قول کے مطابق موت کے ہی میں لے جاتی۔"

"مجھے وہم ہوا تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "میں سمجھا تھا کہ شائد وہ گاڑی پھر واپس آئے گ

"آپ وہیں رکے رہے تھے۔"

"ہاں لیکن وہ گاڑی واپس نہیں آئی تھی۔ کار کے حادثے میں ختم ہونے والوں صرف ایک کی شکل قابل شناخت رہ گئی تھی۔ دو آدمیوں کے چہرے جل کر مسخ ہو قابل شناخت لاش کی جیب سے صرف یہ چیز برآمد ہوئی تھی۔"

فریدی نے کاغذ کا ایک ٹکڑا حمید کی طرف بڑھا دیا۔

"صرف.... یہ....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

کاغذ کے ٹکڑے پر پنسل سے ایک طرف اُلو تحریر تھا اور دوسری طرف ایک دائرہ تھا اور یک مثلث۔ یہ بھی پنسل ہی سے بنائے گئے تھے۔

"یہ کیا حماقتیں شروع ہو گئی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی وہاں کیا کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں وجود ہو گی۔ تبھی تو گاڑی میں داخل ہو سکی تھی۔"

"یقیناً اُس نے باقاعدہ طور پر اُس کار کی تباہی کی داستان سنائی تھی۔ بس آنکھوں دیکھا حال بھ لیجئے۔"

"جو بھی ہوں! پرلے سرے کے گدھے معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟"

"کچھ نہیں! تم خود سوچو جو لوگ تم جیسے اُلو سے خائف ہو جائیں انہیں پھر اور کیا کہا جائے گا۔"

"ہوں..!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "میری چھٹی کی درخواست اب منظور ہی ہونی چاہئے۔"

"ضرور ہو گی۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے سے اٹھا کر سلگاتے ہوئے کہا۔

حمید چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ گھر تک کس طرح پہنچے تھے۔"

"تین چار میل پیدل چلنے کے بعد اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا ورنہ صبح ہو جاتی۔"

"حادثے کی اطلاع آپ ہی نے دی ہو گی۔"

"نہیں! اس ٹرک کا ڈرائیور بھی جلتی ہوئی کار دیکھتا اُدھر ہی سے گذرا تھا۔ اس بحث میں نہ د۔ حکام کو بہرحال اس حادثے کی خبر ہو چکی ہے۔ لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"زبان میں لگام دینا محاورہ ہے۔" حمید خواہ مخواہ بڑبڑایا۔ پھر بولا۔ "آج دفتر میں کیا رہی۔"

"کاغذات اور فائیلوں کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"اُلو اور جیومیٹری زیادہ زیرِ بحث رہے ہوں گے۔"

"میں نے اس مسئلے پر کسی کو گفتگو کا موقعہ ہی نہیں دیا۔"

"آپ خود کسی نتیجے پر پہنچے ہیں یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ "پچھلے چوبیس گھنٹوں میں پے در پے کتنے حادثے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر داؤد کے بعد مجسمہ ساز نصیری

کا قتل پھر ایک کار کی تباہی جس میں تین آدمی ہمیشہ کے لئے سوگئے۔"

"نصیری پر آپ کی نظر کس سلسلے میں تھی۔"

"ایک غیر ملکی سفارت خانہ اُس کے مجسمے غیر ضروری طور پر خرید تا ہے۔"

"ہوں! اچھا لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ کا تعلق بھی اُسی ملک سے ہو۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں۔ کسی آدمی کی زندگی کے ایک پہلو پر نظر ڈالنے سے بعض پہلو خود بخود سامنے آجاتے ہیں۔"

"نصیری کے خلاف آپ کیا چارج لگاتے۔"

"اگر کبھی کچھ ثابت کر سکا ہوتا تو بہتیرے چارج لگ جاتے۔" فریدی نے ہاتھ ہا

"ختم کرو۔ میں اس کیس میں بہر حال دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"آپ جانئے.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہمیں کسی بہت بڑی توہین کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"اب فکر بھی نہ کروں! بالکل ہی کاہل ہو جاؤں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا ا
مسکرا پڑا۔

"ضرور کرو.... لیکن یہاں نہیں۔ کیا تمہیں کہیں باہر جانا ہے۔"

"اگر جاسکوں تو۔"

"ضرور جاؤ.... ورنہ کسی وفا شعار بیوی کی طرح دماغ چاٹتے رہو گے۔"

جانا کہاں تھا؟ صرف قاسم کے گھر تک کیونکہ آج کل وہ اُسے عشقیہ خطوط لکھنے کرا رہا تھا اور آج تو اسی سلسلے میں اپنی ایک شرارت کا ردعمل بھی دیکھنا تھا۔

کچھ دنوں پہلے اس نے قاسم کو پے درپے کئی عشقیہ خطوط لکھے تھے۔ کسی گمنام لڑکی سے، جن میں ظاہر کیا تھا کہ وہ قاسم کے اوپر مرمٹی ہے لیکن ابھی اپنے متعلق کچھ چاہتی۔ ایک نہ ایک دن اُس سے اس طرح ملے گی کہ وہ متحیر رہ جائے گا۔

قاسم نے دو خطوط کسی نہ کسی طرح ہضم کر لئے لیکن تیسرے خط پر حمید ہی کے آیا۔ اسے کسی طرح یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ کوئی لڑکی اس طرح خواہ مخواہ اُس پر عاشق ہ ہے۔ اس پر حمید بڑی دیر تک اس کے حلق میں فلسفہ عشق ٹھونستا رہا تھا اور پھر بولا تھا

نہیں جانتے راجہ بکرماجیت کے زمانے میں ایک گلہری کسی بھینسے پر عاشق ہو کر روزانہ ساڑھے تین سیر دودھ دینے لگی تھی۔

"سالے مجاخ اڑاتے ہو۔" قاسم بگڑ گیا تھا۔

لیکن حمید نے کسی نہ کسی طرح اُسے یقین دلا ہی دیا تھا کہ وہ بھی عاشق ہو جانے کی چیز ہے۔ ہر حال اس توقع پر کہ وہ کبھی نہ کبھی اپنا پتہ بھی لکھ ہی دے گی قاسم حمید سے عشقیہ خطوط لکھنے کی ریننگ لینے لگا تھا۔

پچھلے دنوں حمید نے اُس کا ایک محبت نامہ پار کر کے لفافے میں بند کیا اور اُس پر اس کے اپ کا پتہ ٹائپ کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اس طرح کہ قاسم کو اُس کی ہوا بھی نہ لگنے پائی۔

آج وہ اسی لئے قاسم کے گھر جانا چاہتا تھا کہ اپنی اس شرارت کے انجام سے لطف اندوز و سکے۔ فرصت کے اوقات میں قاسم سے الجھنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

اس نے گیراج سے کار نکالی اور دل ہی دل میں اپنی شرارت کے متوقع نتائج پر ہنستا ہوا کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل آیا۔ شام خاصی خوشگوار تھی اس لئے اُسے توقع نہیں تھی کہ واپسی جلد ہو سکے ھر خیال آیا کہ اگر شرارت واقعی کامیاب رہی ہو گی تو اس وقت قاسم کے یہاں چائے ملنے کا سوال ٹانہ پیدا ہو سکے گا۔ اس لئے اُس نے راہ میں ایک جگہ گاڑی روکی۔ اتر کر ایک صاف ستھرے کیفے یں آیا۔ گھر پر چائے بھی نہیں پی تھی۔ محض اس خیال سے کہ کہیں چائے کے دوران کوئی ایسی فتاد نہ پڑے کہ گھر سے نکلنا ہی نہ ہو سکے۔ یا کسی سلسلے میں دوڑ دھوپ ہی کرنی پڑ جائے۔

کیفے کی فضا پر سکون تھی۔ بمشکل تمام دو تین میزیں آباد رہی ہوں گی۔ حمید نے چائے لب کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ان دنوں اس کی ذہنی حالت عجیب تھی۔ نہ کسی کام میں دل لگتا تھا اور نہ تفریحات میں۔ صوصیت سے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کی تفریحات تو اس کے لئے بالکل بے جان ہو کر رہ گئی تھیں۔ دوست لڑکیوں کے تصور سے دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اُسے وہ اس ننھے طالب علم کی حالت سے تشبیہہ دیتا تھا جسے استاد نے کسی بات پر خفا ہو کر مرغا بنا دیا ہو۔

البتہ قاسم کی بات دوسری تھی۔ اس کے ساتھ تو کافی ہنسنا ہنسانا ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل اُس کی دوڑ عموماً قاسم ہی کے گھر تک ہوا کرتی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ باہر آیا۔ لیکن اُسے حیرت ہوئی جب اُس نے اپنی کار کے گرد لوگوں کا
غفیر دیکھا۔

اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے دو آدمیوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر راستہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"اُلو....!" قہقہوں کے ساتھ جواب ملا اور اس کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ دل چاہا کہ
کے سر ٹکرا دے۔ لیکن پھر طبیعت کو قابو میں رکھنا پڑا۔

"پتہ نہیں کس شوقین کی کار ہے۔" کسی نے کہا۔

اور جب حمید کسی نہ کسی طرح قریب پہنچا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
طرف کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور اندر ایک بڑا سا اُلو پر پھڑپھڑا کر اِدھر اُدھر
پھر رہا تھا۔

"ہری ہری سوجھتی ہے یار لوگوں کو۔" مجمع میں کسی نے کہا۔

"چلو.... چلو.... بھیڑ ہٹاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ہٹو.... اے کانسٹیبل.... ادھر
ہٹاؤ۔" اس نے ڈیوٹی کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔ جو خود بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے اس
موجود تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں بھیڑ صاف ہو گئی۔

پہلے تو حمید نے سوچا کہ کھڑکیاں کھول کر اُسے اڑا دے۔ لیکن پھر ارادہ ترک
مناسب یہی معلوم ہوا کہ وہ اپنی گاڑی جوں کی توں اُلو سمیت وہیں کھڑی رہنے دے اور خو
میں گھر واپس جائے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اس کی گاڑی اُسی حال میں دیکھنا پسند کرتا۔



نیاگرہ ہوٹل کے بڑے رہائشی کمرے میں تین آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔
ملبوسات اعلیٰ درجہ کے تھے۔ لیکن ان کی آنکھیں شریف آدمیوں کی سی ہرگز نہیں
حرکات و سکنات سے بھی یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں ذرا برابر بھی انسانیت پائی جا
تاش کے پتے اس طرح میز پر پٹختے تھے جیسے اس کی ضرب سے میز کے ٹکڑے ہی اڑا دیں۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ان میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری
سے بولنے والے کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر ریسیور کریڈل میں پٹختا ہوا بولا۔ "

مثلث کا چکر چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔"

"کیا ہوا دوسرے نے پوچھا۔"

"میں کہتا ہوں۔ اگر مثلث اور دائرے کی کوئی اہمیت ہے تو اُلو کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں.... فون پر کون تھا۔"

"باس....!"

"اچھا تو پھر؟ کیا تم نے اُلو کا حوالہ دیا تھا۔"

"ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ اُلو کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ ہر معاملے میں اپنی ٹانگ کیوں اڑا دیتا ہے۔ بھلا ڈاکٹر داؤد کے
ے یا قتل کی پشت پر جو حالات ہوں اُن سے اس کا کیا تعلق....!"

"اس بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی کرنا ہے جتنا ہم سے کہا جائے۔"

"ہاں.... آں....!" تیسرے نے انگڑائی لی۔ وہ ابھی تک کچھ بھی نہ بولا تھا۔ انگڑائی لے کر
نے میز پر طبلہ بجانا شروع کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔" دوسرا بولا۔ "مگر کیا تمہارے دل میں خواہش نہ پیدا ہو گی کہ تم ڈاکٹر داؤد کے
کے متعلق بھی کچھ معلوم کرو۔ کس نے قتل کیا تھا؟ کیوں کیا تھا؟ اس کے بعد کہیں اُلو مثلث
دائرے پر غور کرنے کا سوال پیدا ہو گا۔"

"ارے یار چھوڑو! اس وقت اس نے کیا کہا ہے۔" تیسرے نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"یہی کہ ڈاکٹر کے ملنے جلنے والوں سے مثلث اور دائرے کا تذکرہ کرتے پھرو۔ ہو سکتا ہے کہ
ایسا سے کوئی اُن کے متعلق کچھ بتا سکے۔ لیکن اُلو کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر
لو کیوں اہمیت نہیں دی جا رہی۔"

"اُلو کو اُلو ہی اہمیت دے سکتے ہیں۔" تیسرے نے کہا اور پھر میز پر طبلہ بجانے لگا۔

"اُلو اور دائرے وغیرہ کی کہانی سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔"

"پھیل جانے دو۔" میز پر طبلہ بجانے والے نے ہاتھ روک کر کہا۔ "مجھے تو باس کے علاوہ
رکسی کی فکر نہیں رہتی۔"

"باس کی فکر....!"

"ہاں.... وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ اُس کی اصل صورت کیسی ہے۔"

"اصل صورت....؟" پہلے کا لہجہ تحیر زدہ تھا۔

"اوہو.... کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ جس شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس کی اصل ہے۔ آنکھوں پر بڑی سی تاریک شیشوں والی عینک چڑھائے رہتا ہے اور گھنی مونچھیں قطعی نقلی ہیں۔"

"بکواس ہے۔" پہلا بولا۔

"مت یقین کرو۔" تیسرے نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر میز پر طبلہ بجانے لگا۔ تاش کی گڈی ایک طرف رکھ دی گئی تھی اور اُن میں سے اب کوئی بھی کھیلنے کے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"سوال یہ ہے۔" پہلا آدمی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیا ڈاکٹر داؤد کی ذہنی حالت اُس وقت ٹھیک تھی جب اُس نے اپنے ہی خون سے مثلث اور دائرہ بنایا تھا۔"

"اگر ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو اپنا باس بھی پاگل ہی معلوم ہوتا ہے۔" تیسرا ہاتھ روک کر بولا۔ پھر ہنسنے لگا۔ دونوں نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو بولا۔ "سب سے بڑا سوال ہے کرنل فریدی کا"

پھر وہ سب اس طرح خاموش ہوگئے جیسے دفعتاً روحیں قبض کرلی گئی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد پہلے نے کہا۔ "ہم نے ابھی تک کوئی غیر قانونی کام تو نہیں کیا۔"

"واہ....!" تیسرا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اُلّو مثلث اور دائرے کی فکر کسے ہونی چاہئے۔ ہم... کرنل فریدی کو! اور یہ کیا کہہ رہے ہو کہ ہم نے ابھی تک غیر قانونی کام نہیں کیا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" پہلا جھلا گیا۔

"ہائیں.... مجھے آنکھیں دکھاتے ہو.... تم....!"

"ہاں.... میں تمہارا انچارج ہوں۔"

"اے.... چوکر کے پیشکار صاحب! کیا تم مجھے جانتے نہیں۔"

"خاموش رہو....!" پہلا مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوگیا۔

"ارے.... ارے....!" دوسرا دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "پاگل ہوگئے ہو۔ اگر اس کا علم ہوگیا تو....!"

"میں بھی کچھ کام ہی کی باتیں کررہا تھا۔ بھائی کو خواہ مخواہ غصہ آگیا۔"

"بیٹھو.... یار.... بیٹھو بھی۔" دوسرے نے پہلے کو زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے ایسا بھی کیا۔"

"تم دونوں کو ملازمت کس نے دلائی تھی۔"

"تم نے.... بھئی....!" دوسرے نے کہا۔

"اور محض اس لئے کہ میں تم پر اعتماد کرتا تھا اور تم مجھ پر....!"

"ہاں ہاں! اس سے کس کو انکار ہے۔"

"کیا تم یقین کرو گے کہ تمہاری کوئی لغزش مجھے موت کے منہ میں لے جائے گی۔"

"وہ کیسے....!"

"تم سبھوں کا بار مجھ پر ہے۔ ساری ذمہ داری میری ہے۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوئی تو وہ گولی ماردے گا.... سمجھے۔"

"ہونہہ.... یہ بھی ایک ہی رہی!" میز پر طبلہ بجانے والا بے اختیاری سے مسکرایا۔

"کیا تم سچ مچ میری زندگی کے گاہک بنو گے۔"

"کیا تم سنجیدہ ہو۔" دوسرے نے پوچھا۔

"اُسے پتھر کی لکیر سمجھو! میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"دیکھو پیارے۔" وہ پھر مضطربانہ انداز میں میز پر طبلہ بجا کر بولا۔ "یہ آدمی جسے ہم صرف ایک نام سے یاد کرسکتے ہیں میرے لئے ایک مستقل ذہنی خلش بن کر رہ گیا ہے۔ کیوں نہ میں اس کا صفایا....!"

"خاموش....!" پہلے نے خوفزدہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "بہت آگے نہ بڑھو۔ خاموش رہو۔ اگر تم ذہنی طور پر اتنے ہی الجھ چکے ہو تو کسی گوشے میں چھپ کر آرام کرو۔ اس ملازمت سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔ لیکن کسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو میری موجودگی میں نہیں کرسکتے۔"

"اتنے خائف ہو۔" تیسرے نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تم یعنی.... جیری دی گریٹ۔"

"میرا اپنا میدان الگ ہے۔ وہاں میں کسی سے بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ سمجھے۔ لیکن اُس

آدمی کا مقابلہ تم کیسے کرو گے جس کا پیار بھی موت کا باعث بن سکتا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"یقین کرو.... میں نے ایک بار ایک ایسے آدمی کو مرتے دیکھا ہے جس سے وہ بڑی سے پیش آیا تھا۔"

"کیا بات ہوئی۔" تیسرا ہنس پڑا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" پہلا جھنجھلا گیا۔ "تم نے باس کو قریب سے نہیں دیکھا۔"

"اب دیکھوں گا تو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔" طبلہ بجانے والے نے ہنس کر کہا۔

"جاؤ....!" پہلا آدمی دہاڑا۔ "فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔ اٹھو! جب تک تمہاری ذہنی اعتدال پر نہ آجائے میرے سامنے مت آنا۔"

"نہیں....!" دفعتاً دروازے کی طرف سے آواز آئی اور وہ اچھل پڑے۔ ایک طویل آدمی دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا رہا تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے ان کی طرف مڑا۔ اس کی آ پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہ گئے تینوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔

"تمہارا ساتھی دلچسپ ہے جیری۔" آنے والے کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں ایسے آدمیوں کو پسند کرتا ہوں۔ اب تم دونوں اسی کے چارج میں رہو گے۔ جیری کیا تمہیں اعتراض ہے۔"

"نہیں باس....!" جیری تھوک نگل کر بولا۔

"میں اس کے سینے پر تمغہ امتیاز اپنے ہاتھوں سے لگاؤں گا۔" اُس نے کہا اور جیب سے چمکدار تمغہ نکالا جو سرخ فیتے سے لٹک رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور میز پر طبلہ بجانے وا سینے پر اُسے پن کرنے لگا۔

"سس.... سی۔" اُس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور آنے والا جلدی سے

"اوہ.... پن چبھ گئی کیا! معاف کرنا۔"

تمغہ لگا کر وہ پیچھے ہٹ آیا اور جیری کو مخاطب کر کے بولا۔ "اب یہ تمہارا انچارج ہے؟ خیال رکھنا اور تم سب اُس وقت تک اس کمرے میں ٹھہرو گے جب تک کہ دوسرے احکا

بچ جائیں۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ جیری نے آگے بڑھ کر دروازے کو بولٹ کیا اور پھر میز کی رف لوٹ آیا۔

دوسرا آدمی کہہ رہا تھا۔ "لو بھئی.... کیا کایا پلٹ ہوئی ہے۔"

لیکن دفعتاً جیری کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ کیونکہ تمغہ حاصل کرنے والا ے کھڑے زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

"دیکھا تم نے دیکھا۔" جیری کانپتا ہوا بولا۔ "یہ زندہ نہیں ہے.... دیکھا.... تم نے...."

وہ اس طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جیسے پیروں کی قوت جواب دے گئی ہو۔

جال

فریدی حمید کو بیرونی برآمدے ہی میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ اُس کی بدحواسی پر وہ چونک پڑا تھا۔

یوں کیا ہوا.... تمہاری گاڑی کہاں ہے۔"

"اُلو....!"

"کیا بکواس ہے۔"

حمید نے پوری داستان ایک ہی سانس میں دہرانے کی کوشش کی۔ فریدی بڑی سنجیدگی سے رہا تھا۔

"اور دوسری بات۔" حمید سانس لینے کے لئے رک کر بولا۔ "اُس کے پنجے سے لوہے کا دائرہ بندھا ہوا ہے اور دوسرے سے مثلث۔"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "اُلو.... دائرہ اور مثلث سبھی موجود ہیں۔ اگر تم اُس اُلو کو نا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ چوہیا اور بکرے پر تو بہتیرے تجربے کر چکے ہو۔ اس بار اُلو ا کہی۔ حالانکہ میں نے سنا ہے کہ اُلو کو پالنا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ تو میں خواہ مخواہ دوڑ آیا تھا۔"

"قطعی! اگر اُلو کی بجائے تمہیں اپنی گاڑی میں ٹائم بم نظر آیا ہو تو دوسری بات تھی۔ میں بھی

دوڑا جاتا تمہارے ساتھ.... لیکن اُلو.... حمید تم بالکل اُلو ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں بھی دیکھوں گا۔"

"اوہو.... ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔ بھلا کار میں اُلو چھوڑنے کا کیا مقصد ہو سکتا....!"

"ایک لایعنی سی بات! زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کیلئے ایسا کیا گیا ہو"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک دوسری گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ اُس پر سے اترنے قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ چند لمحے گاڑی کے قریب کھڑا حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آج تمہاری اور اپنی ایق کر دوں گا۔"

"یہ کیوں آیا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"دیکھئے جناب۔" قاسم آگے بڑھ کر بولا۔ "میں پاگل ہوا جا رہا ہوں۔"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔" حمید اندر جانے کے لئے مڑا مگر قاسم نے جھپٹ کر اُس کا ہا پکڑ لیا۔

"ڈاکٹر کی ایسی کی تیسی۔" وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "وہ خط ابا کے پاس قیسے پہنچا تھا۔"

"کیسا خط....!" حمید بھی آنکھیں نکال کر بولا۔ "ارے دفع ہو جاؤ۔ میں اس وقت دوسرا خط نہیں لکھوا سکتا۔ جتنے لکھوا دیئے ہیں انہیں زبانی یاد کر لو۔"

"اے.... اے سیدھی طرح بات کرو۔ تم نے وہ خط ابا جان کو بھیجا تھا۔"

"کون سا خط۔"

"کون سا خط۔ اے وہی جس میں لکھوایا تھا.... نور چشمی جان بہار سلمہا السلام علیکم اور قون سا

"نور چشمی جان بہار سلمہا۔" فریدی ہنس پڑا۔

"ہے نا بے قوفی کی بات۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "قیوں حمید صاحب۔ جب میں نے کہ نور چشمی قیوں لکھواتے ہو تو پھرمایا تھا ممکن ہے چشمہ لگاتی ہو۔ میں نے کہا تھا نہیں یہ تو لڑ لکھتے ہیں۔"

"اے تو کیا تم کسی بوڑھیا کو لکھ رہے تھے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

ہم چھا بیٹا! سلمہا کسے کہتے ہیں۔" قاسم نے لچک کر پوچھا۔

"ہاں یہاں ضرور غلطی ہو گئی تھی۔ دراصل شلجمہا لکھوانا چاہئے تھا۔"

"ٹھینگا لکھوانا چاہئے تھا۔ میں کہتا ہوں تم نے میرے باپ کو وہ خط کیوں بھیج دیا۔"

"باپ کو.... وہ خط.... کیا کہہ رہے ہو۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔ "اُف فوہ۔ تو کیا ایسا خط تمہارے باپ کے پاس بھی پہنچا ہے میں سمجھ گیا۔"

"قیا سمجھ گئے۔"

"کھلا.... یہ یقیناً تمہاری کسی سالی کی حرکت ہے۔"

"نہیں تم سالے کی حرکت ہے.... اللہ قرے مر جاؤ۔"

"اگر میری ہی حرکت ہو تو اللہ کرے ضرور مر جاؤ.... ہاں۔"

"کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پھر دخل دیا۔

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کوئی پھاٹک سے گذر کر نیم تاریک کمپاؤنڈ میں ہوا اور کتے بھونکنے لگے۔ شائد رکھوائی کا ایک السیشین کھلا ہوا تھا۔ وہ غرا کر جھپٹا۔

"ارے بچاؤ۔" چیخ کسی عورت کی تھی۔

"ٹیری.... ٹیری۔" فریدی نے کتے کو آواز دی اور خود بھی آگے بڑھا۔

"امے بچاؤ۔" قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

لیکن حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد جب وہ روشنی کی حد میں داخل ہوئے تو حمید کو کے ساتھ ایک برقعہ پوش عورت نظر آئی۔

"تم جا کر اپنی گاڑی دیکھو۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ عورت کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا وہ حمید کے قریب ہی سے گذرتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔ فریدی اُس کے ساتھ تھا۔

قاسم نے حمید کی طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ "امے پاکر اندر لے گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی پر تاؤ کھانے کا یہی وقت تھا۔

"بڑے پارسا بنتے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ "کیا یہ کھالا جان تھیں۔"

"مت بکواس کرو۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"قروں غا..!" قاسم ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنی آنکھ میں شمشیر دوسرے کی ڈاڑھی
حمید کو ہنسی آ گئی۔ کیونکہ قاسم کے ذہن میں کئی کہاوتیں گڈ مڈ ہو گئی تھیں غالباً وہ کہ
کہ اپنی آنکھ میں شہتیر نہیں نظر آتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آ جاتا ہے۔ شہتیر کی
اور تنکے کے تصور کے ساتھ ہی چور کی ڈاڑھی یاد آ گئی۔

"اے تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔" حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "چا
کرالاؤں۔"

"نہیں قرتے تفریح! تم بتاؤ..... میرے باپ تو.....!"

حمید اس وقت قاسم سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گاڑی وہ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل کی
چھوڑ آیا تھا۔ اُسے جلد ہی واپس آنا تھا اور اب تو جلد واپسی اشد ضروری ہو گئی تھی کیونکہ
دانست میں فریدی نے اس وقت اُسے ٹالنے ہی کی کوشش کی تھی۔

وہ تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھا۔ ٹیکسی اُس نے پھاٹک کے باہر ہی رکوائی تھی۔

"اے میں جہنم میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔" قاسم ہاتھ ملا کر چیخا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید کی ٹیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اور ہونٹوں
کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس وقت قاسم اُسے بہت شدت سے کھل رہا تھا کیونکہ اُس کے ذہن
پوش عورت کے تصور کے علاوہ اس وقت اور کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

وہ کون تھی! ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان فریدی سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ سوچ
ہوتا رہا۔ آخر فریدی نے اُسے اس طرح کیوں ٹال دیا تھا؟

اس نے پھر مڑ کر دیکھا قاسم کی کار بدستور تعاقب کر رہی تھی۔ آخر اُس نے ڈرائیو
کا ایک نوٹ دیتے ہوئے ہدایت دی کہ وہ ٹیکسی کسی گلی میں موڑ کر رفتار بہت کم کر دے۔

قاسم کو ڈاج دیئے بغیر چھٹکارا ناممکن تھا۔ گلی اس جگہ سے قریب ہی تھی جہاں حمید
گاڑی چھوڑی تھی۔

"میں اتر جاؤں گا اور تم سیدھے نکلے جانا۔ سمجھے۔" اُس نے ڈرائیور سے کہا۔

"بہت اچھا جناب۔" ڈرائیور نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "یہ چینج واپس لیجئے

"رکھو..... رکھو.....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن ڈرائیور بہ پشت نگاہ سے تک

ہاتھ سر سے اونچا کر کے پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیا۔ دفعتاً کوئی لجلجی سی چیز حمید کی پیشانی پر
پر چھپی اور اس کی آنکھوں میں بڑی شدید قسم کی جلن ہونے لگی۔

"ارے..... یہ..... یہ.....!" اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کچھ کہنا چاہا۔ منہ کھلا اور ایسا
ہوا جیسے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو اور پھر اُس کا سارا وجود محض مرچوں کی
بن کر رہ گیا..... جلن..... جلن..... تپش..... آگ۔

پھر اُسے ہوش ہی نہ رہا کہ کچھ یاد رکھ سکتا۔



مردوں سے شرط باندھ کر سونے والی بیہوشی تو تھی نہیں کہ میدان حشر ہی میں ہوش آتا۔
آیا اور اس طرح آیا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔ نہ تو ذہن پر کسی قسم کا بار تھا اور نہ آنکھوں
سامنے دھندلاہٹ ہی تھی۔ تازگی کا یہ عالم تھا جیسے جی بھر کے سویا ہو۔ ہوش آنے کے بعد
خوشگوار منظر پر بھی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

وہ ایک سجی سجائی خواب گاہ تھی جس کی مسہری پر اُسے ہوش آیا تھا۔

سب سے پہلے اُس کا ہاتھ کوٹ کی جیب پر پڑا۔ ریوالور غائب تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور
پہن کر تیزی سے بند باندھنے لگا۔

"ارے ایسی بھی کیا جلدی۔" پشت سے آواز آئی اور حمید اچھل پڑا۔

ڈریسنگ الماری کے قریب ایک دراز قد آدمی نظر آیا جس کی آنکھوں پر تاریک اور معمول
سے بڑے شیشوں کی عینک تھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہ گئے تھے۔

حمید اُسے ایسی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے موقعہ ملتے ہی جھپٹ پڑے گا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔" بالآخر اس نے غرا کر پوچھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے تمہارے باس ہی کی موجودگی میں گفتگو
گا۔" جواب ملا۔

"کیا تمہارا اشارہ کرنل کی طرف ہے۔"

"ہاں! میں نے اُن سے استدعا کی ہے کہ وہ تشریف لا کر مجھے شکریہ کا موقع دیں۔"

"کیا مطلب.....!"

"وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ میں بیک وقت کئی جانب سے حملہ کرنے کا قا
تاکہ اگر ایک ناکام ہو تو دوسرا ہی بار آور ہو سکے۔ وہ بھی نہیں تو تیسرا.... لیکن میرا د
دوسری طرف سے کیا ہوا حملہ یقیناً کامیاب ہوگا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"پہلا حملہ تو وہ تھا کہ تم نے اپنی کار میں اُلو دیکھا اور تمہیں پچھلے پڑھے ہوئے سار
ناول بیک وقت یاد آگئے۔" گھنی مونچھوں والے نے قہقہہ لگایا۔ "سنسنی.... س
وہی حرکت سرزد ہوئی جس کی توقع تھی۔ تم نے اپنی گاڑی وہیں کھڑی رہنے دی اور کر
کو اطلاع دینے دوڑے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تم وہی ٹیکسی استعمال کر
پہلے ہی سے تمہاری منتظر تھی اگر کرنل بھی اسی ٹیکسی پر تمہارے ساتھ ہی آجاتا تو
میں نے سوچا کہ کرنل بہت بڑا آدمی ہے۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک۔ اس لئے اس
سے بھی حملہ کرانا چاہئے۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا لیکن وہ لڑکی اُسے ضرور لائے گی

"پہلے بھی کبھی کرنل سے سابقہ پڑ چکا ہے۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز
پہلی بار یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا

"اچھی بات ہے۔ تو منتظر رہو۔" حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تمہیں یقین ہی نہ ہو کہ میرا دوسرا حملہ کامیاب

"اگر تم نے پہلی بار یہ سعادت حاصل کی ہے تو کچھ ہی دیر سہی خوش فہمی میں ضرور

"خیر.... ختم کرو۔" دراز قد آدمی نے کہا۔ "ہم کھانے کی میز پر کرنل کا انتظار
آؤ میرے ساتھ۔"

"اچھی بات ہے تو پھر میں بھی یہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کروں گا۔ تم تو
معلوم ہوتے ہو۔ کرنل میری دعوت کبھی نہ ٹھکراتا۔"

"سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" حمید نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا
اور کیا چاہتے ہو۔"

"مثلث اور دائرے کے چکر میں بہتیرے ہیں۔ مجھے بھی اُن میں سے ایک سمجھ لو

"اوہ.... تو پھر....!"

"کچھ نہیں! اس گفتگو کے لئے کرنل کی موجودگی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم نے دائرے اور مثلث کے ساتھ اُلو کا حوالہ نہیں دیا۔"

"مجھے اُلوؤں سے دلچسپی نہیں ہے۔" اُس نے لاپرواہی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

حمید پھر اس نقاب پوش عورت کے متعلق سوچنے لگا جسے فریدی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ کیا وہی عورت تھی جس کا حوالہ ابھی ابھی اس آدمی نے دیا تھا؟ تو کیا فریدی سچ مچ کسی جال میں پھنس گیا ہوگا؟

"کیا سوچنے لگے۔" دراز قد آدمی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ تمہیں.... خیر.... ہٹاؤ جانے دو! تم خفا ہو جاؤ گے۔ بات یہ ہے کہ میں اُس برقعہ پوش لڑکی کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ ویسے آواز تو بڑی دلکش تھی۔"

"وہ خود بھی بڑی دلکش ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی مقامی لڑکی ہے۔"

"لڑکیوں کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ وہ تو کائناتی ہوتی ہیں۔ کبھی بادلوں سے جھانکتی ہیں۔ کبھی چاند اور ستاروں میں بیٹھ کر ستار بجاتی ہیں۔ مگر آج کل ناخن بڑھانے لگی ہیں اس لئے روٹیاں نہیں پکا سکتیں۔"

"شاعر بھی ہو اور مسخرے بھی۔ لیکن کیا یہ بے حیائی کی زندگی نہیں ہے۔"

"اتنی بڑی بڑی مونچھیں رکھ کر لڑکیوں سے حملہ کرانا یقیناً بے حیائی کی زندگی ہے۔"

"تمہاری زبان گھونسے کی طرح چلتی ہے۔"

"مگر افسوس کسی کا سر نہیں توڑ سکتی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ویسے تم نے بے حیائی کی زندگی کا حوالہ کن معنوں میں دیا تھا۔"

"تم دونوں کی موجودہ پوزیشن۔ کیا تم اپنے محکمے میں حقیر ہو کر نہیں رہ گئے۔ اب اعلیٰ حکام کو تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔"

"ہوہ....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تو تم محض ایک مجرم ہی نہیں بلکہ غدار بھی معلوم ہوتے ہو۔"

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" دراز قد آدمی غرایا۔

"کام ہو گیا باس۔" ایک آدمی نے دروازہ کھول کر کہا۔

"ٹھیک....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ کیپٹن! ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں گے۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا۔ کیا وہ فریدی کو بھی پھانس لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کیا وہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ وہ سوچتا ہوا غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دراز قد آدمی خاموشی سے چل رہا تھا۔ اس وقت حمید چاہتا تو بہ آسانی اس پر حملہ کر لیکن یہ دیکھے بغیر کہ فریدی کس حال میں آیا ہے وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ اقدام نہیں کرنا چاہتا ہال میں پہنچ کر دراز قد آدمی رک گیا۔ یہاں چار آدمی پہلے ہی سے موجود تھے اور ز ایک جگہ ایک بڑا سا بنڈل پڑا ہوا تھا۔

حمید بوکھلا گیا کیونکہ اُسے اس بنڈل پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے نظر آئے تھے۔

"او گدھو! تم نے ابھی تک اُسے اس تھیلے سے نکالا بھی نہیں۔" دفعتاً دراز قد آدمی ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر گھٹن کی وجہ سے مر گیا ہو تو۔"

پانچوں آدمیوں نے بڑی تیزی سے بنڈل کھول ڈالا۔ لیکن بنڈل سے برآمد ہونے د نظر پڑتے ہی دراز قد آدمی کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔ "یہ کون ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی۔ یہ فریدی نہیں تھا۔ پانچوں آدمیوں کے چہروں پر ہوائیاں لگی تھیں۔

"یہی.... تت.... تو.... میں سوچ رہا تھا۔" ایک آدمی ہکلایا۔ "سوچ رہا تھا کہ ڈر رہ گیا۔"

"گدھو! تم اپنے ہی ایک آدمی کو زخمی کر کے تھیلے میں ٹھونس لائے ہو۔" دراز قد آدمی پھر

"اندھیرا.... باس.... اندھیرا.... ہمارا قصور نہیں ہے۔"

"اندھیرے کے بچے میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ کتیا کہاں ہے؟"

حمید اب ہر قسم کے خطرات کا سامنا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کچھ کر گز کے لئے اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اُس نے چپ چاپ ایک کرسی اٹھا کر اس زور دراز قد آدمی کی کمر پر رسید کی کہ وہ توازن کھو بیٹھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے دو آدمی بھی سمیٹتا ہوا فرش پر ڈھیر نظر آیا۔ حمید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اگر وہ نہتا نہ اس طرح کبھی نہ بھاگتا۔ بہر حال وہ ابھی دوسرے ہی کمرے میں پہنچا تھا کہ پوری عمارت ت

گئی اور بیک وقت کئی چیخیں سنائی دیں۔ ان میں شاید ایک فائر کی آواز بھی شامل تھی۔

حمید ایک گوشے میں رک گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر فریدی نے دھوکا نہیں کھایا تو یہاں تک پہنچنا بھی اُس کے لئے مشکل نہ ہوگا۔

ویسے وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ لیکن اُس کمرے سے کوئی بھی نہیں گزرا جس میں حمید تھا۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ شائد وہ اس کمرے سے گذر کر باہر نہ پہنچ سکے۔

اس نے پھر آوازوں کی طرف کان لگا دیئے۔ لیکن اب وہاں سناٹا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پوری عمارت تاریک ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ مین سوئچ آف کر دیا گیا ہے۔ مین سوئچ کہاں ہوگا؟ لیکن مین سوئچ کے چکر میں پڑنا فضول ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اس طرح کسی دوسرے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا۔

دروازے سے گذرتے وقت اُس نے ایک ہلکی سی آواز سنی اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اندھیرے کی وجہ سے اندازہ کرنا دشوار تھا کہ اب بھی وہ کسی کمرے ہی میں ہے یا کسی راہداری میں۔ وہ دوبارہ آہٹ لینے لگا۔ پہلی بار اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ آواز کس قسم کی تھی۔

آواز پھر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی فرش پر آہستہ آہستہ کھسک رہا ہو۔ پھر اُس نے ہلکی سی کراہ سنی جو غالباً شدت تکلیف ہی کا نتیجہ تھی۔ فرش سے لباس کی رگڑ کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

حمید نے سانس روک لی۔ یقینی طور پر کھسکنے والا قریب ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ دم لینے کے لئے رکا ہو۔

ٹھیک اُسی وقت ٹارچ کی روشنی کا بڑا سا دائرہ کمرے میں رینگ آیا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ کسی لڑکی ہی کی چیخ تھی جس نے اُس کے کان پھاڑ دیئے تھے ٹارچ کی روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لڑکی پر ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے دوسرے دروازے میں چھلانگ لگائی۔

"ٹھہرو.... میں ہوں۔" یہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید بے تحاشہ پلٹ پڑا۔



زخمی لڑکی

فریدی کے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی اور داہنے میں ریوالور۔

حمید احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ لڑکی گھسٹتی ہوئی دیوار گئی تھی اور اب شائد کوشش کر رہی تھی کہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ سکے۔

روشنی کا دائرہ اب بھی اسی پر تھا۔ اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ شائد وہ جوا ہوئے ذہن ہی کو قابو میں رکھنے کے لئے بار بار آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اس کے خدوخا تھے۔ حالانکہ وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ لیکن خوف بھی اُس کے چہرے کی دلکشی پر کو نہیں ڈال سکا تھا۔

"کیا وہ نکل گئے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"پھر بتاؤں گا۔ بہر حال میں قیدی تھا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اٹھو....!" فریدی نے لڑکی سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب د یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے داہنے بازو پر زخم تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔

"وہ لوگ کہاں گئے؟"

"میں نہیں جانتی جناب۔ قطعی نہیں جانتی یقین کیجئے۔ مجھے گرفتار کر لیجئے۔ میں نے دھوکا دیا تھا۔"

"تمہاری گرفتاری سے کیا فائدہ۔ نہیں تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ "مجھے گرفتار کر لو۔"

"کیوں.... کیا وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

"چلئے! نکلئے یہاں سے۔ ورنہ وہ واپس بھی آ سکتے ہیں۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی نے کہا اور ٹھیک اُسی وقت کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔

"دیکھئے....!" حمید چیخا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ چند لمحے لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید سے بولا۔

"ہاں تم یہاں کیسے آ پھنسے تھے۔"

"میں کہتا ہوں اتنے اطمینان سے یہیں رکے رہنے میں کون سی مصلحت ہے۔"

"پھر کہوں گا کہ اپنے ذہن کو ان اُلجھنوں میں نہ ڈالو۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔"

حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی بپتی دہرائی اور فریدی ہنسنے لگا۔

"بھلا اس میں ہنسنے کی بات ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"کچھ نہیں! خواہ مخواہ انگارے نہ چباؤ۔ ذرا اس بیچاری کو دیکھو۔ اس کا بازو زخمی ہے۔"

"دیکھ رہا ہوں.... پھر کیا چاہتے ہیں آپ۔"

"وہی جو یہ چاہتی ہے۔"

"اُس درندے نے مجھ پر فائر کیا تھا۔" لڑکی کراہی۔

"اوہ.... تو کیا یہ گولی لگی ہے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"پتہ نہیں! مجھے یاد نہیں کہ گولی لگی تھی.... یا کچھ اور.... اندھیرا ہو گیا تھا۔"

"اندھیرا کیسے ہوا تھا۔"

"وہ.... وہ....!" لڑکی رہ رہ کر آنکھیں پھاڑتی ہوئی بولی۔ "میرا.... سس.... سر.... رارہا ہے.... مم.... مم.... میں....!"

اس کی گردن بائیں شانے پر جھول گئی۔ آنکھیں قطعی طور پر بند ہو چکی تھیں اور وہ گہری ری سانسیں لے رہی تھی۔

"غالباً بیہوش ہو گئی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اسے ٹاؤ۔"

"کمال ہے.... یعنی کہ میں.... یعنی کہ اتنی خوبصورت لڑکی۔"

"اٹھاؤ.... اور میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

طوعاً و کرہاً حمید نے یہ خوشگوار فرض ادا کیا۔ فریدی ہی کی رہنمائی میں وہ عمارت کے باہری ے میں پہنچا۔ یہ ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔

"ارے تو آپ نے تلاشی بھی نہیں لی۔" اُس نے فریدی سے کہا۔

"سب کچھ ہو رہا ہے فکر مت کرو۔"

جیپ کار سڑک پر کھڑی تھی۔ حمید نے لڑکی کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔

"اسے کہاں لے چلیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"پولیس ہسپتال....!"

"غلطی کریں گے آپ! نہیں میری دانست میں تو یہ مناسب نہیں ہے۔"

"فکر مت کرو۔ تم خواہ مخواہ ان الجھنوں میں پڑتے ہو۔"

"آپ وہاں بتائیں گے کیا۔"

"یہی کہ ہمیں سڑک پر بیہوش پڑی ملی تھی۔"

"کیا عقلمندی ہے اس میں۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ لڑکی ہمارے لئے کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر متعلق صحیح بیان دے دیا گیا تو یہ حوالات میں ہو گی۔"

"اوہ.... تو اسے آپ ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"بہت دیر میں سمجھنے لگے ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری عقل کو۔" فریدی نے متحیرانہ لہج

بھوک کے مارے حمید کا دم نکلا جا رہا تھا۔ اس لئے اُس نے بحث وہیں ختم کر د

بھوک کے عالم میں بکواس کرنے سے سارا زور خالی معدے پر پڑتا ہے اور قلب الٹنے لگتا

پولیس ہسپتال پہنچ کر وہ باہر جیپ ہی میں بیٹھا رہا تھا اور فریدی بیہوش لڑکی کو اسٹر کر اندر لے گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد اُس کی واپسی ہوئی اور اُس نے بتایا کہ لڑکی کو ہوش نہیں آیا۔

"تو پھر آپ نے بیان بھی نہ دیا ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں بیان دینے میں کون سی دشواری تھی۔"

"دیکھئے بھوک کی حالت میں مجھے زبان پر قابو پانا دشوار ہو جاتا ہے۔" حمید نے جھلا

"اس جھلاہٹ کی وجہ.... فرزند....!"

"وہ ہوش میں نہیں تھی۔ آپ یہ فرما کر چلے آئے کہ کسی سڑک پر بیہوش ملی تھ اُس نے ہوش میں آکر کوئی دوسری بکواس کر ڈالی تو کیا ہو گا۔"

"مجھے پھانسی ہو جائے گی اور وہ ستار بجائے گی۔ اس کی بھی پرواہ نہ کرو۔ آہا تم نے ابھی تک نہیں پوچھا کہ میں اچانک وہاں کیسے آپہنچا تھا۔!"

"مجھے علم ہے کہ وہ برقعہ پوش عورت....!"

"ٹھیک! وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی اور اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آرٹسٹ نصیری کی سیکریٹری ہے۔ پچھلی رات وہ اپنے فلیٹ میں سو رہی تھی کہ کھڑکی توڑ کر تین چار نقاب پوش اندر گھس ئے۔ انہوں نے اُسے اٹھا لے جانا چاہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت دو تین نقاب پوش اور پہنچے اور اُن درمیان اچھی خاصی جنگ چھڑ گئی۔ اسی دوران میں اُسے اپنے فلیٹ سے نکل بھاگنے کا موقع گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونے والی ہے۔ پھر اس نے ری کے متعلق کچھ ایسی باتیں بتائیں کہ ذوق تجسس جھنجھوڑے بغیر ہی جاگ اٹھا۔ مثال کے ر اُس نے بتایا کہ وہ نصیری کو مجسمہ ساز کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی وہ اُسے کوئی اسکالر تی تھی۔ اُس نے ایک عمارت کا نام لیا تھا کہ وہ اس میں نصیری کے کتب خانے کی دیکھ بھال ی تھی اور اس کی ڈاک وصول کرتی تھی۔ تیسرے چوتھے دن نصیری بھی وہاں جاتا تھا اور وہ ے ڈاک دیکھنے میں مدد دیتی تھی۔ عمارت کی کنجیاں اس کے پاس ہی تھیں۔ جو اُس نے بے چوں و میرے حوالے کر دیں۔ مگر میں اُسے بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ خائف ۔ لیکن پھر ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس تاریک عمارت میں پہنچ کر تنہا رہ گیا ہوں۔ وہ اندھیرے میں کسی دوسری طرف کھسک گئی تھی۔ پھر چند آدمی مجھ پر ٹوٹ ے۔ اندھیرے کی وجہ سے میں انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا اور انہوں نے میرے وکے میں اپنے ہی ایک آدمی کو مار لیا۔ شاید اندھیرے ہی میں اُسے تھیلے میں بھی ٹھونسا گیا تھا۔ ہر ہے کہ اُس کے بعد میں نے ان لوگوں کا تعاقب ضرور کیا ہو گا۔ لیکن بالآخر وہ نکل ہی گئے۔ گھر ے چلتے وقت میں نے جن لوگوں کو فون کیا تھا وہ ذرا دیر سے پہنچے تھے ورنہ وہ لوگ نکل نہ سکتے۔"

"محکمے کے آدمی تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"بلیک فورس....!"

"ظاہر ہے۔"

"کب میری سمجھ میں آئے گی یہ بلیک فورس۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔ جیپ کار اب کوٹھی ہی کی طرف جارہی تھ

"دوسری بات۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "جانتے ہو وہ لڑکی کون تھی۔"

"بلجیم کی شہزادی۔"

"بُری طرح جھلائے ہوئے ہو۔" فریدی ہنس پڑا۔ "وہ لڑکی وہی ہے جسے ابھی ہم
ہسپتال میں چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"نہیں....!" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... وہی ہے۔"

"اور آپ نے اُسے اس طرح....!"

"ہاں.... آں۔" فریدی نے بات کاٹ دی۔ "میں دراصل اس وقت کے ڈرا
مطمئن نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ مجھے ایسا ہی لگا ہے جیسے میں نے کسی ڈرامے کے ریہر
حصہ لیا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کل تک سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "اوہ ابھی تمہاری گاڑ
ہو گی جہاں تم نے چھوڑی تھی اور میرا خیال ہے کہ تمہارا اُلو اب تک کافی مشہور ہو چکا ہوگا
تعجب نہیں کہ بات ہمارے ایس پی صاحب تک بھی پہنچ گئی ہو اور ہمیں اس سلسلے میں باقاعد
پر جواب دہی کرنی پڑے۔"

فریدی کا خیال غلط نہیں تھا۔ حمید تقریباً آٹھ بجے اپنی گاڑی کانسٹیبل کی تحویل میں د
فریدی کے پاس پہنچا تھا اور اب ڈھائی بج رہے تھے۔ کانسٹیبل نے دو گھنٹے بعد ہی قریبی تھا
اس کی اطلاع بھجوادی تھی۔ وہاں سے بات محکمہ سراغ رسانی کے ایس۔ پی تک پہنچی تھی۔
مگر کار جہاں چھوڑی تھی وہیں ملی۔ البتہ اب کوئی دوسرا کانسٹیبل اس کی نگرانی کر رہا
ساری باتیں اُسی سے معلوم ہوئی تھیں اس نے بتایا کہ ایس۔ پی نے بذات خود آکر حمید کی گا
جائزہ لیا تھا اور اُسے ایک تحریر دے گیا تھا جو حمید کے نام تھی اور جس میں کہا گیا تھا کہ جب
وقت بھی کار کانسٹیبل کی تحویل سے واپس لینے وہاں پہنچے اُسے چاہئے کہ وہ ایس۔ پی سے ملے

لمرنہ جائے۔ واپسی خواہ کسی وقت ہو۔

"کیا خیال ہے....؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا مجھے تنہا جانا پڑے گا۔"

"ظاہر ہے۔"

"مگر میں کہوں گا کیا۔"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ یوں بکواس کر کے دوسروں کی کھوپڑیاں بھی خالی کر دیتے ہو۔"

"خیر میں سمجھ بوجھ لوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اُلو اب بھی کار ہی میں موجود تھا۔" حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔

"غیرت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ تم آج ہی سے اُلو پروری شروع کر دو۔" فریدی نے
کرا کر کہا۔

"آخر ہم لوگوں کو پھانسنے کی کوشش کیوں کی گئی۔" حمید نے بات اڑادی۔

"غالباً وہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لوگ نصیری تک کیوں جا پہنچے تھے، ظاہر ہے کہ کسی کو
ی خاص بات کے ظاہر ہو جانے کا خدشہ تھا اسی لئے نصیری قتل کر دیا گیا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ یک بیک اُس کے قدم کیفے شبانہ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ اسی سڑک پر تھا اور
ات بھر کھلا رہتا تھا۔

"ٹھہرو بھئی! میں چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ لیکن کیفے میں
چ کر اُس کا رخ کسی میز کی بجائے کاؤنٹر کی طرف تھا۔

کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون پر اُس نے پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے۔ حمید ایک میز پر جم
یا تھا اور اس انداز میں ویٹر کو ہدایات دے رہا تھا جیسے آج کیفے کی بچی کھچی ساری چیزیں اس کے ہی
یٹ کا ایندھن بنیں گی۔ فریدی تقریباً تین منٹ تک فون پر گفتگو کرتا رہا پھر وہ بھی میز پر چلا آیا۔

"ہوش آیا اُسے۔" حمید نے پوچھا۔

"آچکا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اور تمہیں حیرت ہو گی کہ میرے اور اُس کے بیان میں سرمو
رق نہیں ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"اُس نے یہی بتایا ہے کہ وہ ریگل اسٹریٹ سے گذر رہی تھی کہ ایک تیز رفتار موٹر اُس کے قریب سے گذری۔ دھکا لگا اور وہ دور جا گری۔ اس کے بعد اُسے ہوش ہی نہیں ر

"بازو کے زخم کے متعلق کیا بتایا۔"

"وہ تو کچھ بھی نہیں بتا سکی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زخم کسی دھار دار آلے کا ہے۔"

"آپ نے بھی ریگل اسٹریٹ ہی کا نام لیا تھا۔"

"ہاں۔ دیکھو۔ میں نہ کہتا تھا کہ اس کی فکر نہ کرو۔ عموماً وہی ہوتا ہے، جو میں چاہتا ہوا

"میں اس وقت زیادہ اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ فی الحال میرا ذہن معدے ؟ ہے۔" اُس نے ویٹر کی لائی ہوئی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے ہال میں نظریں دوڑائیں اور پھر سیدھا ہو کر کرسی سے ٹکتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات اُس پُراسرار گاڑی سے ہم پر فائر ہوئے تھے لیکن ایک بھ تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ حالانکہ ہم پوری طرح روشنی میں تھے۔ ہماری گاڑی کا بھی وہی ح نہیں ہوا جو دوسری کا ہوا تھا اور وہ لڑکی جو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ملی تھی ہو سکتا ہے کہ ذہن میں کوئی دوسری اسکیم رہی ہو۔ لیکن تمہاری زبان سے لفظ اُلّو سن کر وہ بوکھلا گئی تھ کے ساتھی بھی اتنے ہی خوفزدہ ہو گئے تھے کہ پھر اُن سے وہاں نہیں ٹھہرا گیا تھا۔ کار کے میں کام آنے والوں میں سے ایک کی جیب سے صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا تھا، ج مثلث اور دائرے کے کھڑاگ کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کہانی بڑے ڈرامائی انداز میں سیٹ کی گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دو پارٹیاں ہیں حمید صاحب۔ اُن میں سے ایک ڈاکٹر داؤد کی قاتل ہو سکتی ہے۔"

"اتنا تو میری سمجھ میں آ گیا ہے ظاہر ہے کہ اُس کار کی تباہی اسی کی طرف اشارہ کرتی

"ایک پارٹی سے اس وقت بھی ہماری مڈبھیڑ ہو چکی ہے۔"

"چلئے یہ بھی تسلیم ہے۔"

"لیکن یہ پارٹی حقیقتاً ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتی ہے۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ۔"

"اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمہاری گاڑی میں اُلّو کی بجائے ٹائم بم رکھا جاتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مجھ پر اندھیرے میں حملہ کر کے اپنا ہی ایک آدمی نہ مار گرایا جاتا۔ تم کہتے ہو کہ وہ تھیلا تمہاری موجودگی میں ہی کھولا گیا تھا اور لمبے آدمی کو اچانک اپنے ساتھیوں کی حماقت کا علم ہوا تھا۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی حقیقت ہوتی تو وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ اتنی فاش غلطی کا احساس ہوتے ہی انہیں بوکھلا جانا چاہئے تھا لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ بہت اطمینان سے فرار ہوئے تھے۔ یعنی اپنے بیہوش ساتھی سمیت نکل گئے تھے۔ یقین کرو کہ اگر وہ فرار بھی اُن کی اسکیم ں پہلے ہی سے شامل نہ ہوتا تو وہ بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ میں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہارا بیان ہے کہ تم نے فائر ی آواز بھی سنی تھی۔ لیکن لڑکی کا زخم گولی کی بجائے کسی دھار دار آلے کی کہانی سناتا ہے۔ پھر ائر کا مقصد کیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے لڑکی ہی پر فائر کیا ہو۔" حمید نے کہا۔ "ضروری تو نہیں تھا کہ ولی لگ ہی جاتی۔"

"ہاں ضروری نہیں تھا لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ بھی میرا ہی بیان دہرا دے اور اتنی صفائی کے ساتھ کہ ایک لفظ کا بھی فرق نہ پڑنے پائے۔"

"اس پر البتہ غور کیا جا سکتا ہے۔" حمید نے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جیل میں رہنے کی بجائے ہماری نگرانی میں رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔"

"اور وہ حقیقتاً بیہوش بھی نہیں تھی.... کیوں؟"

"اگر ہوتی تو میرا بیان من و عن کیسے دہرا سکتی۔"

"حالانکہ پہلے اُس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ بس وہ کسی طرح بچ ہی گئی اور اب صرف جیل ہی میں رہنا چاہتی ہے جہاں وہ اُن لوگوں کے انتقام کا شکار نہ ہو سکے۔" حمید نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"حالات کسی سمت بھی نہیں لے جاتے۔" کچھ دیر بعد حمید بڑبڑایا۔

"نہ لے جاتے ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "بہر حال

اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے محض اسی لئے اسٹیج کیا گیا تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کرکے
پارٹی یہ کیوں چاہتی ہے۔ اسے البتہ دیکھنا پڑے گا۔"

"کیا یہی پارٹی داؤد اور نصیری کی قاتل بھی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

یک بیک حمید نے بوکھلا کر چائے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ کیونکہ اُن کے محکمے کا ایس۔
میں داخل ہوا تھا۔ وہ اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

وہ دونوں اٹھ گئے۔

سرخ روشنی

فریدی نے اس کی آمد پر حیرت ظاہر کی اور پھر جلدی سے بولا۔ "تشریف رکھئے جناب

"نہیں! میں باہر ہی انتظار کروں گا۔" ایس۔ پی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہم چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے.... او
کاؤنٹر پر پیسے ادا کرنے لگا۔ اُسے بہت زور سے غصہ آیا تھا۔ لیکن یہاں تو اپنی ہی بوٹیاں نو
بھی موقع نہیں تھا۔

فریدی اور ایس پی فٹ پاتھ ہی پر ملے۔ ایس پی کہہ رہا تھا۔

"یہ کیسا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے آپ لوگوں نے۔"

"ہنگامہ....!" فریدی مسکرایا۔ "ہم تو ہمیشہ ہنگاموں سے دور رہنے کی کوشش کرتے
لیکن ہنگامے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ کا اشارہ حمید کی کار میں پائے جانے والے
طرف ہے تو یہ ایک مجبوری تھی اس بیچارے کو اپنی گاڑی میں ایک سنسنی خیز چیز نظر آئی اور
اطلاع دینے چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں گاڑی کسی نہ کسی کی نگرانی ہی میں چ
پڑتی.... بہر حال میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی اور حمید کو واپس جانا پڑا۔ اُس کے
دوسرے واقعات پیش آئے۔"

فریدی حمید کی گرفتاری کے واقعات دہراتا رہا۔ حمید متحیر تھا کہ آخر یک بیک فریدی

اسکیم بدل کیوں دی۔

حمید کی کہانی بیان کر کے وہ اپنی داستان بھی دہرانے لگا۔ جس میں لڑکی کا تذکرہ ضروری تھا۔
بھی ہو لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی پولیس ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ بس کہانی اُسی
ختم ہو گئی تھی جہاں سے وہ نامعلوم افراد فرار ہوئے تھے۔

"تو کیا اس کا تعلق نصیری کے قتل سے بھی ہو سکتا ہے۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے نصیری غلطی سے قتل ہو گیا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"گولی مجھ پر چلائی گئی ہو۔ نشانہ خطا کرنے کی بناء پر نصیری زد میں آ گیا ہو اور حملہ آور نے
م ہونے پر اب میرے لئے باقاعدہ طور پر کوئی جال بچھایا ہو۔"

ایس۔ پی اُسے اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر داؤد اور
ری گہری دوست تھے اور ڈاکٹر داؤد بھی ایک اچھا مجسمہ ساز تھا۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

دفعتاً ایس۔ پی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے فریدی کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
آپ نے مجھے پورے واقعات بتائے ہیں۔"

حمید نے فریدی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ لیکن اسے فریدی کی آنکھوں میں سکون ہی
نظر آیا۔ غصے کی ہلکی سی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے کچھ نہ کچھ صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا مناسب سمجھا ہو!"

"کیا مطلب....!" ایس۔ پی کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"جی ہاں! اکثر مجبوراً اس کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟"

"یہ میرے لئے ایک افسوس ناک اطلاع ہو گی کہ اب میری ہوشمندی پر بھی شبہ کیا جانے
ہے۔"

"بہت زیادہ اڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا کیا انجام ہو گا۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا جناب۔"

"پولیس ہسپتال میں آپ نے جس لڑکی کو داخل کیا تھا اب اس نے اپنا بیان تبدیل کر

"اوہ....!" حمید نے طویل سانس لے کر پلکیں جھپکائیں۔

لیکن فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "مجھے علم تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔"

"اور غالباً یہ بھی جانتے ہوں گے کہ صبح آپ کو معطلی کا پروانہ مل جائے گا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے اپنے بیان میں کس قسم کی تبدیلی کی ہوگی۔"

"آپ نے اُسے غلط بیان دینے پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے آپ سے درخواست کی تھی گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے ورنہ وہ خود بھی قتل کر دی جائے گی۔ کیا کہنا چاہتے ہیں سلسلے میں۔"

"ظاہر ہے کہ اب میں کیا کہہ سکوں گا۔"

"آخر آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

"بہتر ہے۔" ایس۔ پی غرایا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

فریدی اور حمید وہیں کھڑے رہے۔ جب ایس۔ پی کی گاڑی چلی گئی تو حمید نے اپنی ہاتھ مار کر کہا۔ "معطلی کی نوبت آگئی۔"

"پرواہ مت کرو۔ اب تم مجھے اُس آدمی کے متعلق بتاؤ جو اس ہنگامے کا ذمہ دار ہے۔"

"اس کے بارے میں کیا بتاؤں۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔"

"کیا اس کی مونچھیں مصنوعی تھیں۔"

"شبہ ہوا تھا۔"

"اوپری ہونٹ کی بناوٹ کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔"

"نچلا تو دکھائی نہیں دیا تھا۔ آپ اوپری ہونٹ کی بات کر رہے ہیں۔"

"اتنی گھنی اور لٹکی ہوئی مونچھیں تھیں؟"

"جی ہاں....!"

"تم نے کہا تھا کہ عینک کے شیشے معمول سے بڑے تھے۔ آخر کتنے بڑے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ پیشانی کے وسط تک پہنچتے تھے۔"

"ہوں.... اچھا۔" فریدی ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔"

وہ اپنی گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور حمید نے اُلو کو پکڑ کر سڑک پر دے پٹخا۔

گھر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ یہ رات یونہی گذر جائے گی۔ کیونکہ فریدی خواب گاہ کی ف جانے کی بجائے لائبریری ہی میں جم گیا تھا اور اب اُس الماری کا قفل کھول رہا تھا جس میں ی ہی کونفیڈنشل کے ریکارڈ رکھے جاتے تھے۔ اتنے کونفیڈنشل کہ جن کی آج تک حمید کو ہوا بھی ں لگی تھی۔

"کیا یہ صبر کی رات ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

فریدی چونک کر اس کی طرف مڑا لیکن دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اُس نے صرف اُس کی آواز ہو۔ الفاظ پر دھیان نہ دیا ہو۔

"تم نے اس آدمی کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا ہے؟" اُس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "ذہن دبارہ زور دو۔"

"ذہن پر زور دوں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ذہن کا تقاضہ تو اس وقت یہ ہے کہ تکیہ نہ رہو تو پتھر ہی پر دے پٹخو۔ کاش میرا باپ بھی میری ہی طرح کنوارا ہوتا۔"

"جھنجھوڑو ذہن کو میری خاطر۔ میری نہیں بلکہ اپنی خاطر ورنہ صبح کسی کو منہ دکھانے کے ابھی نہ رہ جاؤ۔"

"ارے تو اب کیا بتاؤں۔"

"اس کی چال پر غور کیا تھا۔"

"او.... ہاں.... چال میں ہلکی سی لنگراہٹ تھی۔"

"گڈ....!" یک بیک فریدی کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک لہرائی اور اس نے اپنی پیشانی تے ہوئے پوچھا۔ "ناک کی بناوٹ"

"گدھے کی دم سے مشابہ تھی۔" حمید پھر جھلا گیا۔

"بکواس نہیں۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا۔"

فریدی نے الماری سے ایک فائل نکالا اور اس کے اوراق الٹنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر

اٹھائے بغیر بولا۔ "ادھر آؤ۔"

حمید نے اونگھتے اونگھتے چونک کر کہا۔ "سوا روپے سیر۔"

"ادھر آؤ.... ورنہ کل سے ترکاریاں ہی بیچنی پڑیں گی۔"

حمید اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا میز کی طرف آیا۔ لیکن فائل کے صفحے پر چپکی ہوئی تصویر پر نظر پڑتے ہی نیند رفوچکر ہوگئی۔ وہ آنکھیں پھاڑے تصویر کو گھور رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہونٹ ملے اور ہلکی سی آواز نکلی۔ "اُلو....!"

فریدی نے انگلیوں سے تصویر کی پیشانی اور تھوڑی ڈھانکتے ہوئے کہا۔ "اب ناک"

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی ناک ایسی ہی تھی۔ یہ کون ہے۔"

"میجر والٹن! پچھلی جنگ کے دوران اتحادیوں سے کٹ کر دشمنوں سے جاملا تھا۔"

حمید بے اختیاری سے ہنسا۔ پھر بولا۔ "خدارا کہیں کسی شیخ نتھو کو میجر والٹن نہ بنا دیجئے۔"

"کیا مطلب....!"

"ارے اس نے خالص لکھنوی اردو میں مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"اور تم سے عربی۔ فارسی اور پشتو میں بھی بالکل اہل زبان ہی کی طرح گفتگو کر سکتا ہے صاحب۔"

حمید کی نیند بالکل غائب ہوچکی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے محکمے کے ایس۔ پی کی آواز آئی۔

"اُس عمارت میں جہاں تمہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔ "تمہارے علاوہ اور کون کون تھا۔"

"ظاہر ہے کہ آپ کو اس لڑکی کے متعلق علم ہو ہی چکا ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وہاں کچھ ایسے آدمی بھی دیکھے گئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے اُن کے فوٹو لے رہے تھے۔"

"یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ میرے ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔"

"تمہارے آدمی۔" ایس پی غرایا۔

"جی ہاں۔ لیکن ان کا تعلق آپ کے محکمے سے نہیں ہے۔"

"کیا یہ ہوش کی باتیں ہیں۔" ایس۔ پی کی آواز بے حد غصیلی تھی۔

"اس وقت میرا تعلق بھی آپ کے محکمے سے منقطع ہوچکا ہے۔"

"شائد بہت زیادہ پی گئے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں آپ کو یہی مفید مشورہ دوں گا کہ خاموشی اختیار کیجئے۔ میں اپنے آفیسروں کا بے حد ...زام کرتا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میرا کوئی قدم مجھے ڈسپلن کی حدود سے باہر لے ...ئے۔ بہتر ہوگا اگر آپ اس سلسلے میں وزارت داخلہ کے سیکریٹری سے گفتگو کریں۔ وہ آپ کو ...یں گی کہ بین الاقوامی معاملات میں میں صرف ایک ہی ذمہ دار ہستی کو جوابدہ ہوں۔ لیکن شائد اس ذمہ دار ہستی کی نشاندہی وہ بھی نہ کر سکیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ایس۔ پی صاحب۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہی تھے۔ بیچارے نئے آدمی ہیں۔ کسی نے انہیں ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ میجر والٹن اتحادی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتا ہے۔"

یک بیک وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اور حمید بولا۔ "آخر لڑکی نے اپنا بیان کیوں بدل دیا۔"

"ہوسکتا ہے کہ میرا ہی بیان من و عن دہرا دینے کے بعد اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہو۔ ...بیان تبدیل کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ اُسے یہی سوجھی ہوگی کہ ...مجھ پر رکھ دے۔ کہہ دے کہ میں نے ہی اُسے بیان دینے پر مجبور کیا تھا۔"

"مگر اس طرح وہ ہمارا اعتماد حاصل کر سکے گی۔"

"دیکھو بھئی! وہ بھی محض قیاس ہی تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہوسکتا ہے ...کے بیان میں صداقت ہی ہو۔ لیکن یہ بات بالکل اٹل ہے کہ میجر والٹن ہم سے کسی قسم کا ...اٹھانا چاہتا ہے۔ ورنہ اُس کے آدمی ہمیں اب تک ختم کر چکے ہوتے۔ اگر وہ ہمیں کوئی اہمیت ...دیتا تو یہ چھیڑ چھاڑ بھی بے مقصد نہیں ہوسکتی۔"

"وہ ہم سے کیا فائدہ اٹھالے گا۔"

"تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ سنگاپور میں تم بھی جاپانیوں کے خلاف ...لڑے ہو۔ سیکرٹ سروس سے بھی تمہارا تعلق رہ چکا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ جن دنوں تم

سیکرٹ سروس میں تھے تمہارا ایک اعلیٰ آفیسر میجر والٹن بھی تھا۔ مشرق بعید ہی میں وہ اتحاد
سے علیحدہ ہوا تھا۔“

”آپ تو میرے ذہن پر ہتھوڑے چلا رہے ہیں۔“

”میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اگر تم نے پہلے کبھی اُس کا نام نہیں سنا تو تمہیں اس پر ح
بھی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تم اپنے امیڈیٹ آفیسر کے علاوہ اور کسی کو جان بھی کیسے سکتے۔ دو
جنگ میں محکماتی نظام کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔“

”چلئے مان لیا۔ لیکن میں نے پوچھا تھا کہ وہ ہم سے کس قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

”فائدہ....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر داؤد کا قتل بے مقصد نہیں ہو
اُس سے قاتل کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو اُس کی زبان سے ”اُلو“ نکلا تھا۔ جس طرح لفظ ا
مقصد نہیں تھا اُسی طرح مثلث اور دائرہ بھی کچھ نہ کچھ مفہوم رکھتے ہی ہوں گے۔ اُلو کے
بجائے وہ قاتل کا نام بھی لے سکتا تھا۔ اگر قاتل پہلی ہی بار اچانک سامنے آیا تھا تو پھر داؤد
فون کال بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے جس کے ذریعہ اُس نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو اپنی زندگی خ
میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ اس لئے یقینی طور پر وہ قاتل سے اچھی طرح واقف تھا۔ چلو
تسلیم ہے کہ وہ میجر والٹن کو اس کے اصل نام سے نہ جانتا رہا ہو لیکن کسی نہ کسی نام سے ت
ضروری ہے۔ اُلو کے مجسمے کے حوالے پر نصیری بھی خائف نظر آیا تھا اور ٹھیک اسی وقت د
موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ”اُلو“ اُن کے لئے اجنبی نہیں تھا
اجنبی نہیں تھا تو اس کا کچھ نہ کچھ نام بھی ہونا چاہئے۔ لیکن داؤد نام لینے کی بجائے شخصیہ
تصوراتی تشکیل کا حوالہ دیتا ہے۔“

”تصوراتی“ حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

”ہاں! اس تصویر کو غور سے دیکھو۔ کیا دیکھتے ہی بے اختیار اُلو کہنے کو دل نہیں چاہتا۔
کی مخصوص بناوٹ اور آنکھوں کے نیچے کی ہڈیوں کا مخصوص اُبھار۔ کیا یہ کسی اُلو کی آنکھیں
معلوم ہوتیں۔ ناک اُلو کی چونچ ہی سے مشابہ نہیں ہے۔ بہر حال داؤد نے مرتے وقت
تصوراتی تشکیل ہی کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اُس وقت اس کی ذہنی رو
تجربات کی سطح پر بہہ رہی تھی۔ یعنی تصوراتی تشکیل کے تجربات کی سطح پر۔ لہٰذا ہو سکتا ہے

دائرہ بھی کسی چیز کی تصوراتی تشکیل ہوں۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ چیز قتل کی وجہ سے تعلق
تی ہو۔ تم نے شائد مجھے بتایا تھا کہ میجر والٹن نے تم سے کہا تھا کہ وہ اُلو کو کوئی اہمیت نہیں دیتا
ن مثلث اور دائرے کی فکر میں ہے۔“

”ہاں غالباً اُس نے یہی کہا تھا۔“

”بس تو پھر سمجھ لو کہ وہ صرف ہماری معلومات سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے حالات کو
ورت سے زیادہ پُر اسرار بنا کر ہماری زیادہ تر توجہ اُن کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہے۔“

”بالکل سمجھ میں نہیں آرہا۔“ حمید نے بے بسی سے سر ہلا کر کہا۔

”انتظار کرو۔ بہت جلد سمجھ میں آجائے گا۔ میجر والٹن دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا
ہے۔ شائد نصیری سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا۔“

”آپ نے دو پارٹیوں کا حوالہ دیا تھا۔“

”ہاں اس معاملے میں دوسری اہم چیز یہی ہے۔ اگر دو پارٹیوں کا معاملہ نہیں تھا تو حادثے
تباہ ہو جانے والی کار کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کار میں کچھ ایسے لوگ تھے، جنہوں نے ہمارا
قب کرنے والے کا تعاقب کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی موت کا باعث بھی وہی بنا ہوگا جس نے
تعاقب کیا تھا اور چونکہ کار کے حادثے میں ہلاک ہونے والوں میں سے ایک کی جیب سے
ذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا تھا جس پر اُلو مثلث اور دائرے کا حوالہ تھا اس لئے یہی سوچا جا سکتا ہے کہ
سری پارٹی بھی اس معاملے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتی ہے۔“

”اوہ.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ ابھی ایس۔ پی صاحب سے کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی۔“

”انہوں نے اُس عمارت کی نگرانی شروع کرادی ہے جہاں تم لے جائے گئے تھے۔ وہاں شائد
یں کچھ ایسے آدمی نظر آئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے اُن کی تصویر لے رہے
ے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہاتھ نہ آسکے ہوں گے اس لئے اُن کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا تھا۔“

”وہ کون تھے۔“

”بلیک فورس کے فنگر پرنٹ سکشن کے کچھ ماہرین۔“

”اوہ تو اس فورس میں مختلف قسم کے ماہرین بھی موجود ہیں۔“

”کیوں نہیں۔“

"میں اس پر عش عش کئے بغیر نہ رہتا۔ مگر اب بہت زور سے نیند آ رہی ہے۔" حمید نے
کر جمائی لی۔

"اگر اُس کی انگلیوں کے نشانات مل گئے تو یہ کیس سو فیصدی ہمارا ہو گا۔" فریدی نے کہا

"جہنم میں گیا کیس۔ آپ تو اس انداز میں کہہ رہے ہیں جیسے یہ دو لاکھ کی رقم ہمار ہو گی۔"

"نقطہ نظر کا فرق ہے۔ کسی کیس کا بہتر اختتام میرے لئے دو ہزار لاکھ کی رقم سے بھی دلکش اور تشفی بخش ہوتا ہے۔"

"میں تو چلا۔" حمید اٹھ گیا۔ "فریدی نے اُسے روکا نہیں.... اور اُس کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ خود بھی اٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔"

دوسری صبح حمید دیر سے بیدار ہوا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ پچھلی رات سو تھا یا نہیں کیونکہ لائبریری میں تو ایسے ہی آثار نظر آئے تھے جیسے وہ رات بھر بیٹھا رہا ہو۔ ٹرے سگار کی راکھ اور متعدد مسلے ہوئے ٹکڑوں سے بھرا ہوا نظر آیا تھا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حمید نے بھی آفس کی راہ لی۔ لیکن یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہو آیا۔ فریدی کے آفس کے دروازے کے اوپر سرخ بلب روشن تھا اور دو مسلح سنتری باہر پہرا رہے تھے۔ لیکن یہ فوجی تھے حمید کے محکمے سے اُن کا تعلق نہیں تھا۔ وہ چکرا گیا۔ فریدی کے کے دروازے پر سرخ بلب ہی چکرا دینے کے لئے کم نہیں تھا۔ پھر یہ مسلح فوجیوں کی موجودگی۔ اُسے آفس کے اندر جانے سے روک دیا گیا اور اُس نے جھلاہٹ میں کینٹین کی راہ لی۔

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس برآمدے میں داخلہ ممنوع تھا جس میں فریدی کا آفس کیونکہ اُسی برآمدے کے دوسرے کمروں کا عملہ بھی یہیں موجود تھا۔

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تم بھی اندر نہیں جا سکتے۔"

"میں آج کل آؤٹ ڈور ڈیوٹی پر ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ نکال کر اُس تمبا کو بھرتا ہوا ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ریکھا بھی وہیں جم گئی۔

"کیا قصہ ہے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "میں نے آج تک آئی۔ جی صاحب دفتر کے علاوہ اور کہیں بھی سرخ بلب نہیں دیکھا۔"

"میں ابھی ابھی آیا ہوں۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم بتاؤ کہ اندر کون ہے۔"

"تین ملٹری آفیسر۔ میرا خیال ہے کہ تینوں کرنل ہیں۔ وہ ایک آرمڈ کار میں آئے تھے۔ ان کے داخلے کے بعد کرنل نے ہولڈر میں سرخ بلب لگوا دیا۔ سنتریوں نے ایس۔ پی صاحب تک کو ندر نہیں جانے دیا۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔"

حمید نے اس شدت سے دل کھول کر پائپ کا کش لیا کہ پہلے ہی جھٹکے میں کھانسیوں کا دورہ گیا۔

دلچسپ اطلاع

کچھ دیر تک وہ کینٹین میں ٹھہرا اور پھر اس ارادے سے اٹھ گیا کہ اگر اب بھی داخلہ ممکن نہ ا تو یہاں مکھیاں مارنے کے لئے ہرگز نہ ٹھہرے گا۔

اب بھی سرخ بلب روشن تھا اور دفتر کے دروازے پر دونوں سنتری سنگینیں لگی ہوئی رائفلیں جالے ایٹ ایز تھے۔

حمید نے اپنی گاڑی سنبھالی اور نکل بھاگا۔ شہر آ کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی کے ر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف فوراً ہی کال ریسیور کی گئی۔ بولنے والا خود فریدی تھا۔

"وہاں تو لال بتی نظر آ رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "کہئے تو اب میں گلے میں گھنٹی لٹکا کر کسی رکی ریلوے لائن پر دوڑنا شروع کر دوں۔"

"جہاں بھی رہو مجھے باخبر رکھنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"فی الحال.... میں قاسم تک جا رہا ہوں.... اُس کے نمبر نوٹ کیجئے۔" حمید نے قاسم کے نمبر دہرائے اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

وہ سوچ میں ڈوبا ہوا پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔ یک بیک اُسے وہ زخمی لڑکی یاد آئی جسے انہوں نے لی رات پولیس ہسپتال میں داخل کر لیا تھا۔ کیا وہ اب بھی وہیں ہو گی یا بیان کی تبدیلی کے بعد ے حوالات میں بھیج دیا گیا ہو گا۔ کیوں نہ اُس کے متعلق بھی معلومات حاصل ہی کر لی جائیں۔

وہ پولیس ہسپتال پہنچ کر سیدھا انچارج کے کمرے میں چلا گیا۔

"وہ یہیں ہے کیپٹن.....!" انچارج نے کہا۔ "رپورٹ کے مطابق پچھلی رات آپ کے ایس۔پی صاحب نے اُسے حوالات میں منتقل کرنے کے احکامات صادر کیے تھے ا دوسرا حکم آیا کہ اُسے ابھی ہسپتال ہی میں رکھا جائے۔ وہ روم نمبر نائین میں ہے، آپ ا سکیں گے۔"

"شکریہ.....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"روم نمبر نائین میں لڑکی تنہا نہیں تھی۔ دو نرسیں بھی موجود تھیں اور وہ شائد کیپٹ پہچانتی بھی تھیں کیونکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ اس انداز میں مسکرائی تھیں جیسے وہا آمد اُن کے لئے کوئی خاص معنی رکھتی ہو۔

پھر وہ کمرے میں چلی گئی تھیں۔ لڑکی اٹھ کر تکیئے کے سہارے بیٹھتی ہوئی بولی۔ "ا ہوتا ہے جیسے میں نے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہو۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید کرسی کھینچ کر بستر کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اوہ.....!" یک بیک لڑکی کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں اور وہ بھ آواز میں بولی۔ "یاد آیا پچھلی رات آپ ہی کرنل فریدی کے ساتھ تھے۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کب تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"کیا تم باہر جانا چاہتی ہو۔"

"نہیں..... ہرگز نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تو پھر کیا ہم تمہیں اُبال کر کھائیں گے۔"

"وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"کوئی نہیں جانتا۔ نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔ وہ صرف باس کہلاتا ہے۔"

"اب کہاں مل سکے گا۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب اور کہاں ملے گا۔ حسب ضرورت وہ خود ہی اپنے ملاز کال کرتا ہے۔"

"تم اس کی ملازمت میں کیسے آئی تھیں۔"

"بس ستارے خراب تھے۔" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مجھے وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ میں نادانستہ طور پر کسی بُرے آدمی کی ملازمت اختیار کر رہی ہوں۔"

"صرف واقعات بیان کرو۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں بے روزگار تھی اور اُس دن اسی غرض سے "دفتر روزگار" کی طرف گئی تھی کہ شائد ہیں کوئی مناسب ملازمت مل جائے لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ میں واپسی کے لئے تیار ہی تھی کہ ایک ریف آدمی نے مجھے آفر دیا۔ وہ مجھ سے کسی نجی لائبریری کی دیکھ بھال کرانا چاہتا تھا۔ معقول معاوضے پر میں تیار ہو گئی اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لائبریری اسی عمارت میں ہے جہاں میں کرنل کو لے گئی تھی۔ لیکن یہ بات قطعی غلط تھی کہ اس کا تعلق نصیری نام کے کسی آدمی سے تھا۔"

"پھر وہ عمارت کس کی تھی۔"

"خدا ہی جانے۔ وہیں ایک کمرے میں میری رہائش کا انتظام بھی تھا۔ کبھی کبھی کچھ لوگ وہاں یا کرتے تھے جن کے ناموں سے میں واقف تھی۔ لیکن وہ کسی باس کا تذکرہ بڑی شد و مد سے کیا رتے تھے اور مجھے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوتی تھی کہ میں بھی اسی باس کی ملازمہ ہوں۔ ہستہ آہستہ مجھے احساس ہونے لگا کہ میں اچھے ہاتھوں میں نہیں پڑی ہوں۔ پھر دو چار بار باس کے کے درشن ہوئے اور پچھلے دن اُس نے مجھے اس کام پر اکسایا۔ میں کسی نصیری سے کبھی واقف نہیں تی۔ میں نے کرنل سے جو کچھ بھی کہا تھا اُسی نے کہلوایا تھا اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ کرنل سے صرف مذاق کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کرنل اس کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں۔"

"چلو میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن تم اتنی زیادہ خائف کیوں تھیں۔ تمہیں کیسے خیال ہوا کہ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں نے خود اُسے کہتے سنا تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا تھا کہ وہ مجھے جہاں بھی دیکھے شوٹ کر دے۔"

"اوہ..... پچھلی رات میں چھپ کر اُس عمارت میں پہنچی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ انہوں نے کرنل کو شکار کر کے ایک تھیلے میں ٹھونس دیا ہے اور انہیں کہیں لے جا رہے ہیں تو میں نے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اُن کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور خود بھی اُسی عمارت میں جا پہنچی۔ لیکن ان

لوگوں کی نظروں سے بچتی ہی رہی تھی۔ ایک کمرے میں چھپ کر میں نے اُس کی مایوسی
تھی جب تھیلے سے کرنل کی بجائے اُسی کا ایک آدمی بر آمد ہوا تھا۔ پھر تم نے اُس پر کرسی ماری تھی اور اُس کے کسی آدمی نے مین سوئچ آف کر کے اندھیرا کر دیا تھا۔ اُسی وقت اُس نے کو حکم دیا تھا کہ مجھے جہاں بھی دیکھے گولی مار دے۔“

”لیکن بازو کا یہ زخم۔“ حمید نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گری تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز لگی۔ مجھے اندازہ نہیں! ہوش نہیں تھا۔“

”ہوش تو تمہیں کبھی نہیں رہا۔“ حمید مسکرایا۔ ”مثال کے طور پر تم نے اپنا پہلا بیان بیہوشی ہی کی حالت میں دیا تھا۔ اسی لئے ہوش آنے پر بیان بدلنا پڑا۔“

”یقیناً میں اسی حد تک نروس تھی کہ مجھ سے بے تکی حرکتیں سرزد ہوں۔“

”ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے یہی لکھوایا بھی ہوگا۔“

”پھر کیا کرتی۔“

”تو تم اُس وقت حقیقتاً بیہوش نہیں تھیں جب ہم تمہارے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔“

”میں بیہوش نہیں تھی لیکن اتنی خوفزدہ تھی کہ آنکھیں کھولنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔“

”لیکن تم نے بیان تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ جب کہ کرنل غلط بیان چکے تھے۔ ظاہر ہے اس سے اُن کی منشا یہی تھی کہ تم جیل کی چہار دیواری سے دور رہو۔“

”میں مرنا نہیں چاہتی۔“

”کیا تم نے یہ نہیں سنا تھا کہ انہوں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔“

”ضروری نہیں کہ وہ میری حفاظت بھی کر سکتے۔“

”تو تم جیل جانے کے لئے تیار ہو۔“

”اسی لئے میں نے بیان تبدیل کیا ہے۔“

”سات سال سے کم کے لئے نہیں جاؤ گی۔“

”اب جو کچھ بھی ہو۔“

”بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ کسی قسم کا زہر اب بھی تمہارے دہن میں موجود“

”ناگن ہر حال میں زہریلی ہوتی ہے۔ عورت ناگن ہی کہلاتی ہے نا۔“

”وہ صرف بدھوؤں کے لئے ہی ناگن ہو سکتی ہے ہمارے لئے نہیں۔“

”میں زیادہ دیر تک گفتگو نہیں کر سکتی۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔“

حمید کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”سنئے تو سہی۔“

”وقت نہیں ہے۔“ حمید نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور نکلا چلا آیا۔

یہاں کافی وقت صرف ہو گیا تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے اس دوران میں فریدی نے قاسم کے فون پر اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ پولیس ہسپتال تو وہ بلا قصد آیا تھا۔

انچارج کے کمرے سے اس نے فریدی کو فون کیا۔

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”سول ہسپتال سے۔“

”لیکن تم نے مجھے قاسم کے نمبر دیئے تھے۔“ فریدی کی آواز غصیلی تھی۔

”بس ادھر بھی چلا آیا تھا۔“

”خواہ مخواہ وقت برباد کرتے پھر رہے ہو۔ اب فوراً گھر پہنچو۔ میں آ رہا ہوں۔“

حمید خود بھی چاہتا تھا کہ فریدی سے جلد مل سکے۔ کیونکہ وہ ملٹری آفیسروں کی آمد کے متعلق اُلجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ویسے ان کی آمد یقینی طور پر کسی کار خاص ہی کے تحت ہوئی تھی۔ ورنہ دروازے پر سرخ بلب کیوں روشن کیا جاتا۔ سرخ بلب کا مطلب یہی تھا کہ اندر کوئی بہت ہی کنفیڈنشل قسم کا کام ہو رہا ہے۔ اس لئے اس طرف کسی کو بھی نہ آنے دیا جائے۔

لیکن کیا وہ کونفیڈنشل کام اسی قسم کا تھا کہ محکمے کا ایس۔ پی بھی فریدی کے آفس میں نہ داخل ہو سکے۔ حمید جانتا تھا کہ فریدی بعض اُمور میں اپنے محکمے کے اعلیٰ افسروں کو بھی جوابدہ نہیں تھا۔ یا یہ بین الاقوامی ہی قسم کا کوئی امر تھا جس کیلئے اس کے آفس کے دروازے پر سرخ بلب لگایا گیا تھا؟

گھر پہنچ کر اُس نے فریدی کو اپنا منتظر پایا۔

”تم پولیس ہسپتال کیوں گئے تھے۔“ اس نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”کیا آپ بھی یہی نہ کرتے۔“ حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"قطعی نہیں۔ اگر مجھے اپنے آفیسر سے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ ملی ہوتی۔"

"وہ دن بھی دور نہیں جب میرا اپنا الگ آفس ہوگا اور اُس کے دروازے پر آپ کے لال جھنڈی لٹکی ہوگی۔"

"اوہ....!" فریدی نے سگار کیس نکال کر اُس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ایس۔ پی صاحب کو خفت اٹھانی پڑی۔ میں نے انہیں پچھلی رات ہی آگاہ کر دیا تھا۔"

"کیا یہ سرخ بلب اسی لئے لگایا گیا تھا۔"

"ہاں! معاملات الجھ رہے ہیں۔ اُس عمارت سے کچھ ایسے نشانات ملے ہیں جو میجر والٹن کی انگلیوں کے نشانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔"

"تب پھر معاملات سلجھ رہے ہیں یا الجھ رہے ہیں۔"

"الجھ رہے ہیں۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "آج صبح میں نے میجر والٹن کے سلسلے میں ملٹری کی سیکرٹ سروس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ لہٰذا تین آفیسر اس کا نام سنتے ہی یہاں دوڑے آئے۔"

"کیوں؟ کیا انہیں بھی یہاں اُس کی موجودگی کا علم ہے۔"

"ہاں! لیکن وہ اُس کے متعلق شبہے میں مبتلا تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ انہیں دھوکا ہوا ہے۔"

"آخر کس بناء پر۔"

"ایک جگہ سے انہیں کچھ نشانات ملے تھے، جو اُس کی انگلیوں کے نشانات سے مطابقت رکھتے تھے۔ ابھی وہ ماہرین کے مشاہدے میں ہی تھے کہ میرا پیغام پہنچا۔"

"کیا یہ مجھے نہیں بتایا جائے گا کہ نشانات کہاں ملے تھے۔"

"خود مجھے ہی نہیں بتایا گیا میں تمہیں کیا بتاؤں۔"

"لیکن وہ آئے کیوں تھے۔"

"اُن میں سے ایک فنگر پرنٹس کا ماہر تھا اور مجھ سے اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے مطمئن کر دیا کہ وہ میجر والٹن ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"اوہ تو کیا اب وہ اُس لڑکی سے بھی سوالات کریں گے۔"

"یقینی طور پر! وہ اُسے لے جائیں گے۔ ہر ایک کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ والٹن کا حربہ خود اُسی پر آزماتا لیکن لڑکی نے بیان تبدیل کر کے کھیل بگاڑ دیا۔"

"والٹن بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں اُس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ اب یاد آرہا ہے۔" حمید نے کہا۔ "دوران جنگ کی بہتیری باتیں میرے ذہن سے محو ہو چکی ہیں خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ رہی ہوں۔ محاذ جنگ ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔"

"مجھے علم ہے کہ وہ انتہائی بے رحم اور سفاک آدمی ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "زندگی اور موت دونوں ہی کو کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"لیکن پچھلی رات وہ کیا چاہتا تھا۔"

"صرف سنسنی پھیلانا چاہتا تھا اور کچھ نہیں۔ اُسے لکھ لو کہ وہ میری معلومات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ میں تیزی سے کام شروع کر دوں۔ کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ ملٹری سیکرٹ سروس والوں نے اُس کی انگلیوں کے نشانات کہاں پائے تھے یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم جگہ ہوگی۔"

"تو پھر اب یہ کیس گیا آپ کے ہاتھ سے۔"

"اب ہی تو میرے ہاتھوں میں باقاعدہ طور پر آیا ہے۔"

"پھر انہوں نے آپ کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ والٹن کی انگلیوں کے نشانات کہاں ملے تھے۔"

"میں ڈاکٹر داؤد والے کیس کی بات کر رہا ہوں۔ چونکہ خیال ہے کہ اُس کے قتل کا ذمہ دار والٹن ہی ہو۔ اس لئے اس کی تفتیش صرف میں ہی کروں گا۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو۔"

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"مبارک باد قبول کرو کرنل۔"

"کس سلسلے میں؟ تم کون ہو۔"

"میجر والٹن۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں یہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر داؤد والا کیس باقاعدہ طور پر تمہیں سونپ دیا جائے۔"

"شکریہ۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور فون سے لگے ہوئے ایک آلے کا بٹن دباتا ہوا بولا۔ "لیکن میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم ایسا کیوں چاہتے تھے۔"

"وجہ بھی تمہیں معلوم ہے۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ "لیکن سنو! میرا نام بھی فریدی ہے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فریدی ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن حمید کو اس پر نہ تو حیرت ہوئی ا اُس کی تقلید ہی کی۔ جہاں تھا اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی تہہ خانے میں نجی آٹو میٹک ایکس چینج پر وہ نمبر معلوم کرنے گیا تھا جس سے کسی نے اُسے مخاطب کیا تھا۔ سے لگے ہوئے آلے کا بٹن دبانے کا مقصد یہی تھا کہ تہہ خانے کا ایکس چینج دوسری طرف نمبر ظاہر کردے۔"

کچھ دیر بعد واپس آ گیا۔ لیکن حمید نے اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"فون کا تعلق سرکاری ایکس چینج سے نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے میں کہا۔

"تھا کون....؟"

"میجر والٹن۔"

"نہیں....!" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں اُس نے مجھے مبارک باد دی تھی۔" فریدی مسکرایا۔ "اس خوشی میں کہ ڈاکٹر دا کیس باضابطہ طور پر مجھے مل گیا ہے۔"

"کمال ہے! کس دل گردے کا آدمی ہے۔"

"وہ ایسا ہی ہے اور یہی اس کا مخصوص حربہ ہے جس سے وہ دوسروں کو نروس کر دیتا ہے۔"

"تو پھر اُسے اس کا بھی علم ہو گا کہ سیکرٹ سروس والے آپ کے پاس کیوں آئے تھے۔"

"اگر نہیں ہے تو پھر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیس باضابطہ طور پر میرے پاس آ گیا؟"

"تب تو لوہے لگ جائیں گے جناب۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

یک بیک فون کی گھنٹی پھر بجی اور فریدی نے حمید کو کال ریسیور کرنے کا اشارہ کیا۔ حمید

کچھ سنتا رہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جو کوئی بھی ہے صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا ہے۔"

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور لے لیا۔

"ہیلو.... فریدی اسپیکنگ....!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سنتا رہا پھر بیساختہ ہنس پڑا.... ویسے حمید نے اس کی آنکھوں میں تحیر ہلکی سی لہر دیکھی۔

"مگر بھئی! میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہو تو یونہی تفریحاً چلا آؤں۔ میں تو سمجھتا وہ پاگل ہے اور کسی نے اس سے یہ دلچسپ مذاق کیا ہے.... اچھا.... اچھا....!"

اُس نے سلسلہ منقطع کر کے حمید کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں۔

"کہو تو یہ کیس تمہیں دلوا دیا جائے۔" اس نے کہا۔

"کون سا کیس....!"

"پروفیسر غوری نے شتر مرغ کی بجائے آدمی کا بچہ دیا ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"پروفیسر غوری کا نام سنا ہے کبھی۔"

"ہاں سنا تو ہے شائد۔" حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جو کہتا ہے کہ جراثیم کی ے حیوانات بھی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔"

"ہاں وہی!" اُس نے اس بار اعلان کیا تھا کہ وہ عنقریب ایک مصنوعی انڈے سے شتر مرغ کا کرے گا۔ آج انڈہ شکست ہونے کا دن تھا۔ اُس نے اپنے بہتیرے دوست حکام کو تجربہ گاہ و کیا تھا۔ لیکن انڈہ سینے والی مشین سے آدمی کا بچہ نکل پڑا اور وہ بھی اس دل گردے کا کہ تے ہی اپنے خالق کی کھوپڑی پر ایک چپت رسید کر دی۔ فون پر کوتوالی کا انچارج تھا اور یہ اس ا دیکھا حال تھا۔"

ننھا فتنہ

پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ شہر سے پندرہ میل دور جھریالی کے علاقے میں واقع
صرف یہی ایک تجربہ گاہ تھی۔ بیس میل کے رقبے میں متعدد تجربہ گاہوں کی مخ
عمارتیں کھڑی تھیں۔ ایک آدھ کی حیثیت فوجی اور سرکاری بھی تھی جہاں فوجی نو
تجربات ہوتے تھے۔ اس حصے میں داخلہ ممنوع تھا۔

تقریباً چھ بجے کیپٹن حمید کی کار ڈاکٹر غوری کی تجربہ گاہ کے سامنے رکی۔ وہ تنہا آیا تھ
پھاٹک بند نظر آیا۔ دوسری طرف ایک خونخوار قسم کا چوکیدار موجود تھا۔ وہ ہاتھ ہلا

"جاؤ بابا.... صاحب الٹا پڑا ہے.... نہیں ملیں گا۔"

"پولیس....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"جاؤ۔ تم اخبار والا ہے۔ ہم سمجھتا۔ صاحب بولا اخبار والوں کو گولی مارو۔"

حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا لیکن چوکیدار نے دوسری طرف دیکھ
لاپروائی سے کہا۔ "نہیں چلیں گا۔"

"اے بدتمیز....!" اچانک کمپاؤنڈ کے گوشے سے ایک بڑی سریلی آواز آئی۔ "کیـ
کھولتا پھاٹک۔ بڑے آدمیوں کو پہچاننا سیکھ۔"

"اخبار والا.... بی بی جی۔" چوکیدار بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اتنے میں بولنے والی بھی حمید کو نظر آگئی۔ نظر کیا آئی نظروں میں سما کر سیدھی دل
چلی گئی۔ عمر اٹھارہ یا انیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔ ا
رنگت کے گھونگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ خدوخال کا اندازہ تو اُس وقت
تفصیلی جائزے کے لئے ایک بار بھی نظر اُس کے چہرے پر ٹھہر سکی ہوتی۔

وہ پھاٹک کے قریب آگئی تھی۔ حمید نے پلکیں جھپکائیں کچھ کہنے کے لئے ہونٹ
لیکن پھر خاموش ہی رہا۔

"پھاٹک کھولو....!" لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ جانو بی بی جی۔" چوکیدار پھاٹک کھولتا ہوا بڑبڑایا۔ "صاحب بڑا خار کھاتا پڑا۔

ے۔"

"تشریف لایئے جناب۔" وہ پھاٹک کھل جانے پر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

"اوہ.... میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں بہت بھیڑ ہوگی۔" حمید نے پائیں باغ میں داخل ہو کر
ں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تھی! اب نہیں ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔ کیا یہ باغ آپ کو پسند آیا۔ ہم نے یہاں
ک کی بنچیں ڈلوائی ہیں۔ اُن پر بیٹھئے تو بس ایسا ہی لگتا ہے جیسے سبزے پر بیٹھے ہوں۔"

"یقیناً.... یقیناً...." حمید سر ہلا کر بولا۔

"آیئے تو پھر بیٹھیں۔" اُس نے کچھ دور چل کر لان پر پڑی ہوئی ایک بنچ کی طرف اشارہ

"جی ہاں.... جی ہاں.... مگر....!"

"مگر.... اور لیکن ہمیشہ الجھن ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے ایسے فضول الفاظ
لچسپی نہیں ہے۔ بیٹھئے۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے بہرحال اُسے متاثر کیا تھا۔ اُس نے ایک بار
روں طرف نظر دوڑائی بڑا پرسکون ماحول تھا۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لیکن اس کے
اطراف میں باغ کا پھیلاؤ اُسے پرشکوہ بنائے ہوئے تھا۔ غالباً اسی عمارت کے کسی گوشے
وفیسر کی رہائش بھی تھی کیونکہ ایک جگہ ایک مختصر سی چمنی سے دھواں نکل رہا تھا اور یہ چمنی
اسے متعلق معلوم ہوتی تھی۔

"مجھے پروفیسر سے ملنا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھ سے ملئے۔ پروفیسر میں کیا رکھا ہے۔" لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔ آپ کون ہیں؟"

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"میں محکمہ سراغرسانی کا ایک آفیسر ہوں۔" حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف
تے ہوئے کہا۔

لڑکی چند لمحے حیرت سے اُسے دیکھتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "میں تو آپ

کو کوئی شریف آدمی سمجھی تھی۔ مگر خیر.... ٹھہریئے۔"

اس نے اپنا پرس کھول کر ایک کاپی نکالی اور اس کے اوراق الٹ کر ایک صفحہ لکھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو اس کا موقع ضرور دوں گی کہ آپ خود کو ایک شریف کر سکیں۔"

یہ کسی قسم کی رسید بک تھی۔ نام لکھ کر رقم کے خانے میں اُس نے مبلغ پچاس اور ورق پھاڑ کر حمید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "شرافت کا ثبوت دیجئے۔"

حمید نے بھنویں سکوڑیں اور آہستہ سے بولا۔ "اوہ.... انجمن ترقیٔ خواتین کا چندہ۔"

"جی ہاں۔ مردوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ خواتین ترقی کریں۔" لڑکی تڑ سے بولی

"آپ نے میری توہین کی ہے پچاس کی رقم لکھ کر۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"پھر فرمایئے۔"

"کم از کم ایک سو پچاس۔" حمید نے کہا۔ اس وقت وہ بالکل گاؤدی نظر آنے لگا تھا۔

"اوہ.... آپ تو شریف الشرفاء ثابت ہو رہے ہیں لایئے۔"

لڑکی نے رسید پر پچاس کے ایک سو پچاس بنائے۔ حمید نے پرس سے نوٹ نـ دیئے اور بولا۔ "اب پروفیسر سے ملا دیجئے۔"

"آپ بور ہو کر مر جائیں گے اگر انہوں نے ابابیل کے انڈے سے بھینس کا بچہ نـ کر دیا۔"

"اُن سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔"

"باپ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ اوہو....!" وہ یک بیک کھڑی ہو گئی۔ "او سرپرست صاحب بھی آگئے۔" اور پھر زور سے چیخی۔ "چوکیدار پھاٹک کھول دو۔"

لیکن سرپرست پر نظر پڑتے ہی حمید کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ کبھی کی جانب دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ سرپرستی کس قسم سرپرست کار سے اتر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی جہاں رک گیا۔ بھاڑ سا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ یہ قاسم تھا۔

"آیئے.... آیئے جناب۔" لڑکی نے آگے بڑھ کر پراشتیاق لہجے میں کہا۔ حمید

نہایت اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے قاسم اُس کے لئے اجنبی ہی ہو۔

لڑکی اُسے بھی ساتھ لے کر اسی بنچ کی طرف پلٹ آئی۔

"ان سے ملئے۔" اُس نے کہا۔

"مل چکا ہوں۔" قاسم کی آواز غصیلی تھی۔

"تو پھر شائد آپ دونوں کے تعلقات بہتر نہیں۔"

"کھدا جانے۔" اس بار قاسم مردہ سی آواز میں بولا تھا۔

"مجھے پروفیسر سے ملنا ہے محترمہ۔" حمید نے کہا۔

"آپ انجمن کے محسن ہیں اس لئے میں نہیں چاہتی کہ آپ مر جانے کی حد تک بور ہو جائیں۔"

"انجمن کے محسن۔" قاسم نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"جی ہاں! انہوں نے ایک سو پچاس روپے عنایت فرمائے ہیں۔"

"واپس....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "واپس قر دیجئے۔"

"قیوں؟" لڑکی نے اسی کے سے انداز میں پوچھا۔

"انجمن سالی کا کباڑا ہو جائے گا۔"

"کیا مجھے بغیر اجازت ہی عمارت میں گھسنا پڑے گا۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

لڑکی جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمارت کے اندر سے پے در پے چیخوں کی آوازیں یں اور ایک آدمی دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ پھر برآمدے کے زینوں پر گر کر لڑھکتا ہوا نیچے آگرا۔

"ڈیڈی۔" لڑکی چیختی ہوئی اس کی طرف جھپٹی۔

وہ گھیم شحیم آدمی منہ کے بل گرا تھا۔ جسامت میں قاسم جیسے دیو پیکر سے کچھ ہی کم رہا ہو گا۔ لئے دوبارہ اٹھنے میں شائد اُسے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ یک بیک وہ سر اٹھا کر دہاڑا۔ "وہ ر موجود ہے۔"

"کون.... ڈیڈی.... کون۔" لڑکی جھک کر اُسے اٹھانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"وہی.... وہی لڑکا....!" اُس کا ڈیڈی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ قاسم اور حمید بمشکل اُسے ن سے اٹھانے میں کامیاب ہو سکے۔

"اوہ ڈیڈی.... وہم ہے آپ کا.... اُسے بھول جایئے۔ خدا نے چاہا تو ابکی آپ شتر مرغ

کے انڈے سے بکری کا بچہ نکال سکیں گے۔" لڑکی نے اس کے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا.... وہم ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "ارے نصف درجن آدمیوں نے اُسے دیکھا میں ابھی ابھی دوبارہ دیکھ کر آرہا ہوں۔"

"افسوس میں کیوں نہ دیکھ سکی۔"

"تم اس وقت تھیں کہاں۔"

"کیا قصہ ہے جناب۔" حمید نے پوچھا۔

اب پروفیسر غوری نے اُسے گھور کر دیکھا۔ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے پہلی بار اُس کی دھیان دیا ہو۔

"تم کون ہو.... پریس رپورٹر۔" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں! میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"کیپٹن حمید....!" قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... اچھا اچھا۔" پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ "مگر آپ کیا کر سکیں گے۔ وہ تو چھ بھوت ہے! پتہ نہیں کیا ہوا شتر مرغ کی بجائے۔"

"آپ بھی تو ایک دم سے شتر مرغ لے دوڑے تھے ڈیڈی۔" لڑکی نے اُسے جملہ کرنے دیا۔ "پہلے مرغی کے چوزے نکالے ہوتے۔"

"ہاں! بس غلطی ہوگئی۔"

"کتنا.... بڑا بچہ تھا۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اُف فوہ....!" پروفیسر پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کیا بتاؤں! وہ آٹھ سال کے بچے کے برابر ہوگا۔ جیسے ہی میں نے جھک کر مشین کا ڈھکن اٹھایا وہ بجلی کی طرح پھر میری پیٹھ پر سوار ہو کر سر پر ہاتھ مارا۔ پیٹھ سے اچھل کر میز پر پہنچا اور وہاں سے جو لگائی تو روشندان سے باہر تھا۔ چھ آدمیوں نے دیکھا ہے۔ چھ آدمیوں نے.... وہ سب اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ میرے لئے جھوٹ نہیں بولیں گے اُن سے ضرور پوچھئے۔"

"تو وہ پھر نظر آیا ہے۔"

"ہاں! میری خواب گاہ میں۔ میں بدقت تمام بھاگ سکا تھا۔"

"چلئے! میں چلتا ہوں۔"

"م.... میں۔" پروفیسر غوری خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ "میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے میں چلتی ہوں۔" لڑکی آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"ارے نہیں.... تم نہیں.... سائرہ.... میری بات سنو۔"

لیکن لڑکی حمید کا ہاتھ پکڑے زینوں پر چڑھتی چلی گئی۔

"میں بھی غاؤں....!" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

لیکن لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"پروفیسر بہت زیادہ خائف ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"خدا جانے! میں نے دیکھا نہیں! صرف سنا ہے۔ لیکن انہیں جھوٹا بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

"خواب گاہ کدھر ہے۔"

وہ عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔ لڑکی نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ سامنے ہی مسہری پر کوئی چادر اوڑھے پڑا تھا۔ لڑکی دروازے ہی پر ٹھٹک گئی اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر چادر اٹھائی اور پھر چھوڑ دی جو سونے والے کے سینے پر گری۔ چہرہ لاش کی طرح سفید تھا اور وہ حقیقتاً لاش ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی بچے کی لاش۔

"یہ تو مر چکا ہے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"مر گیا.... اوہ.... میرے خدا.... کتنا سفید ہے۔"

دفعتاً لاش کے ہونٹ ہلے اور ریلوے انجن کی سیٹی کی سی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ آیا لیکن اس کے باوجود بھی اس برہنہ بچے کی لات اس کے سینے ہی پر پڑی۔ حمید لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ بس ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے بجلی سی چمک گئی ہو! پھر لڑکی بھی یقین کے ساتھ نہ بتا سکی کہ وہ چھلانگ لگا کر روشندان سے نکل گیا تھا یا دروازے سے گذرا تھا۔

حمید جھلاہٹ میں ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ لڑکی اُس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ پھر انہوں نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن اس کی پرچھائیں تک نہ دکھائی دی۔

کچھ دیر بعد حمید نے قاسم کی آواز سنی جو دہاڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "ابے میں سب سمجھتا ہوں۔"

اتنی دیر لگادی۔ سالے مجھے کہیں بھی چین نہ لینے دو گے۔"

ایک راہداری میں اُس سے مڈ بھیڑ ہو ہی گئی اور وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہ قا…
ڈھونڈا جارہا ہے.... چیونٹی کا.... قیوں؟"

"مت بکواس کرو.... " حمید کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا۔

"اچھا جی.... یہ بات ہے۔"

حمید اُسے دھکا دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ قاسم کسی کٹھکھنے کتے کی طرح غرایا تھا۔ لیکن ا…
کی پیٹھ تھپکتی ہوئی بولی تھی۔ "خفا ہونے کی بات نہیں ہے جناب! ہم لوگ بہت پریشان ہیں…

"ہائے اللہ! پہلی ہی ملاقات میں ہم لوغ بھی ہو گئے۔"

"مسٹر قاسم بور نہ کیجئے! آیئے باہر چلیں۔"

وہ پھر لان پر نکل آئے۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ پروفیسر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

"ڈیڈی.... اٹھئے۔" لڑکی نے اس کا شانہ ہلا کر کہا۔

"نہیں اٹھا جاتا۔" پروفیسر اپنی شفاف کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بھرائی ہوئی آواز…
"درد سے سر پھٹا جارہا ہے۔ کم بخت پھر ایک ہاتھ مار گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں…

"ام کو بندوق دیو ساب! ام گولی مارے گا۔" چوکیدار نے کہا جو قریب ہی کھڑا تھا۔

"تو کیا وہ ابھی ادھر سے گذرا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"گذرا نہیں تھا بلکہ اڑا تھا" پروفیسر نے کراہ کر کہا۔ "سر پر سے اڑتا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا…

"ام نہیں دیکھا ساب۔ اڑتا پڑا تھا؟" چوکیدار نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ رات کیسے گذرے گی سائرہ۔" پروفیسر پھر کراہا۔

"آپ فکر نہ کیجئے۔ میں یہیں ٹھہروں گا۔" حمید نے کہا۔

"قیا کصہ ہے۔ قیا بات ہے۔ قیسا بچہ۔ قس کا بچہ۔" قاسم نے اکتائے ہوئے لہجے میں…

"میری بدنصیبی کا بچہ مسٹر۔" پروفیسر نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مگر سمجھ میں نہیں…
اتنا بڑا بچہ کیسے نکل آیا۔"

"ارے.... بدنصیبی میں بہت بڑے بڑے بچے نکل آتے ہیں۔" قاسم ٹھنڈی…

"ایک بار میرے چچا جان کی بھی بدنصیبی ہو گئی تھی۔ ایک ساتھ پانچ بچے۔ چچی جان بالکل …ی تھیں۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"اے.... تم چوپ راؤ۔" قاسم بھی غرایا۔ "قیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔"

"آپ نہیں سمجھے۔" پروفیسر رو میں کہتا گیا۔ "میں دراصل شتر مرغ کا بچہ نکالنا چاہتا تھا …ی انڈے سے۔"

"تو پھر قاہے کی پریشانی ہے۔ شتر مرغ کا بچہ اڑے گا نہیں تو کیا پیدل چلے گا۔" قاسم نے …لہجے میں کہا۔

"اوہ.... میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "شتر مرغ کی بجائے آدمی نکل آیا۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حمید نے کچھ دیر بعد وہیں سے فریدی کو فون کیا اور اُسے حالات سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ …رات بسر کر سکتا ہے یا نہیں۔

اجازت مل گئی۔ سائرہ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ دس بجے تک قاسم بھی وہیں رہا۔ سائرہ …نے بتایا کہ قاسم اتفاقاً ان کی انجمن کا سرپرست بن گیا تھا۔

"ہم لوگ اکثر بڑے ہوٹلوں میں انجمن کے لئے چندہ اکٹھا کرتے ہیں۔ بس یونہی لوگوں کی …ل پر چلے گئے اور وصول کر لیا۔" سائرہ نے کہا۔ "ایک دن آر لکچو میں مسٹر قاسم سے ملاقات …انہوں نے تین ہزار کا چیک دیا۔ اس سے پہلے کبھی یکمشت اتنی بڑی رقم نہیں ملی تھی۔ ان …ت سے گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ بالکل ہی کودن ہیں۔ دوسری لڑکیوں کی رائے ہوئی کہ …مستقل طور پر انجمن کا سرپرست بنا لیا جائے۔ اب ہم انہیں لیڈر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگی اور حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خیر اسے جانے دیجئے۔ اب آپ مجھے پروفیسر اور اُن …تجربات کے متعلق کچھ بتایئے۔"

"ڈیڈی کریک ہیں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بس اپنے کچھ سائنسدان دوستوں …ندہ میں یہ سب کچھ کاٹھ کباڑ پھیلا لیا ہے۔ مفت میں پیسے برباد کر رہے ہیں۔ اُوٹ پٹانگ کتابیں

پڑھ کر الٹے سیدھے تجربات کیا کرتے ہیں۔ بھلا سوچئے تو سہی! مصنوعی انڈے سے شتر
بچہ نکالنا۔"

"مگر کچھ نہ کچھ تو نکلا ہی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ تو دیکھ چکی ہیں اُس بچے کو۔"

"اس کے باوجود بھی میری سمجھ میں نہیں آتا! ابھی پچھلے ہی دنوں عربی زبان میں ایک نسخہ پڑھ رہے تھے اُس میں کہیں دو چار اوٹ پٹانگ باتیں نظر آگئیں۔ بس شروع کر دیئے تج مثلاً دہی اور گوبر ملا کر مٹی کی ہانڈی میں رکھ دیا اور فرمانے لگے کہ دس دن بعد اس میں بچ ہو جائیں گے۔ یا باغ میں جگہ جگہ کے سینگ دفن کر دیئے اور کہنے لگے کہ یہاں سرکنڈ پودے اُگیں گے۔ اب صبح شام اپنے ہاتھوں سے پانی دے رہے ہیں۔"

"لیکن آج تک کوئی تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں ہوا۔"

"مگر یہ آدمی کا بچہ۔"

"مجھے خوف ہے کہ ڈیڈی کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔"

"اس خیال کی وجہ۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسرے کمرے سے پروفیسر کی چیخ سنائی دی۔ حمید ریوالور کر جھپٹا۔

پروفیسر فرش پر اوندھا پڑا تھا اور اُس کی ایک ٹانگ میں رسی کا پھندا تھا جس کا دو روشندان سے کھینچا جا رہا تھا۔ لیکن کھینچنے والا شائد اتنا طاقتور نہیں تھا کہ پروفیسر کو اُس کی جگ جنبش بھی دے سکتا۔

سَرکلر ٹرینگل

حمید نے رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور خود عقب والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ سمجھا تھا کہ اُ

ے ساتھ ہی وہ بھی کھنچتا چلا آئے گا جس نے روشندان کے پیچھے رسی کا دوسرا سرا پکڑ رکھا لیکن وہ شائد اتنا ہی چالاک تھا کہ اُس نے رسی چھوڑ ہی دی اور حمید اپنے ہی زور میں دیوار جا ٹکرایا۔

"زندگی اجیرن کر دی اس ابلیس کے بچے نے۔" پروفیسر ہانپتا ہوا اٹھ رہا تھا۔

"کیا اس بار بھی وہی تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"پھر کون ہوگا۔" پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"آپ نے دیکھا نہیں تھا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے دیکھنے نہ دیکھنے سے! اُس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"معاف کیجئے گا پروفیسر۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر شتر مرغ کے انڈے سے کوئی بھی نکل پڑے تو رسی کے استعمال سے اتنی جلدی واقف نہیں ہو سکتا! کتنے گھنٹے گذرے گے اُس کی پیدائش کو۔"

"وہ کوئی آسیب ہے! کوئی بُری روح ہے۔"

"بس تو پھر اب اس تجربہ گاہ کو کسی خانقاہ میں تبدیل کر دیجئے۔ قوالی کرائیے! اللہ رحم ے گا۔"

"میرا مذاق مت اڑاؤ لڑکے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

حمید نے سارہ کی طرف دیکھا، جو خود بھی بہت بُرا سا منہ بنائے کھڑی تھی۔

"یہ کیا بوریت پھیلائی ہے ڈیڈی آپ نے! میں کل صبح ہی یہاں کا سارا سامان نیلام وا دوں گی۔"

"گولی مار دو نا مجھے! میں تو پرلے سرے کا گدھا ہوں۔" پروفیسر جھنجھلا گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ کو اس کے متعلق ذرہ برابر بھی تشویش نہیں ہے۔" حمید نے زہ سے کہا۔

"میں صرف اس غم میں دُبلی ہو رہی ہوں کہ ہر سال ہزاروں ٹن اناج چوہے کھا جاتے ہیں۔ ڈیڈی شتر مرغ پیدا کرنے کی بجائے چوہوں کی پیدائش روکنے کا کوئی مؤثر طریقہ ایجاد کرتے ...!"

"گھٹیا باتیں مت کیا کرو۔" پروفیسر غرایا۔

"کیپٹن! ہائے آج تو دہی بڑے کھانے کا موڈ تھا۔ دہی میں اچھی طرح ڈوبے ہوئے سرخ مرچیں پودینہ اور پیاز کے قتلے.... اور اوپر سے لیموں کا رس۔" سائرہ نے کہا اور پروفیسر طرف دیکھنے لگی جو کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلا رہا تھا۔

"منہ میں پانی آرہا ہے ڈیڈی۔" وہ ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "کتنی گھٹیا بات۔ بڑا سائنٹسٹ اور.... ہاہا.... ہاہا.... ہاہا....!" وہ پھر ہنسنے لگی۔

"بہت بکواس کرنے لگی ہو۔" پروفیسر نے جھینپے ہوئے ہوئے سے غصیلے انداز میں کمرے سے باہر چلا گیا۔

حمید چند لمحے سائرہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بہت رحم دل آدمی ہیں۔ میں ہوتا تو کھال گراد

"پتہ نہیں کس نے آپ کو تھانیدار بنا دیا ہے۔ آپ تو مویشی خانے کی محرری کے قابل نہیں ہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں محترمہ کہ یہ آپ کی شرارت ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی بچہ....!"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ آپ سے مویشی خانے کی محرری بھی نہیں سنبھل سکے گی" دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔

"کوئی آیا ہے شائد۔" سائرہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ حمید وہاں ٹھہر کرتا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے ہی برآمدے میں پہنچا تھا۔

"بی بی جی.... اب دوسرا پولیس ہے۔" چوکیدار آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "کارڈ دیا ہے۔"

سائرہ نے کارڈ لے کر نام بلند آواز میں پڑھا۔ "کرنل اے۔ کے فریدی۔" اور اس انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"مائی باس....!" حمید بولا۔

"خدا کی پناہ.... آپ ہی کیا کم تھے کہ اب باس بھی تشریف لائے ہیں.... خیر۔" وہ سانس لے کر چوکیدار کی طرف مڑی۔

"آنے دو....!" اُس نے کہا۔

کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں تھا اور سائرہ اُسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ حمید سے واقعات معلوم کر رہا تھا۔

"آپ پروفیسر کی صاحبزادی ہیں۔" حمید نے سائرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ....!" فریدی اب اس کی طرف متوجہ ہوا لیکن سائرہ نے بوکھلا کر اُس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔ وہ کچھ نروس سی نظر آنے لگی تھی۔

"میں پروفیسر سے ملنا چاہتا ہوں محترمہ....!" فریدی نے کہا۔

"جی اچھا....!" اُس نے جلدی سے کہا اور صدر دروازے میں مڑ گئی۔ اس وقت اس کی چال گھوڑے کی "سرپٹ" کا گمان ہو رہا تھا۔

حمید کباب ہو گیا۔ یہی لڑکی کچھ دیر پہلے اُسے کسی طرح گھستی رہی تھی اور اب؟ فریدی کو دیکھ کر نہ تو اُس نے انجمن ترقیٔ خواتین کے چندے کی رسید بک نکالی تھی اور نہ زبانی طراریاں ہی دکھائی تھیں۔

"یہ لڑکی بہت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں....؟"

"یہ بچہ شتر مرغ کے مصنوعی انڈے کی بجائے اس کی کھوپڑی سے نکلا ہے۔"

"مگر تم تو اُسے دیکھ چکے ہو۔"

"ہاں دیکھ چکا ہوں۔ مطلب یہ کہ اس نے کہیں سے کوئی شریر بچہ پکڑ کر پروفیسر کی مشین میں بند کر دیا ہوگا۔"

"مقصد....!"

"ایک سو پچاس روپے تو مجھ سے ہی وصول کر چکی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"جہاں کسی نے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا اس نے انجمن ترقیٔ خواتین کے چندے کی رسید بک نکالی۔ کل شائد یہ بڑا شاندار بزنس کرے کیونکہ صبح کے اخبارات میں یہ حیرت انگیز خبر ضرور آئے گی۔"

قدموں کی آہٹ پر حمید خاموش ہو گیا۔

پروفیسر خود ہی چلا آیا تھا۔ سائرہ اُس کے پیچھے تھی۔

"اوہ کرنل آپ نے بھی تکلیف فرمائی۔ میں بے حد مشکور ہوں۔" پروفیسر نے مصافحہ لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناوقت تکلیف دی۔"

"اوہ کچھ نہیں آیئے! اندر چلیں۔"

فریدی نے حمید کو وہیں ٹھہرنے اور لڑکی کو بھی روکے رکھنے کا اشارہ کیا۔ اُن دونوں مڑتے ہی سائرہ بھی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ٹھہریئے۔

وہ رک گئی اور اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے روکا جانا گراں گزرا ہو۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ کو اس پر ذرا سی بھی تشویش نہیں ہے۔" حمید نے یونہی گفتگو کے لئے کہا۔

"کیوں تشویش ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ پھر مسکرائی اور بھنویں سکوڑ کر بولی۔ "اگر کسی آ نے شتر مرغ کا انڈہ دیا ہوتا تو میں یقیناً پاگل ہو کر سر پیٹنے لگتی۔"

"مگر یہ شتر مرغ کا پٹھا آپ کی انجمن کے لئے بہت سود مند ثابت ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے....!" سائرہ نے پلکیں جھپکائیں۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"یہ خبر کل صبح کے اخبارات میں یقینی طور پر آئے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں ش اور نجیب الطرفین لوگوں کا جم غفیر نظر آئے گا۔ ہوسکتا ہے آپ اکیلے کام نہ کر سکیں اس انجمن کی کم از کم ایک یا ڈیڑھ درجن کارکنوں کو اسی وقت آگاہ کر دیجئے تاکہ وہ رسید بکیں لے صبح ہی صبح یہاں پہنچ جائیں۔"

"گڈ....!" وہ چٹکی بجا کر پُر مسرت لہجے میں بولی۔ "اس مشورے کا بہت بہت شکریہ۔ ابھی جوائنٹ سیکریٹری کو فون کرتی ہوں۔"

"لیکن ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ آپ لوگوں نے یہ ف محض اسی لئے کیا ہے۔"

"ہوں! سمجھی۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "آپ یہی سمجھتے ہیں۔"

"نہیں دوسروں کے بارے میں کہہ رہا تھا۔"

"آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟"

"میں نہایت بدذات آدمی ہوں! اس لئے میری ذاتی رائے محفوظ ہی رہنے دیجئے۔"

دفعتاً پھاٹک کی طرف سے آواز آئی۔ "ابے اب تق یہیں مر رہے ہو۔"

"اوہو....!" سائرہ چونک کر بولی۔ "یہ حضرت پھر واپس آگئے۔ غالباً مخاطب آپ ہی ہیں نی بے تکلفی ہے آپ دونوں کے درمیان۔"

"پھاٹک نہ کھلنے دیجئے گا۔" حمید نے کہا۔

"واہ.... اس بوریت میں اس سے بہتر تفریح اور کیا ہو سکتی ہے۔" اُس نے کہا اور پھر یدار کو آواز دی۔ "گل خان پھاٹک کھول دو۔"

پھاٹک کے قرب وجوار میں اندھیرا تھا اس لئے انہوں نے پھاٹک کھلنے کی آواز تو سنی لیکن م اُس وقت تک نہیں دکھائی دیا جب تک برآمدے کے قریب روشنی میں نہیں آگیا۔

"آیئے.... آیئے۔ خرپرست صاحب۔" حمید نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے اُس کا استقبال کیا۔

لیکن قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر ضرورت سے زیادہ بیزاری ظاہر کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے س کی صورت دیکھنے کا روادار نہ ہو۔

لیکن پھر یک بیک چونکا اور آنکھیں نکال کر بولا۔ "قیا.... قیا! خرپرست۔"

"نہیں تو.... بھلا خرپرست کے کیا معنی ہوئے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں مسٹر قاسم! یہ جھوٹے ہیں۔" سائرہ بولی۔ "انہوں نے خرپرست ہی کہا تھا۔"

"ابے میں تمہارا کھون پی جاؤں غا سمجھے۔"

"اور پیتے ہی مر جاؤ گے! کیونکہ میرا خون بالکل سفید ہو چکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیجئے! اب خون بھی سفید ہو گیا۔" سائرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیسی کیسی گالیاں دے ہے ہیں۔"

قاسم کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں۔ حمید نے سوچا کہیں بالکل ہی پڑیا سے باہر نہ ہو جائے! ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ سب کچھ ہو جاتا جسے حمید ایک لڑکی موجودگی میں ہرگز پسند نہ کرتا۔

دفعتاً اُس نے قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا گلہری سے۔"

پہلے تو قاسم کے چہرے پر بدحواسی کے آثار نظر آئے اور پھر یک بیک ہنس پڑا۔ "پہاڑ... ہی ہی ہی... غلہری... ہاہا... ہاہا... واہ... حمید بھائی... واہ...!"

"کیا بات ہوئی۔" سائرہ نے متحیرانہ انداز میں باری باری سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" قاسم بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "حمید بھائی بڑے دلچسپ آدمی ہیں! پہاڑ کہتے ہیں... اور آپ غلہری ہیں... ہی ہی ہی...!"

سائرہ مایوسانہ انداز میں کچھ بڑبڑائی جیسے کہہ رہی ہو۔ "یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

لیکن حقیقتاً دوسری طرف بہت کچھ ہو گیا تھا۔ قاسم اسے پسند نہیں کرتا تھا کہ کسی لڑکی سامنے اُس کی بیوی یا شادی شدہ زندگی کا حوالہ دیا جائے۔ اس وقت حمید نے اُس کو قابو میں ر ہی کے لئے پہاڑ اور گلہری کی گویا دھمکی دی تھی۔

دفعتاً راہداری سے قدموں کی آوازیں آئیں اور فریدی برآمدے میں داخل ہوا۔ اُس ساتھ پروفیسر بھی تھا لیکن حمید کو اُس کا چہرہ اترا ہوا سا نظر آیا۔

"تم نے رسی والے معاملے کے متعلق پوری طرح چھان بین نہیں کی تھی۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نن... نہیں۔"

"اوپر... قدموں کے جو نشان ملے ہیں وہ کسی بچے کے نہیں ہو سکتے... اوہ۔" فرید یک بیک قاسم کی طرف مڑا۔ "آپ یہاں کیسے۔"

"جج... جی... مم... میں سرپرست ہوں۔" قاسم نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"کیا مطلب...!"

"آپ انجمن ترقی خواتین کے سرپرست ہیں۔" حمید بولا۔

"بے بی۔" پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم شہر جاؤ۔ کچھ دن آنٹی کے ساتھ ر

"کیوں؟ کیا بات ہے ڈیڈی۔" سائرہ چونک سی پڑی۔

"میرا خیال ہے کہ میں کسی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"تو میں آنٹی کے یہاں کیوں جاؤں نہیں نہیں میں یہیں رہوں گی۔"

"اچھا تو اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں! کیا مصیبت ہے۔" وہ پیر پٹخ کر بولی۔

"سائرہ! میری الجھنوں میں اضافہ نہ کرو۔ جاؤ۔"

دفعتاً فریدی چونک کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور سائرہ اتنی تیزی سے راہداری کی طرف تھی کہ حمید سمجھا شائد دیوار سے ٹکرا جائے گی۔ وہ سیدھی اندر چلی گئی۔

"اب آپ بھی تشریف لے جائیے۔" فریدی نے قاسم سے کہا۔ "رات زیادہ گذر چکی ہے۔"

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے برآمدے کے زینوں سے نیچے اترتا چلا گیا۔ چند لمحے خاموشی گذرے۔

"میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فرمائیے... فرمائیے۔"

"اندر چلئے۔" فریدی نے کہا اور پروفیسر راہداری میں مڑ گیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ پروفیسر کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا ے اب وہ کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

فریدی نے ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے کہا۔ "آپ نے صاحبزادی سے فرمایا تھا کہ اپنے خیال طابق آپ کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں... میں نے کہا تھا۔"

"میں آپ کے اس خیال کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کھلی ہوئی چیز ہے۔ آخر آدمی کا بچہ کیسے نکل آیا۔"

"تو شتر مرغ ہی کا بچہ نکل آتا۔" فریدی نے اُسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کسی پاگل گفتگو کر رہا ہو۔

"اٹھارہ سو تراسی عیسوی میں برٹن کارلوس نے بھی یہی تجربہ کیا تھا لیکن بعض خامیوں کی بناء وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"برٹن کارلوس کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔ "میں نے یہ نام پہلی بار سنا ہے۔"

"وہ برٹن کارلوس ہی تھا۔ اُسے ہم کسی دوسرے نام سے نہیں یاد کر سکتے۔"

"تڑاخ....!" پروفیسر کی شفاف کھوپڑی پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ کرسی سمیت فریدی ہوتا ہوا چیخا۔ "دیکھا! دیکھا.... خدا غارت کرے۔"

ننھا چھلاوہ حمید کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر پھر پلٹا اور پروفیسر کی کھوپڑی پر دو جھاڑ دیا۔ فریدی پروفیسر کے نیچے تھا۔ حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر چھلاوے کے پیچھے لیکن اس بار وہ سیدھا صدر دروازے کی طرف گیا تھا۔ حمید نے اُسے پائیں باغ کے اندھیر گم ہوتے دیکھا۔

"کدھر گیا۔" فریدی نے پوچھا۔ حمید اس کی آواز سن کر مڑا لیکن اُس کے ہو مسکراہٹ دیکھ کر نہ جانے کیوں جھنجھلا گیا۔ پروفیسر بھی لنگڑاتا ہوا ادھر ہی آ رہا تھا۔

حمید نے پائیں باغ کے تاریک گوشے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

"مشکل ہے۔ وہ اس طرح ہاتھ نہیں آ سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "پروفیسر اچھا فرنیکہ کیا ہے آپ نے؟"

"ڈاکٹر ڈوہرنگ نے مجھے تباہ کر دیا۔" پروفیسر ہانپتا ہوا بولا۔ "اس تجربے کا مشورہ اُسی نے

"یہ کون بزرگوار ہیں۔"

"میرا ایک جرمن ملاقاتی.... آج کل یہیں مقیم ہے۔"

"اُس کی کیا کوالیفیکیشن ہے۔"

"خدا جانے۔ میں اُس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے تو اُس کی صورت ہی سے د ہوتی ہے۔ بس زبردستی دوست بن بیٹھا تھا۔"

"بہت بدصورت آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اُس کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ فاختہ کے انڈے سے برآمد ہوا ہو۔" حمید بول پڑا۔

"واہ....!" پروفیسر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ بولا۔ "اُس کے پر مونچھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں نظر آتا۔"

"اوہ....!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آنکھیں تو آج تک دیکھی ہی نہیں۔ عینک اتنے بڑے شیشوں کی لگاتا ہے کہ آدھی پیشانی وں کی ہڈیاں ڈھک جاتی ہیں۔"

"اور غالباً چال میں ہلکی سی لنگراہٹ بھی پائی جاتی ہو گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ تو آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"اس سوال کا جواب مشکل ہے۔" پروفیسر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ وہ اپنے بتائے ہوئے بھی نہیں ملا! جب بھی ملاقات ہوئی اس سے کہا گیا کہ وہ فلاں جگہ نہیں ملا تھا فوراً ہی کہے گا آپ کو بتانا بھول گیا تھا کہ میں فلاں ہوٹل میں رہتا ہوں۔"

"کسی نے اُسے آپ سے ملایا تھا یا وہ خود ہی ملنے آیا تھا....؟"

"بس خود ہی آیا تھا۔" پروفیسر نے لاپروائی سے کہا جیسے اس کے مقابلے میں خود کو زیادہ دیتا ہو۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹر داؤد سے بھی آپ کی جان پہچان تھی۔"

"ڈاکٹر داؤد۔" پروفیسر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ "کیا آپ اُس ڈاکٹر داؤد کے میں پوچھ رہے ہیں جو پچھلے دنوں قتل کر دیا گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہی....!"

"بس یونہی رسمی سے تعلقات تھے۔" پروفیسر نے کہا اور بیک بیک ہنس پڑا۔ ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر بعد بولا۔ "یقینی طور پر پولیس چکر میں پڑ گئی ہو گی کہ آخر یہ اُلو مثلث اور دائرہ کیا بلا ہیں۔"

"ظاہر ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"اُسے پچھلے کچھ دنوں سے خبط ہو گیا تھا کہ وہ سرکلر ٹرینگل بنا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے ہے مرتے وقت اُس نے اپنی حماقت تسلیم کرتے ہوئے اپنے اُلو ہونے کا اعلان کیا ہو اور ئے کیا ہو کہ سرکل اور ٹرینگل کبھی ملی جلی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔ الگ ہی الگ رہیں گے یا رکل کے اندر ٹرینگل یا ٹرینگل کے اندر سرکل.... لیکن نہ وہ ٹرینگل سرکل کہلائے گا اور نہ ٹرینگل....!"

قاسم کی شامت

فریدی ہنس پڑا۔ لیکن پروفیسر اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس طرح ہنس کر نے اُس کی توہین کی ہو۔

"ہم لوگ خواہ مخواہ اتنے دنوں سے سر مار رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "آپ نے چٹکی بجا مسئلہ بھی حل کر دیا۔"

"اسکے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی! میرا دعویٰ ہے۔" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا

"اُس سے قاتل کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر کسی اُلّو ہی نے اُسے قتل کیا ہوگا۔" پروفیسر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش د پھر اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی بہت ہی پُر مذاق جملہ کہہ کر داد کا طالب ہو۔

"ڈاکٹر ڈوہرنگ سے ڈاکٹر داؤد کے کیسے تعلقات تھے؟"

"میں کیا بتا سکوں گا اس سلسلے میں۔"

"کبھی آپ نے انہیں ساتھ بھی دیکھا تھا....؟"

"نہیں؟"

"لیکن یہ بات آپ نے پھر بھی نہیں بتائی کہ آپ کو کسی سازش کا خیال کیوں پیدا ہوا"

"شتر مرغ کے انڈے سے آدمی کا بچہ کیوں نکلا! اور پھر اتنا بڑا بچہ کہ دس انڈوں میں سما سکے۔"

"چلیے! تسلیم کر لیا۔ لیکن اس تجربے کا انجام دیکھنے کیلئے شہری حکام کو کیوں مدعو کیا گیا تھا"

"وہ میرے احباب تھے! انہیں ایسے تجربات سے دلچسپی ہے۔"

"کیا پہلے بھی آپ کا کوئی تجربہ کامیاب ہو چکا ہے۔"

"ہاں میں نے بچھو پیدا کئے تھے! ایسے چوہے پیدا کئے تھے جو چتکبرے یعنی سفید اور سیاہ"

"بچھو اکثر شریر بچے بھی پیدا کر لیا کرتے ہیں اور چت کبرے چوہے! دو مختلف اقسام کے چوہوں کی کراس بریڈنگ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

"آپ خواہ مخواہ سائنس میں اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہے ہیں۔" پروفیسر غصیلی آواز میں بولا۔

"یہ سائنس ہے یا مسخرہ پن! مجھے حیرت ہے کہ آج تک کسی نے آپ کی طرف دھیان یوں نہیں دیا۔"

"کیا مطلب....!"

"آپ تین دن کے اندر اندر اپنے ذرائع آمدن کے متعلق تفصیلات میرے دفتر میں پہنچائیے!"

"بہت ہو چکا۔" پروفیسر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ "بہت ہو چکا! براہِ کرم تشریف لے جائیے۔"

"ڈیڈی۔" سائرہ کی آواز پر وہ چونک پڑے۔ وہ بائیں جانب والے دروازے میں کھڑی فیسر کو گھور رہی تھی۔ پھر اُس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہمارے ذرائع آمدنی کی یلات آپ کو انکم ٹیکس آفس سے مل جائے گی! یہاں کسے اتنی فرصت ہے کہ چارٹ بناتا پھرے!"

فریدی کی نظر پروفیسر کے چہرے پر تھی۔ اُس نے ایک بار بھی لڑکی کی طرف نہیں دیکھا ا۔ اُس کے اس رویے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بات اُسے مخاطب کر کے نہ کہی گئی ہو۔

یک بیک وہ پھر پروفیسر سے بولی۔ "ڈیڈی... تم نے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کا تذکرہ ں کیا؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم سے ہر ایک کا تذکرہ کیا جائے۔" پروفیسر جھلا کر بولا۔

"ڈیڈی....!" سائرہ نے پھر آنکھیں نکالیں اور حمید آنکھیں مل مل کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اچھا تو تم ہی مغز کھپاؤ ان لوگوں سے.... میں جہنم میں جا رہا ہوں۔" پروفیسر اٹھا اور کمرے نکلا چلا گیا۔ حمید نے سائرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور غیر ارادی طور پر اپنے ہونٹ نے لگا۔

"پور اولڈ تھنگ (Poor Old Thing)۔" سائرہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا واقعی جہنم میں گئے ہیں۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

"دیکھئے میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں! بعض لوگوں کی ضد میں ئنٹسٹ بن بیٹھے ہیں اور ہزاروں روپے مفت میں برباد کر رہے ہیں۔ بس سنک ہی تو ہے۔ لیکن پھر! یا تو یہ کسی شرارت کا نتیجہ ہے یا ڈیڈی سچ مچ کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ اپنے ڈیڈی کی طرف سے غیر مطمئن ہی رہتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے فریدی کی آنکھوں سے بچتے ہوئے کہا۔ نہ

جانے کیوں وہ اس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر رہی تھی۔

"اگر آپ غیر مطمئن نہیں تو پھر چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"اگر نہ سنتی تو آپ نہیں معلوم کتنا غلط اثر لے کر یہاں سے جاتے۔"

"بہر حال آپ غیر مطمئن ہیں اور شائد آپ نے اُن پر کئی طرح کی پابندیاں بھی لگا رکھی ہیں۔"

"آپ سچ مچ اچھے بھلے آدمی کو غصہ دلا سکتے ہیں۔" سائرہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہمارے نجی معاملات میں آپ کیوں دخل اندازی کر رہے ہیں۔"

"لیکن اگر کل یہ مشینی بچہ شہری نظم و نسق میں دخل انداز ہوا تو پروفیسر کہاں ہوں گے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ڈیڈی ہی کا کیا حشر کر رہا ہے۔"

"اچھا محترمہ.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمیں یہاں پھر آنا پڑے گا۔"

سائرہ برآمدے تک اُنکے ساتھ آئی تھی۔ لیکن شائد اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا کیونکہ جس زندہ دلی کے ساتھ اُس نے حمید کا استقبال کیا تھا اتنی ہی بے دلی سے "الوداع" کہی تھی!

پھاٹک کے قریب پہنچ کر حمید نے کہا۔ پتہ نہیں وہ کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ بس اسی طرح سامنے آیا تھا جیسے اچانک بجلی سی چمک گئی ہو۔

"اس کے صوفے کے پیچھے تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن پہلے میری نظر بھی نہیں پڑی تھی۔ باپ بیٹی میرے لئے ایک نئی الجھن بن گئے ہیں۔ اب پروفیسر غوری کے متعلق بھی چھان کرنی پڑے گی۔"

"اس نے ڈاکٹر ڈوہرنگ کا جو حلیہ بتایا تھا میجر والٹن کے حلئے سے مختلف نہیں معلوم؛ اور تجربے کا مشورہ بھی اُسی نے دیا تھا۔"

"سبھی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

چوکیدار نے پھاٹک کھولا۔ لیکن اپنی گاڑی پر نظر پڑتے ہی حمید بوکھلا گیا۔ پچھلے دونوں پہیوں کی ہوا نادارد تھی۔ فریدی کی لنکن صحیح و سلامت ملی! حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ قاسم کی حرکت ہو سکتی ہے۔ مجھے یہاں دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔"

چوکیدار کو بتا کر حمید کی کار وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ لنکن میں بیٹھ گیا۔



جیری اپنے باس کے متعلق الجھن میں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ بھی نیاگرہ ہی میں رہتا ہے۔ لیکن اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے لمحے میں اُس سے کہاں ملاقات ہو گی! مثال کے طور پر اگر اُسے فون کال کے ذریعہ کمرہ نمبر دس میں طلب کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ کمرہ نمبر دس ہی میں رہتا ہو گا ایک گھنٹہ بعد اسی کمرے میں اُسے کوئی دوسرا آدمی نظر آتا۔ پھر بھلا جیری میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس دوسرے آدمی سے اسکے متعلق کچھ پوچھ سکتا۔

باس کے تصور ہی سے اُس کا دم نکلتا تھا۔ پتہ نہیں خود اُسے ہی کب امتیازی تمغہ نصیب ہو جائے! اپنے اس ساتھی کی موت اسے ابھی تک نہیں بھولی تھی جسے باس نے امتیازی تمغہ عطا کیا تھا اور پھر اُسے اپنے دو ساتھیوں سمیت اس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑی تھی۔ وہ کتنا خطرناک کام تھا لاش کو توڑ مروڑ کر صندوق میں بھرنا اور بھرے پُرے ہوٹل سے نکال لے جانا۔

اس وقت بھی وہ اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ظاہر تھا کہ یہاں باس کے علاوہ اور کون اُسے فون کرتا۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

"کمرہ نمبر آٹھ میں ملو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"او کے.... باس....!" اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرہ نمبر آٹھ کے دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔

"آجاؤ....!" اندر سے آواز آئی۔

حالانکہ کمرے میں دھوپ کا گذر بھی نہیں تھا لیکن باس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بدستور موجود تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس غیر معمولی عینک کو دیکھ کر اُسے بڑی شدت سے گھٹن محسوس ہونے لگتی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" باس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ خلاف معمول اس کا لہجہ نرم تھا۔ جیری کانپ گیا کیونکہ اس کا نرم لہجہ عموماً موت ہی کی آواز ثابت ہوتا تھا۔

"رپورٹ....!" باس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کل رات میں اس وقت تک وہاں رہا جب تک کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید وہاں سے

چلے نہیں گئے تھے۔ پروفیسر غوری نے انہیں بتادیا ہے کہ اس تجربے کا مشورہ ڈاکٹر ڈوہرنگ نے دیا تھا اور اُس نے انہیں آپ کا حلیہ بھی بتایا تھا۔“

”یہ خاصی نامعقولیت ہوئی ہے۔“ باس بولا۔

”بچے نے ایک بار فریدی کی موجودگی میں بھی پروفیسر کی مرمت کی تھی۔“

”اوہ یہ بچہ! پتہ نہیں کم بخت کیا بلا ہے۔“

”وہ اُسی انڈے سے نکلا ہے باس....!“

”بکواس ہے۔ وہ تجربہ ہی بکواس تھا۔“

”اوہ.... تو پھر.... میں تو سمجھا تھا۔“ جیری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”میں نہیں جانتا۔ وہ کیا بلا ہے۔“

”اور ہاں جناب! اُلو مثلث اور دائرے کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔“

”وہ کیا....!“ باس چونک پڑا۔

”آپ کے تذکرے کے بعد ڈاکٹر داؤد کا تذکرہ نکل آیا تھا۔ فریدی نے پروفیسر سے پوچھا کہ کیا اُس نے کبھی آپ کو اور داؤد کو ساتھ بھی دیکھا تھا۔ پروفیسر نے نفی میں جواب دیا۔ پھر مثلث اور دائرے کی بات چھڑ گئی۔ پروفیسر نے بتایا کہ ڈاکٹر داؤد اُن دنوں کسی سرکلر ٹرینگل کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو قطعی ناممکن ہے لہٰذا پروفیسر کی دانست میں اُس نے مرتے وقت اپنے اُلو ہونے کے اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اعلان کیا تھا کہ مثلث اور دائرہ دو مختلف النوع اشکال ہیں۔ وہ ایک دوسرے میں ضم ہو کر کبھی کوئی تیسری شکل نہیں اختیار کر سکتیں۔“

”بکواس ہے۔“ باس نے بُرا سا منہ بنایا پھر بولا۔ ”فریدی نے اس خیال پر رائے زنی کی تھی نہیں۔“

”اس نے بھی اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی تہہ تک ضرور پہنچے گا۔“

”باس ایک بات کہوں۔“ جیری خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”یوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری موت بھی آپ ہی کے ہاتھوں آئے گی۔“

”یہ بھی بکواس ہے۔ میں اسی وقت زندگیوں سے کھیلتا ہوں جب مجھے یقین ہو جائے کہ“

لئے نقصان دہ ہیں۔ تمہارے متعلق میں نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں سوچی۔“

”میں کہنا چاہتا ہوں باس کہ فریدی ایک خوشرنگ سانپ ہے لیکن انتہائی زہریلا۔“

”ہو سکتا ہے؟“ باس نے لاپروائی سے کہا۔ ”تو پھر....!“

”اُسے راستے سے ہٹادینا چاہئے۔“

”پتہ نہیں تم لوگ اُس سے کیوں خائف ہو۔“

”اس شہر میں کامیابی کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ فریدی کو ہماری راہ میں حائل ہونے کا موقع نہ ملے۔“

”اوہ۔ ختم کرو۔ میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ پچھلے سارے کارناموں پر خاک پڑ جائے گی۔ ابھی تک گدھے ہی ملتے رہے ہیں۔“

”باس کی مرضی۔“

”پروفیسر غوری پر کڑی نظر رکھو۔ وہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ میں اُسے پرلے سرے کا احمق ہی سمجھتا تھا۔“

”مجھے بھی وہ احمق ہی معلوم ہوتا ہے.... البتہ اُس کی لڑکی....!“

”اپنی موت کو آواز نہ دینا۔“ باس ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی آدمی عورتوں کے چکر میں پڑ کر میرے لئے کسی قسم کا مسئلہ بن جائے۔“

”میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا باس کہ وہ بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے پروفیسر پوچھا تھا کہ اُس نے اُسے کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کے متعلق کیوں نہیں بتایا! پروفیسر شائد اُس سے ابھی ہے ایسے باپ بیٹی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرے۔“

”اُس کی لڑکی کے متعلق بہت زیادہ نہ سوچو۔ اس سے بیماری جڑ پکڑ سکتی ہے۔“

”نہیں باس مجھے لڑکیوں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔“

”لیکن سوال تو یہ ہے کہ پروفیسر نے انڈے کی آڑ میں یہ فراڈ کیا ہی کیوں؟“ باس کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اگر آپ بھی اُسے فراڈ ہی تصور کرتے ہیں تو مجھے بھی پروفیسر کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنی پڑے گی۔“

"یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ یہ بچہ کیا بلا ہے۔"



حمید کو بھی انجمن ترقیٔ خواتین کی طرف سے جلسے میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس کی نوعیت اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یعنی وہ تھا تو خواتین کا جلسہ لیکن اُس میں مرد بھی کئے گئے تھے۔ کارڈ پر تحریر تھا کہ جلسے کی صدارت مسٹر قاسم آف عاصم ملٹی انڈسٹریز فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جلسہ بھی فنڈ ہی بٹورنے کے لئے منعقد کیا جارہا ہو۔ حمید نے سوچا بہ اُسے تو شرکت کرنی ہی تھی کیونکہ جلسے کی صدارت قاسم کرنے والا تھا۔

اُسے پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ کی وہ رات نہیں بھولی تھی جب اُس کی گاڑی کے پچھلے ہوا سے محروم ہوگئے تھے۔ لہٰذا ہر صورت میں قاسم سے بدلہ لینا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچنے سے گھنٹے قبل وہ قاسم کی کوٹھی پر جا دھمکا۔ لیکن قاسم سے وہاں ملاقات نہ ہو سکی۔ باتوں ہی باتوں اس کی بیوی سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس بیچاری کو کیا پتہ کہ اس کا عورتوں کی کسی انجمن کا سرپرست بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے کسی جلسے کی صدارت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حمید کی زبانی کسی ایسی بدعت کی اطلاع پا کر وہ سناٹے میں آگئی۔ پھر پہلے خیال ظاہر کیا کہ حمید اُسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن پھر اُس صورت میں یقین آتا جب حمید نے جیب سے دعوت نامہ ہی نکال کر اُس کے سامنے پٹخ دیا۔ وہ بہت ہنسی پھر کہ وہ بھی کیوں نہ اُس جلسے میں شرکت کرے۔ دعوت نامہ کیپٹن حمید اینڈ مسز حمید کے تھا۔ اس لئے ایک عورت کی گنجائش بہرحال نکل سکتی تھی۔ "مسز حمید" پر اُس نے بُرا سا منہ

"اوہ.... بہن یا بیٹی بن کر تو چل ہی سکو گی۔" حمید نے کہا اور "مسز" کو "مس" بنا دیا طرح کیپٹن اور مس حمید جلسہ گاہ میں پہنچے۔ نشستوں کا انتظام بڑے سلیقے سے کیا گیا تھا۔ اس وہ اپنی مخصوص کرسیوں پر پہنچا دیئے گئے۔ جلسے کی کاروائی شروع ہو چکی تھی۔ مگر جناب ابھی تک تشریف نہیں لائے تھے۔ اُن کے پہنچنے کے پانچ یا چھ منٹ بعد صدر کی آمد کا غلغلہ حاضرین اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔ عجیب سا ہنگامہ برپا ہو گیا اور کسی لڑکی نے بلند آواز میں جملہ چست کیا۔ "یہ صدر ہیں یا غدر.....!"

لیکن قاسم اس وقت غدر سے بھی کوئی اونچی چیز معلوم ہو رہا تھا۔ خود اُس کی بیوی نے

بہت سے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ شیروانی میں وہ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی منارہ پر غلاف چڑھا دیا گیا ہو۔ حمید نے اُسے آج تک شیروانی اور شلوار میں نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ پگڑی! قاسم کی بیوی کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا کیونکہ پگڑی نے اُسے بالکل ہی کارٹون بنا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی سی دیر میں وہ بہت زیادہ بور نظر آنے لگی۔ کیونکہ پھبتیوں اور فقروں کی بھرمار بڑھتی رہی تھی۔ کچھ بھی ہو وہ اُس کا شوہر ہی تھا۔

"آپ مجھے اسی لئے لائے تھے حمید بھائی۔" اُس نے بسور کر کہا۔ "خدا انہیں عقل دے۔"

"میں صرف یہ دکھانے کے لئے لایا تھا کہ یہ کتنا عقلمند ہے۔ اگر احمق ہوتا تو گھر ہی سے پگڑی باندھ کر آتا۔"

"گھر سے تو اچھے بھلے گئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے پاس اس قسم کا بھی لباس ہوگا۔ آخر یہ پگڑی کیوں باندھی گئی ہے۔"

"قوم کی لیڈری ہی ٹھہری۔ اس میں بہرحال حقہ بننا پڑتا ہے۔"

کسی نہ کسی طرح شور کم ہوا۔ دو چار نظمیں پڑھی گئیں۔ سیکریٹری (سائرہ) نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ صدر کا تعارف ہوا۔ سائرہ نے بتایا کہ کس طرح چندے کی معمولی اپیل پر جناب صدر نے یکمشت تین ہزار کا عطیہ دیا تھا۔

"خدا کی پناہ۔" قاسم کی بیوی بڑبڑائی۔ "باہر اس طرح روپے اڑائے جاتے ہیں اور مجھ سے کہا جاتا ہے کہ کفایت شعار بنو۔"

خدا خدا کر کے خطبہ صدارت کی باری آئی اور قاسم کی بیوی الجھ کر بولی۔ "میں تو جا رہی ہوں حمید بھائی۔"

"واہ.... اصل کہانی تو اب شروع ہوگی۔"

قاسم کھڑا ہوا۔ مگر وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ کبھی ہنسنے کے سے انداز میں دانت نکل پڑتے اور کبھی ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے جاتے۔ مائیک کا اسٹینڈ اس انداز میں پکڑ رکھا تھا جیسے اُسے چبا ہی جائے گا۔

پھر بمشکل تمام اس کے حلق سے آواز نکلی۔ "خواتین و خواتان۔"

"ہیر ہیر....!" مجمع نے تالیاں پیٹیں۔

غالباً قاسم اس وقت خود شناس بننے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے اور زیادہ بوکھلاہٹیں ہو رہی تھیں۔ "خواتین خواتان" غالباً اُسے غلط معلوم ہوا تھا لہٰذا اُس نے دوسری بار "حاضر حاضرات" کی ہانک لگائی۔ قہقہوں سے پنڈال اڑا جا رہا تھا۔ قاسم نے نروس ہو کر بولنا شروع کر
"جی ہاں میں صدر بننے کے لائیک نہیں تھا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے صدر اَلا قسم.... میں بالکل .... بالکل .... اُلو کا پٹھا.... ارے باپ رے۔" اس نے دونوں ہا سے منہ دبا لیا۔ پھر بہت زیادہ زور سے بولنے لگا۔ "جی تین ہزار کیا آپ پر تو تین لاکھ نثار ہیں قسم اتنا جی چاہتا ہے کہ کھواتین ترقی کریں جی ہاں۔ آپ لوگ کرکٹ بھی کھیلا کیجئے۔ بڑی جان ہے بدن میں! اور قیا قہوں! میں اب کھوب جی کھول کر چندہ دوں گا۔ ٹھینگے سے کوئی کچھ کہا کرے۔
"ہمیئر ہمیئر.... قاسم صاحب زندہ باد۔"
قاسم نے کسی پرجوش مرغ کی طرح گردن اونچی کی اور بولا۔ "نہیں ابھی جندہ باد نہ ابھی مجھے خدمت کرنے دیجئے۔ میں آپ سب کے لئے پاگل ہو جانا چاہتا ہوں.... مطلب .... مطلب یہ کہ.... جی ہاں! کھوب ترقی کیجئے۔ اگر کوئی آپ کو ترقی نہ کرنے دے تو بتایئے۔ سالے کا سر پھاڑ دوں گا۔"
"دھوبی ہے۔" مجمع سے کسی نے ہانک لگائی۔
اس ریمارک پر قاسم کا منہ ذرا سا نکل آیا اور پھر یک بیک اُس کی آنکھیں چنگاریاں بر لگیں۔ چہرہ چقندر ہو گیا اور وہ میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ "کون ہو بیٹا! جرا سامنے تو آنا۔"
ٹھیک اُسی وقت ڈائس کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی کھوپڑی ابھری! پھر کوئی اچھل کر قا آیا اور اُس کے دونوں ہاتھ اس کی "سربند" کھوپڑی پر پڑے۔ دوسرے ہی لمحے میں قا سمیت ڈائس کے نیچے تھا۔
حمید اچھل کر ڈائس کی طرف جھپٹا کیونکہ یہ تو وہی لڑکا تھا جس کی پیدائش پروفیسر غور بیان کے مطابق مشینی طور پر ہوئی تھی۔
اس لڑکے کی کہانی پچھلے دو دنوں میں اس بُری طرح مشہور ہوئی تھی کہ شہر کا بچہ بچ سے واقف تھا۔ لیکن اس وقت کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ وہی ہوگا۔ لوگ عموماً یہی تھے کہ وہ کوئی شریر بچہ ہی تھا جو قاسم کی کھوپڑی پر دوہتڑ رسید کر کے ڈائس کے پیچھے والی

پھلانگ گیا تھا۔
حمید نے بھی بڑے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن قنات کی دوسری طرف پہنچ کر اس نے میدان صاف پایا۔ بعض لوگوں سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی لڑکے کو قنات پھلانگتے دیکھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی اس کی راہِ فرار کے متعلق کچھ نہ بتا سکا۔
جلسہ درہم برہم ہو چکا تھا۔

بلڈ ہاؤنڈ

بالآخر پروفیسر غوری کی شامت آہی گئی کیونکہ وہ مشینی بچہ شہر والوں کے لئے مستقل دردِ سر ن کر رہ گیا تھا۔ راہ چلتے لوگوں کے ہاتھوں سے چیزیں چھینتا اور یہ جا.... وہ جا نظروں سے غائب! ا کی لاگو بندر کا رول ادا کر رہا تھا۔ لیکن اسی دوران میں کچھ بڑی وارداتیں بھی ہو گئیں۔ مثلاً ب فرم کا خزانچی ایک بڑی رقم بینک میں جمع کرنے جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بنک کی کمپاؤنڈ میں کار ے اترا۔ مالتی کی جھاڑیوں سے اُسی بچے نے اس پر چھلانگ لگائی اور نوٹوں کا تھیلا چھین کر نو دو ارہ ہو گیا۔ اسی طرح ایک بڑے صراف کو بھی کچھ بہت ہی قیمتی زیورات سے ہاتھ دھونے ے تھے۔
ظاہر ہے ایسی صورت میں پروفیسر غوری کی جان کیسے چھوٹتی۔ اُسے کوتوالی طلب کر لیا گیا۔ ن پروفیسر کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں تھا کہ اُس نے یہ سمجھ کر تجربہ نہیں کیا کہ اُس کے نتائج آدمی کے بچے کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ فریدی نے اس سے کوئی سوال نہ کیا اُس کی دانست میں بھی وہ ایک نیم خبطی آدمی تھا۔ سائرہ بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ لن اُس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی پریشانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔ پروفیسر کا بیان تحریر کیا گیا کے اختتام پر پروفیسر نے اپنے دستخط کئے۔ پھر فریدی نے کئی سادہ کاغذات پر بھی اُس کے خط لئے۔ سائرہ نے اس پر احتجاج کیا۔
"آپ مطمئن رہیں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ دستخط غلط طور پر استعمال نہیں کئے جائیں گے۔ ں آپ کو لکھ کر دے سکتا ہوں کہ میں نے پروفیسر کے کچھ دستخط سادہ کاغذات پر لئے ہیں۔"

اُس نے اس قسم کی ایک تحریر سائرہ کو دے بھی دی۔

نہ جانے کیوں حمید کی خواہش تھی کہ سائرہ اور پروفیسر کسی الجھن میں نہ پڑنے پائیں۔ سے اُس نے سائرہ کو دیکھا تھا وہ ایک پل کے لئے بھی اُس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی طرف وہ اُن دونوں کو فراڈ بھی سمجھتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجرم وا کٹہرے میں کھڑے ہوں۔

کچھ بھی ہو۔ پروفیسر کا شمار معززین شہر میں ہوتا تھا۔ اس لئے یہی طے کیا گیا کہ اُسے ا شہری اقامت گاہ میں وقتی طور پر نظر بند کر دیا جائے اور تجربہ گاہ پولیس کی نگرانی میں دے دی جا سائرہ تجربہ گاہ ہی میں مقیم رہنے پر مصر تھی۔ فریدی نے کچھ دیر اس مسئلہ پر غور ک اُسے اس کی اجازت دلوادی۔ کوتوالی سے فریدی سیدھا اپنے دفتر آیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔ آفس میں جانے کی بجائے کینٹین ہی میں رک گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ فریدی کی ضرورت ہی کے تحت آفس آیا ہے۔ ورنہ اسکیم تو یہ تھی کہ اب وہ اُن تمام لوگوں سے ملے اُس تجربے کے وقت پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں موجود تھے۔ فریدی نے آفس کے اند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔ اُس کے آفس کے دروازے پر آج کل ہر وقت دو سنتری رہتے تھے اور جب بھی وہ آفس میں موجود ہوتا سرخ بلب ضرور روشن نظر آتا۔ کیپٹن حمی علاوہ اور ہر ایک کا داخلہ ممنوع تھا۔ محکمے کے ایس۔ پی صاحب تو اُس کے دوسرے ہی دن کی رخصت پر چلے گئے تھے جب پہلی بار فریدی کے آفس پر سرخ بلب دکھائی دیا تھا اور ا آفس کے اندر داخل ہونے سے روکا گیا تھا۔ آج کل حالت یہ تھی کہ فریدی کے ہمدرد بھی سے کترائے پھرتے تھے اور حمید سوچتا تھا کہ کہیں فریدی کو خفت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ وہ ابھی میجر والٹن کا سراغ نہیں پاسکا تھا اور نہ ڈاکٹر داؤد ہی کے کیس میں کچھ ہو سکا تھا۔ پروفیسر والے کیس میں بھی کسی حد تک میجر والٹن کی پرچھائیں نظر آئی تھی۔

کار میں بیٹھتے وقت حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کو کیا کرنا چاہئے۔"

"عیش....!" فریدی کا جواب تھا۔

"بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہی ہے کہ پروفیسر غوری مثلث اور دائرے سے بھی بڑا معمہ بن کر رہ گیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"اُس کے جو دستخط میں نے اس وقت حاصل کئے ہیں وہ اُن دستخطوں سے نہیں ملتے جن کے بنک سے رقومات نکلوائی جاتی ہیں۔"

"تو پھر....!" حمید چونک کر بولا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"انداز تحریر ہی مختلف ہے۔"

"مگر اُس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ نے اس کی تفصیل طلب کی تھی۔"

"لاکھوں کا آدمی ہے۔ ملک میں شیشے کے سائنسی آلات ڈھالنے کا واحد کارخانہ اُس کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مزید چھان بین فضول ہے۔ البتہ یہ دستخطوں کا معاملہ۔"

"یہ بھی نہایت آسان ہے۔ اُس سے ایک چیک پر اپنے سامنے دستخط لیجئے اور اُسے کیش کے لئے بھیج دیجئے۔ اس کے بعد اُسے یقینی طور پر وضاحت کرنی پڑے گی۔"

"اس اسٹیج پر میں ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔"

"خواہ وہ مشین کا پٹھا سارے شہر میں آگ ہی کیوں نہ لگادے۔"

"اُس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

"آپ کا خیال ہے کہ یہ غوری کوئی بیوقوف آدمی ہے۔"

"ہاں! میرا اندازہ یہی ہے۔"

"تو پھر میجر والٹن ہی کی آڑ میں اس بچے کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔"

"ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر "کیا میجر والٹن نے ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی میں صرف اس لئے آگ لگوائی ہوگی کہ اُلو کا مجسمہ ہو جائے۔ کیا نصیری اس لئے قتل کر دیا گیا تھا کہ اُسے اُلو کے متعلق کچھ معلوم تھا؟"

"ظاہر ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ نہ تو تمہیں اس طرح پکڑواتا نہ مجھ پر حملہ کراتا اور نہ بعد مجھ سے فون پر گفتگو کر کے میرے شبہات کو مزید تقویت دیتا۔ اُسے اس کی پرواہ ہرگز نہیں کہ اس کی شخصیت روشنی میں آگئی ہے۔ جب اُسے اس کی پرواہ نہیں ہے تو اُلو کے مجسمے کو

تلف کرنے کے لئے عمارت میں آگ لگوانا بھی مہمل ہو جاتا ہے اور یہ کہنا بھی فضول ہے کہ نصیری چونکہ اُلو کی شخصیت سے واقف تھا اس لئے قتل کر دیا گیا۔"

"ارے کچھ کہنا عقلمندی بھی ہے یا سب مہمل اور فضول ہی ہے۔"

"سائرہ کو میٹھی نظروں سے دیکھنا ہی سب سے بڑی عقلمندی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عشق کرو اور موٹے ہو جاؤ۔ اپنی لائن میں تو دماغ سوزی اور خونِ جگر پینے کے علاوہ اور کچھ نہیں رکھا۔"

"مذاق میں نہ ٹالئے۔ میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔"

"غالباً اختلاج قلب کی بھی شکایت ہو گی۔ اٹھا بیٹھا بھی نہ جاتا ہوگا۔ شروع میں متلی کی شکایت بھی رہی ہو گی۔ اِملی کا شربت چاٹو۔ ڈفر کہیں کے۔ فرماتے ہیں الجھن بڑھتی جا رہی ہے اپنی کھوپڑی کیوں نہیں استعمال کرتے۔"

"اگر میں آپ کو کسی قابل نہ سمجھوں تو یقیناً مجھے بھی اپنی کھوپڑی استعمال کرنی پڑے۔ لیکن جب مجھے آپ پر اعتماد ہے تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو بعض اوقات آپ پر اتنے زور سے فخر کرتا ہوں کہ میری آنکھیں نکل پڑتی ہیں۔"

"کاش زبان کیساتھ ہی کھوپڑی بھی کسی کام کی ہوتی۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ابھی کل ہی ایک لڑکی میرے گھونگھریالے بالوں کی تعریف کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کیا محراب دار پیشانی ہے، دیکھ کر ہمایوں کا مقبرہ یاد آتا ہے۔"

فریدی بُرا سامنہ بنائے ہوئے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے رہا۔

تقریباً تین گھنٹے تک وہ شہر کے اُن حکام سے ملتے پھرے جن کی موجودگی میں پروفیسر نے اپنے تجربے کا حیرت انگیز نتیجہ دیکھا تھا۔ لیکن کسی نے بھی کوئی ایسی بات نہ بتائی جسے فریدی اپنی معلومات میں اضافہ سمجھ سکتا۔ سبھی اس پر متفق تھے کہ پروفیسر بیوقوف مگر یار باش آدمی ہے۔ شہر میں صرف آٹھ سال سے مقیم ہے۔ اس سے پہلے ملک کے مشرقی حصے میں رہتا تھا۔ سائنٹفک آلات کا کارخانہ اُس کے باپ نے قائم کیا تھا، جو خود بھی ایک اچھا سائنسدان تھا۔ پروفیسر خود کچھ مسخرہ ہے۔ خواہ مخواہ خود کو سائنٹسٹ پوز کرتا ہے اور وہ لوگ تو تفریحاً اُس کی تجربہ گاہ میں گئے تھے۔ پروفیسر کو اُلو بنا کر محظوظ ہونا ہی وہاں ان کی موجودگی کا مقصد تھا۔ ان میں دو ایک

ان حاکم بھی تھے جنہیں صرف سائرہ سے دلچسپی تھی۔ چونکہ فریدی سے بھی ان کے تعلقات اس لئے انہوں نے بڑی بے تکلفی سے اس کا اظہار کر دیا تھا۔"

سمجھ بھی ہو لیکن اُن میں سے کوئی بھی یہ بات ماننے پر تیار نہیں تھا کہ پروفیسر نے کسی بُری سے یہ ڈھونگ رچایا ہوگا اُن کا خیال تھا کہ کسی دوسرے نے پروفیسر کی حماقتوں سے فائدہ نے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس پر افسوس ظاہر کیا کہ اُسے اس کی شہری قیامگاہ میں نظر دیا گیا ہے۔

"کیا نتیجہ نکلا ہے اس بھاگ دوڑ کا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ پروفیسر کے تجربے ہی کا سا کوئی نتیجہ نکل آئے۔" فریدی جھنجھلا لا۔ "اگر جلدی ہی ہے تو تم مرغی کے انڈوں پر بیٹھنا شروع کر دو۔"

"شائد اسی کی نوبت آنے والی ہے۔ کیونکہ ایک اُلو ہمیں اس طرح نچا رہا ہے۔"

"اُسے تو جب کہو پکڑ کر کسی درخت سے الٹا لٹکا دوں۔ میں نے ابھی تک اُس کی طرف ن ہی نہیں دیا۔"

"ہائیں تو پھر ہم کیوں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔"

"صرف اس لئے کہ ڈاکٹر داؤد کے قتل کی وجہ معلوم ہو سکے! ہو سکتا ہے مثلث اور دائرے تل کی وجہ ہی پوشیدہ ہو۔"

"سبحان اللہ! تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ خود قاتل ہی قتل کی وجہ سے ناواقف تھا۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ مثال کے طور پر وہ ڈاکٹر داؤد سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ڈاکٹر نے نہیں بتایا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کو اس کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ نہیں بتائے گا تو قتل کر دیا ئے گا۔ لیکن وہ کوئی ایسی ہی اہم بات تھی کہ ڈاکٹر اُسے نہ بتا سکا اور اپنی حفاظت کے لئے اُسے ل کی مدد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی قاتل حملہ کر بیٹھا۔"

"دائرے اور مثلث کی بات کیجئے۔"

"دائرے اور مثلث ہی میں وہ سب کچھ پوشیدہ ہو سکتا ہے جو والٹن ڈاکٹر داؤد سے معلوم کرنا ہتا تھا اور یہ بھی واضح رہے کہ اُس نے ڈاکٹر سے یہ نہ معلوم کرنا چاہا ہوگا کہ منار کا مرغی سال میں کتنے انڈے دیتی ہے۔ والٹن کا قدم جس سر زمین پر پڑے اُس کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ

وہاں کوئی بین الاقوامی سازش جنم لے رہی ہے۔"

"اچھا نصیری کا قتل....!"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی راز میں ڈاکٹر داؤد کا شریک رہا ہو۔ لیکن قاتل نہیں چاہتا تھا کہ وہ پولیس تک پہنچ سکے اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ڈاکٹر داؤد کو بھی اُس نے اسی لئے مار ڈالا ہو کہیں اُس نے وہ راز ظاہر کردینے ہی کے لئے پولیس کو نہ طلب کیا ہو۔"

"اب سمجھ میں آ رہی ہے بات۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ نصیری کے بنائے ہوئے مجسموں بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔"

"وہاں کی ایک ذمہ دار عورت قابو میں آ گئی ہے۔ اس کے ذریعہ مجھے ایک تحریر ملی قتل سے دو دن قبل نصیری نے اس غیر ملکی سفیر کے فوجی اتاشی تک پہنچائی تھی۔" فریدی اور داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر بائیں ہاتھ سے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ ہوا بولا۔ "اُس میں سے زرد رنگ کا کاغذ نکالو۔"

حمید نے تہہ کیا ہوا کاغذ لفافے سے نکالا۔ لیکن تحریر پر نظر پڑتے ہی ایسا بُرا منہ بنایا حلق میں کسی نے زبردستی کونین کی ٹکیہ ٹھونس دی ہو۔

اُس پر صرف تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔ "چوہا محفوظ ہے۔"

"بہت مشہور بات ہے کہ اُلو مردہ چوہے کھاتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں نحوست سوار ہے کہ اب اُلوؤں اور چوہوں کے کیس ہمارے مقدر میں لکھے جانے لگے ہیں۔"

"تحریر سو فیصدی نصیری ہی کی ہے۔ میں اطمینان کر چکا ہوں۔" فریدی بولا۔

"مگر یہ ہے کیا بلا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کسی طویل سلسلے کی کوئی اہم کڑی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے تمہیں گاڑی تو یاد ہی ہوگی جس نے ایک کار کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ تین آدمیوں میں سے صرف ہی اس قابل رہ گیا تھا کہ اس کی شناخت ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود بھی آج تک نہ معلوم کہ وہ آدمی کون تھا۔ حالانکہ کار کا سراغ مل گیا ہے۔ اُس کی نمبر پلیٹ ضائع نہیں ہوئی تھی۔

صاف پڑھے جا سکتے تھے۔"

"کارس کی تھی۔"

"اُسی سفارت خانے کی جس کا تذکرہ میں ابھی کر چکا ہوں۔ حادثے کی دوسری صبح سفارت نے کے ایک آفیسر نے کار کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔ لیکن سفارتخانے کا کوئی بھی اُس لاش کی شناخت نہیں کر سکا تھا۔ ظاہر ہے کہ چوروں کو وہ کیا پہچانتے۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ وہ کار چرائی گئی ہوگی۔"

"میرا خیال۔" فریدی نے طویل سانس لی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا ہے کہ سفارتخانہ کے کچھ نامعلوم ایجنٹ ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بعد سے پولیس کے گرد لاتے رہے تھے۔ نصیری کے قتل کے بعد انہوں نے کسی ایسے آدمی کا تعاقب کیا جو میری کار اقب کر رہا تھا۔ اُن لوگوں کی گفتگو تم نے سنی ہی تھی۔ لیکن وہ کون تھا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم کا تھا۔ جس کا تعاقب انہوں نے کیا تھا وہ نہ صرف اس تعاقب سے واقف تھا۔ بلکہ یہ بھی جانتا تعاقب کرنیوالے کون ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ تینوں ایسے انجام سے کیوں دوچار ہوتے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میجر والٹن کی مخالف پارٹی کا تعلق اُسی سفارتخانے سے ہے۔"

"فی الحال میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"اور یہ سب مثلث اور دائرے کے چکر میں ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بائیں آنکھ دبائی اور آہستہ بولا۔ "ہو سکتا ہے ہم سب ہی اُلو ہی بن کر رہ گئے ہوں۔"

"کیوں....!"

"ڈاکٹر داؤد ایک میتھ میٹیشن تھا۔ اُس کی ساری عمر قوسوں، دائروں اور مثلثوں کے چکر ہی گزری ہوگی۔ ہو سکتا ہے مرتے وقت سچ مچ اُس نے اپنے ہی اُلو ہونے کا اعلان کیا ہو اور فلسفیانہ انداز میں بتایا ہو کہ اس کی موت کا باعث دائرے اور مثلث ہی بنے ہیں۔ اگر ان سر کھپانے کی بجائے اُس نے ٹارزن بننے کی کوشش کی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اُس صورت میں قاتل کا ریوالور نکلنے سے پہلے ہی اُس کا گھونسہ اسکے جبڑے پر پڑا ہوتا۔"

"بس اب تم اسی پر ایک فلمی کہانی لکھ ڈالو۔ بڑا رش لے گی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ.... ہاں۔ اُس لڑکی کا کیا ہوا جسے ہم نے پولیس ہسپتال میں داخل کیا تھا۔"

"ملٹری ہیڈ کوارٹر میں اُس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے لیکن وہ میجر والٹن کی قیام گاہ سے نہیں ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہماری معلومات سے کیسے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ ہماری معلومات آگاہ کیسے ہو سکے گا۔"

"یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکا کہ وہ میری معلومات سے آگاہ کے لئے کون سے ذرائع اختیار کرے گا۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کار جھریالی کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ حمید غالباً فریدی سے پوچھنے والا تھا کہ اب کہاں چلنا ہے لیکن جھریالی کی سڑک پر مڑتے ہی اس کی ضرورت باقی نہ اور وہ بے حد خوش نظر آنے لگا تھا۔ بہت عرصے کے بعد کسی لڑکی نے اُسے اتنا متاثر کیا تھا اپنا زیادہ تر وقت اُسی کے متعلق سوچنے میں صرف کر سکتا۔

"کیا آپ اُس سے دستخطوں کے اختلاف کے متعلق پوچھیں گے۔" حمید بولا۔

"نہیں.... اسے خود ہی دیکھنا پڑے گا۔ تم بھی اس کا تذکرہ مت کرنا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسے حالات میں یہاں تنہا رہ کر کیا کرے گی۔" حمید نے کہ کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ایسی صورت میں یہی سوچنا پڑتا ہے کہ وہ بچہ اسی کی شرارت کا ہے۔"

"لیکن حمید صاحب! ایسا پھرتیلا بچہ آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر تم کبھی اُ ہاتھ بھی لگا سکو تو مجھ سے دس ہزار روپے نقد وصول کر لینا۔"

"ہائیں! تو کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ شتر مرغ کے انڈے سے برآمد ہوا ہے۔"

"فی الحال شتر مرغ کے انڈے ہی سے برآمد ہوا ہے۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں خواہ مخواہ جھک مار رہا ہوں۔"

دفعتاً فریدی نے گاڑی ایک کچے راستے پر اتار دی اور حمید چونک کر بولا۔ "ادھر کہاں؟"

"بس چلتے رہو۔" فریدی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

حمید کا منہ بگڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ وہ راہ پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ کی طرف ہرگز نہ لے جاتی

تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس کچے راستے پر کیوں لنکن کو ہلا کر رہے ہیں۔"

"بعض چیزیں لنکن سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہیں۔"

کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے گاڑی روک دی اور نیچے اتر گیا۔ لیکن حمید کی دانست میں یہ ایسی نہیں تھی جہاں تفریحاً گاڑی روکی جا سکتی۔ کچے راستے کی دونوں جانب اونچی اونچی جھاڑیاں یں اور زمین بھی ہموار نہیں تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کچھ نہیں پوچھے گا۔

دفعتاً فریدی نے اُسی انداز میں سیٹی بجائی جیسے کتوں کو متوجہ کرنے کے لئے بجایا کرتا تھا اور بوکھلا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت تو بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی ہو گی ب ایک بڑا سا بلڈ ہاؤنڈ بائیں جانب سے جھاڑیاں پھلانگتا ہوا کچے راستے پر آ کودا ہو گا۔

فریدی نے اُس کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہرگز معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتا فریدی سے غیر مانوس رہا ہو لیکن یہ اُن کتوں میں سے بھی نہیں تھا کی جھول کی جھول گھر پر موجود تھی۔

فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر کتے کو اندر چھوڑ دیا اور پھر دروازہ بند کر کے اگلی ست پر آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور لنکن پھر چل پڑی۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ کتا بڑی سی سرخ زبان نکالے پ رہا تھا۔

"اسپیشر....!"

"اس نام کا کوئی کتا ہمارے پاس کبھی نہیں تھا۔" حمید نے کہا۔

"ایسے نہ جانے اور کتنے ہیں۔ جن سے پہلے کبھی تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔" فریدی مسکرایا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"شائد اس وقت کوئی ڈھنگ کا شکار ہو ہی جائے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلے میدان میں آ گئے اور اب لنکن کا رخ ڈیہور کی پہاڑیوں کی طرف ۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ڈیہور کی پہاڑیاں جھریالی سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھیں۔ ے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی یہ پہاڑیاں درندوں کے شکار کے لئے خاصی مشہور تھیں۔ لیکن حمید

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی خواہ مخواہ درندوں کے شکار کے لئے چل پڑا ہوگا۔

ڈیہور کے علاقے میں پہنچ کر فریدی نے ایک جگہ کار روکی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ کتے کو بھی اتارا۔ اور پھر یک بیک حمید نے محسوس کیا کہ وہ کسی آدمی ہی کا شکار ہو سکتا ہے کیونکہ فریدی نے ایک پھٹی ہوئی جراب سیٹ کے نیچے سے نکال کر کتے کے سامنے ڈال دی اور وہ اُسے سونگھ رہا تھا

یہ لوگ ایسے ہی راستے پر رکے تھے جہاں سے جنگل میں داخلہ ممکن تھا۔ عام طور پر شکاری اسی راستے سے گذرا کرتے تھے۔

کتے نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ ساتھ ایک طرف دوڑنے لگا۔

ہنگامہ اور حیرت

راستہ اس قابل تھا کہ کار جا سکے۔ لیکن فریدی کے انداز سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ استعمال کرے گا۔ وہ وہیں کھڑا کتے پر نظریں جمائے رہا۔ کتا کچھ دور جا کر رک گیا تھا۔ تھوڑا قرب وجوار کی زمین سونگھتا رہا پھر اُن کی طرف پلٹ آیا۔

اب وہ فریدی کے پیروں سے اپنا جسم رگڑتا ہوا حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکال ر

فریدی نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔ "ریوالور ہے نا تمہارے پاس۔"

"ہے لیکن صرف چھ راؤنڈ میں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اگلی سیٹ کے نیچے سے دو پیٹیاں نکال لو۔"

"کیوں! کوئی لمبا معاملہ۔"

"احتیاطاً! توقع نہیں ہے کہ بات زیادہ بڑھ سکے۔ ویسے وہ آدمی جس کی تلاش ہے راستے سے گذرتا رہا ہے۔"

حمید نے کارتوسوں کی دو پیٹیاں نکالیں۔ اُسے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ لنکن کی سیٹ نیچے اچھا خاصا اسلحہ خانہ موجود تھا۔ وہ فریدی ہی کیا جس کے متعلق روزانہ نئے نئے انکشا ہوں۔ اب یہ کتا ہی حمید کے لئے نئی چیز تھا۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ عارضی

حاصل کیا گیا ہے۔ اگر یہی بات ہوتی تو وہ فریدی سے اس قدر مانوس نہ دکھائی دیتا تو پھر وہ یقیناً فریدی ہی کا کتا تھا اور اگر فریدی ہی کا کتا تھا تو اب تک حمید اُس کے وجود سے کیوں ناواقف رہا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔

"اگر میں الجھن کے عالم میں مارا گیا تو آپ کو میری قبر دوبارہ کھدوانی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہے۔"

"یہ کتا! اگر یہ آپ ہی کا ہے تو اُن جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔"

"میں نے ایک آدمی کو وقت دیا تھا کہ وہ کتے سمیت وہاں موجود رہے۔" فریدی مسکرایا۔ "بھئی تم اس چکر میں نہ پڑا کرو۔ بہتیری ایسی باتیں ہیں جو میں تمہیں بھی نہیں بتا سکتا۔"

"یہ پھٹی ہوئی جراب کس کی لے بھاگے تھے۔" حمید نے جل کر کہا۔

"چلو وقت نہ برباد کرو۔ کتا پاگل ہوا جا رہا ہے۔"

"مگر میری یہ حالت ہے کہ اگر میں اس وقت اسے کاٹ لوں تو یہ اٹھ کر پانی بھی نہ پی سکے گا۔"

"چلو....!" فریدی نے اُسے بائیں ہاتھ سے دھکیلا۔ اُس نے کتے کا پٹہ چھوڑ دیا تھا۔ کتا اتنی تیز رفتاری سے نہیں چل رہا تھا کہ انہیں اس کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ اُن سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس فٹ رہا ہوگا۔ وہ پھر اُسی جگہ رک گیا جہاں پہلے رکا تھا۔ راستے کے دونوں جانب کہیں پتھریلے ٹیلے تھے اور کہیں گہری گہری دراڑیں تھیں جن پر مختلف قسم کی گھنی جھاڑیاں سایہ کئے تھیں۔

اچانک کتا ایک دراڑ میں اترتا چلا گیا۔

"یہ کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ اُسی دراڑ میں جھانک رہا تھا۔ حمید بھی جھک پڑا۔

یہ نیلے رنگ کی کسی کار کی چھت تھی جسے غالباً اسی دراڑ ہی کے ذریعہ نیچے اتارا گیا تھا۔ لیکن راہ چلتے آدمیوں کی نظر اُس پر نہیں پڑ سکتی تھی تاوقتیکہ وہ خاص طور سے اُسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ دراڑ کے اوپر جھکی ہوئی جھاڑیاں بہت گھنیری تھیں۔

فریدی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ حمید کو اس تک پہنچنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ کار کو قریب سے دیکھ کر وہ متحیر رہ گیا۔ فریدی بھی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کتا اُس کے ہاتھ سے نکل گیا ہوتا اگر اُس نے اُس کا پٹہ مضبوطی سے نہ پکڑ رکھا ہوتا کیونکہ وہ ایک طرف طرف نکل جانے کے لئے زور کر رہا تھا اور ساتھ ہی اُس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"یہ یہ.... کار تو سائرہ کی معلوم ہوتی ہے۔" حمید ہکلایا۔

"ہاں اسی گاڑی پر وہ کوتوالی سے روانہ ہوئی تھی۔ میں اپنی یاد داشت پر شبہ نہیں کر سکتا
یہی تھے۔ اوہ.... یہ کیا۔"

کتے نے بھی یکلخت اپنی اچھل کود ختم کر کے کان کھڑے کیئے۔ فائر کی آواز حمید نے بھی
تھا۔ لیکن وہ قریب سے نہیں آئی تھی۔ پھر پے درپے کئی آوازیں آئیں اور یہ بھی عجیب اتفاق
کہ کتے نے پہلے ہی اُسی سمت جانے کے لئے زور کیا تھا جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"کریپ....!" فریدی نے کتے کا سر زمین پر جھکاتے ہوئے کہا۔ کتا زمین سے لگ کر ا
طرف مڑا۔

"گو.... کریپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور خود بھی رینگنے ہی کی پوزیشن میں آ
آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے وہ آواز کی سمت بڑھنے لگے۔ حمید کو کتے پر حیرت ہو رہی تھ
کیونکہ وہ بھی اُسی طرح رینگ رہا تھا اور اُن کے آگے تھا اور یقینی طور پر آواز ہی کی جانب رینـ
کر رہا تھا۔

رہ رہ کر فائر ہو رہے تھے اور بتدریج آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ کتے کی رفتار پہلے
جیسی تھی۔ کبھی کبھی وہ مڑ کر اس انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگتا تھا جیسے دوسرے حکم کا منتظر

"دیکھو....!" یک بیک فریدی نے زمین سے چپک کر رہ گیا۔ شائد دوسری گولی اس کا
ہی کر دیتی اگر اُس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ حمید بھی جہاں تھا وہیں رک گیا۔

دونوں گولیاں بائیں جانب سے آئی تھیں۔ پھر یک بیک داہنی طرف سے بھی تین
ہوئے لیکن اب وہ گولیوں کی زد پر نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو مخالف یہاں آپس
ٹکرا گئے ہوں۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہم نشیب میں ہیں اور کسی وقت بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔ غالباً انہوں نے ابھی ہمیں د
نہیں ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"تم دائیں جانب والوں کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں بائیں طرف دیکھتا ہو

ہٹر کو اُسی طرف جانے دیا جائے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جراب والے کی راہ
ل چکا ہے۔"

"اگر یہ مار ڈالا گیا تو۔"

"یہ اب خود ہی اپنی حفاظت کر سکے گا۔ ایسے حالات میں آدمی کا کام نہیں ہے کہ اپنے کتے کو
ہا جا سکے۔ پرواہ نہ کرو۔ اسے جانے دو۔"

پھر اُس نے کتے کو مخاطب کیا۔ "کوئیک اسمپشر.... کوئیک۔" اور کتا تیر کی طرح سامنے
ے نشیب میں اترتا چلا گیا۔

فریدی اور حمید راستہ کاٹ کر مخالف سمتوں میں رینگنے لگے۔ حمید کو بڑی دشواریوں کا سامنا
ا پڑ رہا تھا۔ جابجا کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔ چٹانوں پر سبز رنگ کی کائی کی پھسلن پیر نہیں
نے دیتی تھی۔ کچھ دور چل کر وہ رکا۔ بائیں جانب وہ چٹان نظر آ رہی تھی جس پر پہنچ کر وہ اپنے
ازے کے مطابق فائرنگ کرنے والوں سے دوچار ہو سکتا۔ لیکن اس چٹان پر چڑھنا آسان کام
ا تھا۔ کیونکہ یہ بھی کائی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ ممکن تھا کہ کوئی معقول سا
نہ نظر ہی آ جاتا۔ چٹان کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی احتیاط تو برتنی ہی تھی! وہ چاہتا
لہ فائرنگ کرنے والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اچانک کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی
وہ خود اپنی ہی غفلت کا شکار ہو گیا اور حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ چٹان کے اوپر سے کودا تھا یا نیچے
کہیں چھپا بیٹھا تھا۔

حملہ شدید تھا لیکن حمید نے اپنے اوسان بحال رکھے۔ اسی جدوجہد کے دوران یہ بھی سوچا
گولیاں تو چل ہی رہی ہیں حملہ آور اُس پر فائر بھی کر سکتا تھا۔

وہ جلد ہی اس کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن حملہ آور کو بھی اتنی مہلت مل گئی
،وہ ایک بڑا سا چاقو کھول لیتا۔ حمید کا ریوالور تو ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔ شائد وہ
اقو نہ کھول سکتا۔ اب اُسے خالی ہاتھ اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ لیکن کم بخت کائی۔ اُس کا پیر ایک بار
ر پھسل گیا۔ ٹھیک اُسی وقت حملہ آور نے بھی اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن حمید نے گرتے
رتے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب وہ نیچے تھا اور حملہ آور اُس کے سینے پر چڑھا بیٹھا چاقو گھونپ
ینے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھوں سے چاقو والا ہاتھ پکڑ کر ایک زور دار جھٹکے

کے ساتھ کروٹ لی اور حملہ آور نیچے چلا گیا۔ چاقو والا ہاتھ دوسری طرف زمین سے جا لگا۔ حمید نے بائیں کلائی اُس کی گردن پر رکھ دی۔

پھر حملہ آور کو اٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس کی گردن پر حمید کی کلائی کا دباؤ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چاقو پر اُس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ حمید نے داہنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور چاقو دور جا گرا

"کون ہو تم....!" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

لیکن اچانک اوپر سے فائر ہوا اور گولی سامنے والے درخت کے تنے سے ٹکرائی۔ چٹان کی طرف چھلانگ لگانی پڑی۔ اسی طرح وہ اوپر سے آنے والی گولیوں سے بچ سکتا تھا حملہ آور کے لئے بھی یہی مسئلہ تھا۔ ورنہ وہ بھی کیوں حمید کی تقلید کرتا۔ لیکن شائد ستارے گردش ہی میں آ گئے تھے۔ جیسے ہی اُس نے چٹان کی طرف رخ کیا اوپر سے آنے اُسے چاٹ ہی گئی۔

حمید خود تو گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا لیکن حملہ آور کی موت نے اُسے نئی الجھن دیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ فائرنگ کرنے والوں میں سے نہیں تھا مگر نہیں۔ وہاں دو پارٹیاں برسرِ پیکار تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق مخالف پارٹی سے رہا ہو اور وہ بھی ج طرح اپنے مخالفوں پر پشت سے حملہ کرنے کی کوشش میں ادھر نکل آیا ہو۔

اب حمید چٹان کے نیچے ہی نیچے رینگ رہا تھا۔ کچھ دور چل کر اُسے اپنا ریوالور پڑا د لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اُسے لازمی طور پر گولیوں کی زد پر آنا پڑتا۔ ویسے اب اوپر سے ف ہو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی خطرہ تو باقی ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ فائر کرنے والا بھلاوا دے کر منتظر ہو۔

یک بیک اگلے موڑ سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور حمید تیزی سے ادھر ہی گیا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ ایک آدمی چٹان کی طرف منہ کئے اُبھرے ہوئے پتھرو رکھتا نیچے اتر رہا تھا۔

حمید نے نہایت اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی اور پھر پہلا ہی جھٹکا ا لے آیا۔ لیکن گرتے گرتے بھی اُس نے فائر جھونک ہی مارا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں نشا کرتا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا۔ لیکن گرنے والا اتنے بے تکے پن-

تھا کہ جان بچانے کے لئے جدوجہد بھی نہ کر سکتا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے ضرور نکل گیا تھا ن وہ نہ تو خائف نظر آ رہا تھا اور نہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جان چھڑا کر نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ کائی پھسلن اب بھی حمید کے لئے مصیبت بنی ہوئی تھی۔

یک بیک اوپر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں اور اُس آدمی نے حمید سے نکارا پانے کیلئے جدوجہد تیز کر دی۔ اس وقت وہ دونوں ہی خطرناک پوزیشن میں تھے۔ بس ذرا ہی غفلت کسی کو بڑی گہری ڈھلان میں لے جاتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں کا یکساں حشر ہوتا۔

جیسے ہی چٹان کے سرے پر کچھ لوگ نظر آئے حمید نے اُسے ڈھلان میں دھکیلنا چاہا لیکن وہ راد کائی اُسے بھی اُس کے ساتھ ہی نیچے لیتی چلی گئی۔ دوسرا آدمی اس کی گرفت سے نکل چکا تھا اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اسکے متعلق سوچتا یا اُس کا انجام ہی معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی۔ تو اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اپنی ہی جان بچ جائے۔ کئی بار اُبھرے ہوئے پتھر اُس کے ہاتھوں آئے لیکن وہ انہیں اتنی مضبوطی سے نہ پکڑ سکا کہ لڑھکنے کی رفتار میں کمی ہی واقع ہوتی۔

پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کمر ہی ٹوٹ کر رہ جائے گی۔ وہ کس چیز سے اٹک کر کمان طرح جھول گیا تھا اُس کے ہاتھ اضطراری طور پر اُس چیز پر جا پڑے۔ یہ ڈھلان پر اُگے ہوئے ک درخت کا پتلا سا تنا تھا۔ اُس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر بمشکل تمام سیدھا ہوا۔ ایک دہ منٹ تک تو اسی کا احساس نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے یا اگر وہ کمزور سا رخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا تو کیا ہو گا جس سے وہ چمٹا ہوا تھا۔

وہ اُس وقت چونکا جب اُس نے کتے کے بھونکنے کی آواز سنی۔ سب سے پہلے اُس نے سر اٹھا راس بلندی پر نظر دوڑائی جس سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن وہاں اُسے کچھ بھی دکھائی دیا۔ اب نیچے نظر دوڑائی اور اطمینان کی سانس لی۔ وہ سطح زمین سے صرف پانچ یا چھ فٹ کی بلندی پر تھا۔ کتا قریب ہی کہیں متواتر بھونکے جا رہا تھا۔ لیکن وہ آدمی حمید کو کہیں نظر نہ آیا جس سے لڑتا ہوا وہ ڈھلان سے پھسلا تھا۔ اُس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اُس کے آدمیوں نے اُسے اوپر ہی سنبھال لیا ہو۔

وہ کراہتا ہوا نیچے اترا۔ سارے جسم میں سوزش ہو رہی تھی۔ اب کتے کی آواز کی طرف بھی توجہ ہونا پڑا۔ لیکن اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا کیونکہ ریوالور بھی پاس نہیں رہا تھا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوا کتے کی آواز اُدھر ہی سے آرہی تھی
اب اتنی قریب تھی کہ درے میں اس کی گونج کی جھنکاریں بھی محسوس ہونے لگی تھیں۔
پھر وہ اُسے نظر بھی آگیا۔ شائد کسی غار کے دہانے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن
کسی رائفل کا کندہ باہر نکل کر اُس کے سینے سے ٹکراتا اور وہ پھر اچھل کر پیچھے ہٹ آتا۔

حمید رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی ہے صرف رائفل ہی رکھتا ہے۔ کارتوس
ہو چکے ہیں ورنہ اب تک اُس نے کتے کو زندہ کیوں چھوڑا ہوتا اور پھر ہو سکتا ہے یہ وہی آ
جس کے لئے کتا یہاں لایا گیا تھا۔ ورنہ یہاں تو فائرنگ ہو رہی تھی۔ درجنوں آدمی مختلف اط
میں بکھرے رہے ہوں گے۔ پھر وہ خصوصیت سے کسی ایسے آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گیا تھا
کے پاس اب اپنی جان بچانے کے لئے بھی کارتوس باقی نہیں بچے!

وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ کتے نے اُسے دیکھ کر اور زیادہ جوش سے حملہ
کر دیا تھا۔ یک بیک کوئی چیز اُس کی پشت پر لگی اور وہ چونک کر مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر
ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ حمید پھر واپس ہوا۔

"تم درے کے دہانے پر ٹھہرو۔ ریوالور کیا ہوا۔ اوہ.... یہ کیا حالت ہے تمہاری۔" ا
اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہ لو.... وہیں ٹھہرو۔" فریدی نے اپنا ریوالور اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید بھنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ چپ چاپ ریوالور لے کر درے کے دہا
طرف چل پڑا۔ پتہ نہیں وہ سب فائرنگ کرنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے اب تو چاروں
سناٹا ہی سناٹا تھا۔

درے کے دہانے تک پہنچتے پہنچتے کتے کی آوازیں آنی بھی بند ہو گئیں۔

وہ ایک پتھر سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس تھوڑے سے وقت میں اُس پر جو کچھ گذر
ایک عمر کی کہانی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی تو بالکل ہی ترو تازہ نظر آیا تھا۔ کیا اُس کی
بھی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی تھی؟ پھر یہ سارا ہنگامہ خود بخود کیسے فرو ہو گیا؟ چٹان کے اوپر سے ف
کرنے والے کیوں بھاگ گئے تھے!

تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر کتے کی غراہٹ سنی اور چونک کر مڑا۔

"اوہ....!" آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی کیونکہ سب سے پہلے اُس کی نظر سائرہ ہی پر پڑی
تھی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور فریدی سب
سے پیچھے تھا۔

سائرہ حمید کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

"اوہو!.... بڑی چوٹیں آئی ہیں آپ کے۔" اُس نے کہا۔

"اور میرا پرس بھی کہیں گر گیا ہے۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کے پاس
یک بک موجود ہوگی۔"

"چلتے رہو۔" فریدی نے کہا۔ لیکن قیدی بھی رک گیا تھا۔ اُس نے کہا۔ "مجھ پر زیادتی
رہی ہے۔ یہ لڑکی جھوٹی ہے۔ میں یہاں شکار کھیل رہا تھا۔ یہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور
لگی کہ میں اُس کی مدد کروں کچھ آدمیوں نے اُسے گھیرا ہے۔ میں اس کے لئے سینہ سپر ہو گیا
ئی تھے۔"

"یہاں نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جو کچھ بھی کہنا ہو ہیڈ کوارٹر میں کہنا۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔"

"مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ میں تمہیں اسی کتے کے حوالے کر دوں۔"

"نہیں۔" اُس نے خوفزدہ نظروں سے کتے کی طرف دیکھا اور چپ چاپ چلنے لگا۔ اور وہ
ے سے نکل کر اونچی چٹانوں کے درمیان آگئے تھے۔ لیکن اس حصہ سے نکلنے کے لئے انہیں
ہر حال ایک بڑی چڑھائی طے کرنی پڑتی۔

یک بیک کتا حلق پھاڑنے لگا اور سامنے سے ایک فائر ہوا دوسرے ہی لمحے میں قیدی زمین پر
ا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے سائرہ اور حمید کو ایک چٹان کے پیچھے دھکیل دیا اور پھر حمید نے
حسوس کیا کہ فریدی بھی فائر کر رہا ہے۔ اُس نے شائد کتے سے بھی کچھ کہا تھا۔

"اب کیا ہوگا۔" سائرہ نے کانپتے ہوئے کہا۔ "پھر وہی مصیبت.... ارے.... وہ دیکھئے۔"

حمید نے سر اُبھار کر دیکھا۔ بلڈ ہاؤنڈ شائد حملہ آور تک پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ ایک چٹان کے

پیچھے بار بار رائفل کا کندہ بلند ہو رہا تھا اور کتے کی غراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس سے اندا
کیا جاسکتا تھا کہ حملہ آور تنہا ہی ہے۔ حمید پھر خالی ہاتھ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اُسے چٹان کے پیچ
دھکیلتے وقت فریدی نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور بھی لے لیا تھا۔

"آپ کچھ نہیں کر رہے۔" سائرہ نے کہا۔

"میں صبر کر رہا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

پھر یک بیک فریدی بھی اُسی چٹان کے پیچھے نظر آیا۔ حملہ آور رائفل کو لٹھ کی طرح گھما
تھا بلڈ ہاؤنڈ نے کئی بار اس پر چھلانگ لگائی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حملہ آور غالباً مایوس ہو چکا تھا۔ اُس نے وہیں سے ایک گہری کھڈ میں چھلانگ لگا دی اور اُ
کی کریہہ چیخ سے جنگل میں سناٹا لرز اٹھا۔ اتنی اونچائی سے گر کر بچ جانے کا سوال ہی نہیں پ
ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کہہ رہا تھا "کتنا واہیات دن ہے دونوں میں سے ایک بھی نہیں ب
سکا۔ اب پھر اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے پھرو۔"

وہ چڑھائی پر چل رہے تھے لیکن حمید کو توقع نہیں تھی کہ صحیح راستے پر لگ سکیں۔ خود ان کو
قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس راستے سے آئے تھے اب شائد وہ اُس چٹان کی بھی نشان دہی نہ
کر سکتا جس کے نیچے اُس نے دو آدمیوں کا مقابلہ کیا تھا۔

"کیا ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے جہاں سائرہ کی کار دیکھی تھی۔" حمید نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ہم وہیں پہنچیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آج کا دن مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔" سائرہ بڑبڑائی۔

"انہوں نے تمہیں کیوں پکڑا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اُسی کم بخت بچے کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سچ بول رہی ہو۔"

"کیوں؟ بھلا میں جھوٹ کیوں بولنے لگی۔ پھر ایسی صورت میں....!"

"عادت ہی ٹھہری! جھوٹ بولنے کے لئے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے۔"

"میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔"

"اپنے اور پروفیسر کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہو تم۔ تمہارے لئے اس وقت دو پارٹیوں
کے درمیان بڑی خوں آشام جنگ ہوئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر داؤد سے تم لوگوں کے کیسے تعلقات تھے۔"

"بس یونہی رسمی سے۔ مگر آپ نے ڈاکٹر داؤد کا تذکرہ کیوں چھیڑا ہے۔"

"کچھ نہیں! میں اب اس سلسلے میں تم سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کروں گا۔ لیکن اسے یاد رکھنا
کہ تم ہر وقت خطرے میں ہو۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

"چلتی رہو! مجھے اس پر بھی یقین نہیں ہے کہ پروفیسر غوری وہی شخص ہے جسے تم ڈیڈی کہتی ہو۔"

"ہائیں....!" سائرہ کسی بت کی طرح ساکت ہو گئی اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

ڈیڈی تنخواہ دار

حمید کو اس کا ہوش نہیں تھا کہ شہر پہنچنے کے بعد دن کا بقیہ حصہ کیسے گذرا تھا۔ پولیس
ال میں اُس کے زخموں اور خراشوں کی ڈریسنگ ہوئی تھی اور وہ اب وہیں آرام کر رہا تھا۔
رہ کو بھی پولیس ہسپتال میں ہی روکا گیا تھا۔ گو وہ بالکل محفوظ رہی تھی لیکن فریدی کے اس
سے ڈاکٹر کو بھی متفق ہونا پڑا تھا کہ غیر متوقع ذہنی جھٹکوں نے اُس کے اعصاب پر بھی بُرا
لا ہے اس لئے اُسے بھی آرام کرنا چاہیئے۔ سائرہ نے اس پر شدت سے احتجاج کیا تھا لیکن اُس
یک نہ سنی گئی۔

فریدی نے حمید کو اس کے متعلق کچھ ہدایات دی تھیں جن پر وہ شام سے پہلے عمل نہ کر سکا!
کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ لڑائی بھڑائی سے زیادہ تر ہاضمے پر بُرا اثر پڑتا ہے اور معدے کے انجرات
ایکی صورت میں عموماً دماغ ہی کی طرف ہوتے ہیں اس لئے ذہنی پراگندگی پر بے ہوشی کا اطلاق
بھی ہو سکتا ہے اور اُسے بیہوشی ہی کہیں گے کہ آدمی کوئی ڈھنگ کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جائے۔

تقریباً چھ بجے سائرہ حمید کے کمرے میں آئی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ بہت زیادہ بوریت

محسوس کر رہی ہے۔ ویسے خوف و ہراس کی پرچھائیں تک اُسکے چہرے پر نہیں دکھائی دی تھی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" اُس نے کہا۔

"اوہو! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ میری نظروں میں ترقی کی معراج یہی ہے۔"

"میرا مذاق نہ اڑایئے۔" سائرہ جھلا گئی۔ "خواہ مخواہ مجھے بھی مریض بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا ہے مجھے! ڈاکٹر کہتا ہے اعصاب پر بُرا اثر پڑا ہے! میں تو کچھ بھی نہیں محسوس کرتی۔"

"محسوس نہ کرنے کی وجہ ہے۔" حمید مسکرایا۔ "اگر ہم لوگ ٹھیک وقت پر نہ پہنچے ہوتے"

"تو کیا ہوتا! بس موت ہی آتی نا۔"

"مگر وہ تمہیں وہاں لے کیسے گئے تھے۔"

"کرنل کو بتا چکی ہوں۔" سائرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بس حماقت ہی تھی کہ اس چکر میں پھنس گئی۔ جھریالی والی سڑک عموماً سنسان پڑی رہتی ہے۔ وہ سڑک پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں بوکھلا کر نہ صرف گاڑی روک دی بلکہ خود بھی اُتر آئی۔ وہ یک بیک اٹھا۔ اُس کے ہاتھ میں پ... تھا۔ میں ڈر گئی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں چپ چاپ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں۔ میں ایسا ہی کیا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ جیسے ہی میں اندر بیٹھنے لگی۔ اُس نے پستول کا دستہ میرے ... رسید کر دیا۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ میں چکرا کر پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر ہوش نہیں ر... کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ہوش تو اُسی غار میں آیا تھا۔"

"مگر وہ تہوڑ کی پہاڑیوں میں تنہا تو نہیں تھا۔ درجنوں آدمی تھے۔"

"رہے ہوں گے۔ میں کیا جانوں! اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا آخر کرنل نے یہ ک... کہا تھا کہ انہیں ڈیڈی کے وجود پر شبہ ہے۔"

"وہ بعض اوقات اپنے وجود پر بھی شبہ کرنے لگتے ہیں۔ گاہ کہتے ہیں کہ ہیں گاہ یہ کہتے نہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں کھانے کی میز پر لطیفہ ہوا تھا۔ پلیٹ اٹھا کر کرسی پر رکھ دی اور پلیٹ ... جگہ خود بیٹھ گئے۔ پھر اُسی وقت انہیں اپنے وجود کا احساس ہوا تھا جب میں نے ان کی ران ... فورک چبھا کر چھری چلانی چاہی تھی۔"

"آپ اس طرح مضحکہ اڑاتے ہیں کرنل کا آپ کو اُن سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"خوف... کمال کر دیا آپ نے ارے خوبصورت لوگوں سے کہیں خوف بھی کھایا جاتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ کرنل سے زیادہ بھیانک آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ ...وں نے اُس آدمی کو گردن سے پکڑ کر اسی طرح لٹکا لیا تھا جیسے کسی خرگوش کو کوئی شریر بچہ اٹھا ... جھولے دینے لگے۔"

"آپ کو یہ حرکت مطلقاً پسند نہ آئی ہو گی؟" حمید نے سوال کیا۔

"اوہ.... مزہ آگیا تھا۔ ہاہا۔" وہ ہنس پڑی۔ "کچھ دیر پہلے وہ کم بخت کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے اُس بچے کی اصلیت نہ بتائی تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"چلو مجھے بھی بتا دو۔" حمید نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

"جس غریب نے تجربہ کیا تھا وہ تو بتا ہی نہ سکا۔ میں کیا بتاؤں گی۔"

دفعتاً فریدی کمرے میں داخل ہوا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

"خدارا مجھے اس الجھن سے نجات دلایئے جناب۔" سائرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹھیے بیٹھیے۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا حمید کی خیریت ...فت کرنے لگا۔

"بس بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں یعنی کہ اب آپ مجھے....!"

"خیر.... خیر....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور حمید کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ اب وہ سائرہ ...رف دیکھ رہا تھا۔

"اپنے ڈیڈی کے غیر متوقع بچے کے متعلق ایک نئی خبر سنو۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی! براہِ کرم مجھے یہاں سے نجات دلایئے۔ میں تجربہ گاہ میں واپس ...ں گی۔"

"حالانکہ وہاں آپ کے لئے خطرات ہی خطرات ہیں۔"

"ہر قسم کی بلائیں آپ ہی کے لئے ہیں۔ پھر اُن سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"بات معقول ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی ہی کسی ایسی بلا کی پیدائش کا ذمہ دار ہو جو سوسائٹی کے ...وبال جان بن جائے تو تم اُس آدمی کے لئے کون سی سزا تجویز کرو گی۔"

"میں کہتی ہوں ڈیڈی پاگل نہیں تھے کہ اپنا نفع نقصان نہ سمجھ سکتے۔" سائرہ نے کہا پھر دفعتاً ...ک کر متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔ "ہاں ذرا یہ تو بتایئے آپ نے کس بناء پر یہ کہا تھا

کہ وہ میرے ڈیڈی نہیں ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن وہ شخص یقینی طور پر پھانسی کے تختے پر جائے گا جو اُس بچے کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔"

"ہاں! وہی شخص جس نے ڈیڈی سے فراڈ کیا ہے۔"

"کیا آپ کسی ایسے آدمی کا نام لے سکتی ہیں۔"

"میں کیا جانوں! لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی بے گناہ ہیں۔ آپ کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کو بھول جاتے ہیں جس نے ڈیڈی کو اس تجربے پر اکسایا تھا۔"

"یہ آپ کے ڈیڈی کا بیان ہے اور کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خود آپ بھی اس تک ڈاکٹر ڈوہرنگ کے وجود سے لاعلم تھیں جب تک آپ کے ڈیڈی نے اس کا تذکرہ نہیں تھا۔ اچھا آپ جرمنی ہی میں پیدا ہوئی تھیں نا۔"

"جج جی.... ہاں....!" سائرہ نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"پروفیسر غوری کی آدھی عمر وہیں گذری ہے۔"

"جی ہاں.... یہ بھی صحیح ہے۔"

"آپ کے دادا سورنگ پور میں رہتے تھے۔"

"شائد یہ بھی درست ہے۔"

"اور پروفیسر اپنے باپ کی موت کے بعد ہی جرمنی سے واپس آئے تھے۔"

"جی ہاں! مجھے گہرا صدمہ ہے کہ میں اپنے دادا کو نہ دیکھ سکی۔ سنا ہے وہ بہت بڑے سائنسدان تھے۔"

"لیکن سورنگ پور میں پروفیسر غوری کو کوئی بھی نہیں پہچانتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بچپن ہی میں بغرض تعلیم جرمنی بھجوا دیئے گئے تھے۔"

"جی ہاں! لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی یہاں انہیں پہچانتا ہی نہیں تھا تو اپنے باپ کا ترکہ کیسے مل سکا۔"

"اُن کے بعض احباب نے شہادت دی تھی، جو اُن کے ساتھ جرمنی میں رہ چکے تھے۔"

"بعض سے یہی مراد ہے نا آپ کی کہ ایک سے زیادہ احباب نے شہادت دی تھی۔"

"جج.... جی ہاں۔"

"بعض سرکاری ریکارڈز سے صرف ایک ہی آدمی کا وجود ثابت ہوتا ہے جس نے شہادت دی تھی۔"

"ہو سکتا ہے میری معلومات غلط ہوں۔" سائرہ نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا آپ نہیں جانتیں کہ وہ آدمی ڈاکٹر داؤد تھا۔"

"ممکن ہے.... وہی رہے ہوں۔"

"لیکن پروفیسر غوری کا بیان ہے کہ ڈاکٹر داؤد سے ان کی یونہی رسمی جان پہچان تھی۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔ میں تو آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں۔"

"اللہ میاں۔" حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر تم نے مجھے ایسی بیٹی کا باپ بنایا تو دوسری شادی کرلوں گا۔"

"آپ ڈفر ہیں۔" سائرہ جھلاگئی۔

"پھر بیٹی کیوں نہ کریک سمجھے گی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں احتجاج کرتی ہوں۔" سائرہ نے سرخ ہو کر کہا۔ "ان سے کہیئے اپنی زبان بند رکھیں۔"

"خاموش رہو۔" فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"آہ...!" حمید کراہا۔ "میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ زخمی ہوں اور مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ فریدی پھر سائرہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"پروفیسر کا پورا نام مقدس غوری ہے نا۔"

"جی ہاں۔"

"مقدس....!" حمید یک بیک اچھل پڑا۔ "مقدس.... وہ مارا۔"

"کیا بکواس؟"

"مقدس.... مثلث.... سائرہ.... دائرہ۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"اور آپ اُلو ہیں.... ہاہا۔" سائرہ نے قہقہہ لگایا۔ "چلئے ڈاکٹر داؤد کی موت کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ واقعی آپ بڑے زندہ دل ہیں۔"

"شائد اب تمہاری زبان کی بھی ڈریسنگ کرانی پڑے گی۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔" حمید بڑبڑا کر خاموش ہوگیا۔ ویسے وہ نہایت سنجیدگی سے "مقدس سائرہ" پر غور کر رہا تھا۔ فریدی کے خیال کے مطابق اگر اُلو کسی شخصیت کی تصویر تشکیل تھا تو مقدس اور سائرہ بھی صوتی اعتبار سے ڈاکٹر کو مثلث اور دائرہ یاد دلا سکتے تھے۔ با اُسی طرح جیسے لفظ چقندر سن کو بندر کا خیال آتا ہے اور نمرود کے نام پر زبان امرود کا ذائقہ محسوس کرنے لگتی ہے۔

وہ پھر اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ سائرہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "آخر آپ کے متعلق کون سی نئی خبر سنانے والے تھے۔"

"بہت بُری۔ پروفیسر کے ہاتھوں میں باقاعدہ طور پر ہتھکڑیاں پڑجائیں گی۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے نروس کر رہے ہیں۔"

"اُس نے آج ایک بینک کو لوٹ لیا۔"

"میرے خدا....؟" سائرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"اور پھر جس وقت اُس پر فائر کئے گئے تو وہ جم کر ایک جگہ کھڑا ہوگیا۔"

"مرا نہیں....؟" سائرہ کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔

"اُس کے گرد چمکدار غبار سا گردش کر رہا تھا۔ سر سے پیر تک.... گولیاں اُس سے کترا کر نکل جاتی تھیں۔ پھر جب وہ بھاگا تو غبار بھی اُس کے گرد چکراتا ہوا ساتھ ہی متحرک ہوگیا حتیٰ کہ جب وہ چھلانگیں لگاتا تھا تو غبار اُس کے ساتھ اوپر بھی اٹھ جاتا تھا۔"

"ڈیڈی....!" سائرہ پاگلوں کی طرح چیخی اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔

فریدی نے جھپٹ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑیئے.... مجھے چھوڑ دیجئے۔" وہ برابر چیخے جارہی تھی۔

حمید بھی بوکھلا کر نیچے کود پڑا۔

"آپ کہاں جارہی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ڈیڈی کے پاس.... ڈیڈی۔" وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے۔ ڈیڈی کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔"

"وہ محفوظ ہیں۔ اپنی کوٹھی میں ہیں۔ وہاں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"نہیں.... نہیں.... مجھے فوج کے سائنٹیفک ریسرچ کے ادارے میں لے چلئے۔ خدا کے لئے دیر نہ کیجئے۔ ڈیڈی خطرے میں ہیں۔"

"لیکن آپ وہاں کیوں جانا چاہتی ہیں کوٹھی چلئے میں آپ کو دکھاؤں کہ پروفیسر محفوظ ہیں۔"

"وہ ڈیڈی نہیں ہیں.... وہ ڈیڈی نہیں ہیں۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تو پھر مجھے وہاں لے چلئے جہاں آپ کے ڈیڈی تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلئے.... جلدی کیجئے۔ یا خدا وہ زندہ ہوں.... یا خدا۔"

وہ دونوں چلے گئے تھے۔ حمید بیٹھا ہی رہ گیا۔ فریدی نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ دونوں کہاں گئے ہوں گے۔

حمید اب اُس کے متعلق سوچ رہا تھا جسے سائرہ نے اپنا "ڈیڈی" تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ لیکن کچھ دیر پہلے اُسے نہ صرف "ڈیڈی" بلکہ کریک بھی ثابت کرتی رہی تھی۔ پھر یک بیک یا دوسرے ڈیڈی کے لئے سر پیٹنے لگی۔ لیکن یہ تبدیلی اُسی وقت ہوئی تھی جب فریدی نے اُس ننھی بچے کے متعلق ایک نئی خبر سنائی تھی۔ گویا اس سلسلے میں وہ بچہ اتنا ہی اہم نہیں تھا جتنا کہ اُس کے گرد چکرانے والا چمکیلا غبار ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بچے کے تذکرے تو وہ پہلے بھی سنتی رہی تھی۔

بہر حال ان لوگوں اور ڈاکٹر داؤد کے درمیان کوئی گہرا تعلق تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ اُس کا قتل بھی کسی نہ کسی طرح انہیں لوگوں سے متعلق ہو۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اتنا زخمی بھی نہیں تھا کہ تجسس کی اُس لہر کو دبانے کی ضرورت پیش آتی جو ان غیر متوقع حالات میں اچانک پیدا ہوئی تھی۔

ہسپتال میں مریض کی حیثیت سے تو داخلہ ہوا نہیں تھا کہ باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش آتی۔ بس ڈریسنگ کرانے کے بعد وہ ایک کمرے میں جا لیٹا تھا۔

باہر آتے وقت کوئی آدمی بھی نہیں ملا جو رسماً ہی اُسے مزید آرام کی اہمیت سمجھا سکتا۔ ٹیکسی فوراً ہی مل گئی۔ اُس نے ڈرائیور کو پروفیسر غوری کی کوٹھی کا پتہ دیا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شہر کی بھری پُری سڑکیں جگمگا اٹھی تھیں۔

حمید کو یقین تھا کہ سائرہ فریدی کو اُس کی کوٹھی کی بجائے کہیں اور لے گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

جب اس کوٹھی میں قیام کرنے والا اُس کا "ڈیڈی" تھا ہی نہیں تو وہ وہاں کیوں گئی ہوگی! وہ تو اپنے ڈیڈی کے لئے پریشان تھی۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اُسی آدمی سے پوچھ گچھ کی جائے جسے ابھی تک اپنا باپ ظاہر کرتی رہی تھی۔ جب وہ اپنی ذمہ داری پر کسی کام میں ہاتھ لگاتا تھا تو اس کی کھوپڑی عموماً کارآمد ہی ثابت ہوتی تھی۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک ہی پر رک کر لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ لگے ہاتھوں اُن لوگوں کی کارکردگی کا امتحان بھی کر لیا جائے جو کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔

پروفیسر غوری پولیس کی نگرانی میں تھا۔ یہ فریدی ہی کی تجویز تھی کہ اُسے معمولی حالات کی بجائے اس کی کوٹھی ہی میں مقید کر دیا جائے۔ لہٰذا کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں کچھ پولیس کانسٹیبل ایک اے۔ ایس۔ آئی کے ساتھ موجود تھے۔

حمید نے ٹیکسی کوٹھی سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر رکوائی اور پھاٹک کی طرف جا کی بجائے کوٹھی کی پشت پر آیا۔ کمپاؤنڈ وال پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ یہ آسانی پار کی جاسکتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کمپاؤنڈ میں تھا۔ کمپاؤنڈ کا یہ حصہ تاریک اور سنسان نظر آیا۔ اُس کا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا تھا کہ نگرانی کرنے والے پھاٹک ہی کی طرف ہوں گے۔

اب اُس نے سوچا کہ کسی طرح ان کی لاعلمی میں عمارت کے اندر بھی پہنچنا ہی چاہئے تا جواب طلب کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ بھی باقی نہ رہے۔

اس میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ایک چھوٹا سا عقبی دروازہ اسے کھلا ہوا ملا لیکن اُسے بھی نہ سوچنا پڑا کہ کہیں پروفیسر نگرانی کرنے والوں کو دھوکے میں رکھ کر اسی طرف سے فرار ہو گیا ہو۔ وہ دبے پاؤں چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اُسے ایک جگہ رک جانا پڑا۔ سامنے والے کمرے کا دروا بند تھا لیکن روشندان کے شیشے تھے اور اندر کوئی دبی ہوئی آواز میں گھگھیا رہا تھا۔

"دیکھو.... مجھے مارنا مت۔ نہیں نہیں۔ کچھ نہیں جانتا۔ میں سائنٹسٹ نہیں ہوں میں بالکل گدھا ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ وہ لڑکی کم بخت مجھ سے الٹے سیدھے تجربات کرایا کر تھی۔ ہاں سائرہ.... پھر ڈاکٹر ڈوہرنگ نے شتر مرغ کا بچہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ میں نہیں جانتا آدمی کا بچہ کیسے نکل آیا تھا۔ خدا کے لئے یہ پستول جیب میں رکھ لو۔ میری سنو۔ یہ بچہ.... سائرہ کی شرارت ہے۔ اُس نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو آٹھ

پانچ سو روپے ماہوار کا ملازم ہوں۔"

"کس نے ملازم رکھا تھا۔" دوسری آواز آئی۔

"ڈاکٹر داؤد نے۔ اُس نے مجھے مکرم علی سے پروفیسر غوری بنا دیا تھا۔ سائرہ مجھے ڈیڈی کہتی لیکن بالکل اُلو کا پٹھا سمجھتی ہے.... میں کیا کروں۔ پہلے بچہ نکلا اور چانٹے مار مار کر میری کھوپڑی خالی کر دی اور اب یہ مصیبت۔ پستول.... جج.... جیب میں رکھ لو پیارے بھائی۔ یہ دیکھو میں تمہارے حکم سے کتنی آہستگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میری آواز باہر نہیں جاسکتی۔ اب تم بھی رحم کرو۔"

"تو تم نہیں جانتے کہ پروفیسر غوری کون ہے۔"

"نہیں پیارے بھائی بالکل نہیں۔ میں نے تو آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں کسی قسم کی چھان بین نہ کروں ورنہ مجھے اس ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی پھر واپس آؤں گا۔ لیکن اگر تم نے میرے بارے میں کسی سے تذکرہ کیا تو تمہاری کھوپڑی میں کئی سوراخ ہو جائیں گے۔"

"ارے نہیں! بالکل نہیں۔ یقین کیجئے کسی سے بھی نہیں کہوں گا۔"

حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور باہر سر نکالنے والے کی ناک پر اُس کا بھرپور ہاتھ پڑا۔ وہ اچھل کر کمرے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر شائد وہ پستول ہی کے لئے جیب میں ہاتھ ڈال رہا تھا کہ حمید نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے سینے پر سوار تھا۔ مغلوب اُسے گرا دینے کے لئے زور کرنے لگا اتنی دیر میں حمید اس کی جیب سے ریوالور بھی نکال چکا تھا۔

"نہیں جیری! مشکل ہے۔" حمید نے اُسے رگڑتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے بھی کئی بار میرے ہاتھوں پٹ چکے ہو۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" جیری ہانپتا ہوا بولا۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ریوالور کا دستہ رسید کر دیا۔ ناک سے تو خون بہہ ہی رہا تھا پیشانی کی کھال بھی پھٹ گئی۔

"ہاں اب بتاؤ! تم کسی سفارتخانے کے لئے کام کر رہے ہو یا مونچھوں والی عینک کے لئے۔"

"خاتمہ ہو گیا۔" جیری بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور اُس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے پھر دو تین رگڑے دیئے اور جیری کو زبان کھولنی ہی پڑی۔

"وہ کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ.... وہ اس وقت پروفیسر کی تجربہ گاہ میں ہوگا۔ کیپٹن مجھے چھوڑ دو۔ میں اُسے گرفتار کرادوں گا۔"

حمید نے اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر احمق پروفیسر سے کہا کہ وہ باہر نکل کر نگرانی کرنے والوں کو اندر بلائے۔

آخری معرکہ

فریدی کی کار بڑی تیز رفتاری سے یہاں تک آئی تھی لیکن اس کے باوجود بھی سائرہ کہہ رہی تھی۔ "ایسی رفتار سے تو ہم کبھی نہ پہنچ سکیں گے۔"

گاڑی تجربہ گاہ سے کچھ فاصلے پر ہی روک دی گئی۔

"کیوں یہاں کیوں؟" سائرہ بڑبڑائی۔

"احتیاطاً! میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہاں پہرا لگادیا گیا ہے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔ مگر سابقہ ایسے لوگوں سے ہے جن کی نظروں میں مٹھی بھر مسلح آدمیوں کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن آپ تنہا آئے ہیں۔"

"میں تنہا ہی کام کرنے کا عادی ہوں۔"

وہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک تک پیدل آئے۔ فریدی کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ دو باوردی کانسٹیبل پھاٹک کے قریب لمبے لمبے لیٹے ہوئے نظر آئے۔

"اوہ.... میرے خدا۔" سائرہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

فریدی نے انہیں ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "صرف بیہوش ہیں! اچھا تم مجھے وہ جگہ بتا... خود یہیں ٹھہرو۔"

"نہیں.... نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ساتھ چلوں گی۔"

"تو پھر ڈرو بھی مت۔"

"نہیں میں خائف نہیں ہوں۔ مجھے بہر حال کسی نہ کسی بدنصیبی کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"مگر ڈیڈی کی زندگی میں یہ ناممکن تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ کچھ دور چل کر اُن کا نجی چوکیدار بیہوش پڑا... برآمدے میں بھی تین کانسٹیبل ڈھیر نظر آئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی خواب آور گیس سے کام لیا گیا ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

وہ اندر داخل ہوئے۔ فریدی نے محدود روشنی والی ٹارچ روشن کر لی تھی۔ عمارت کے کسی... میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

جیسے ہی وہ راہداری کے سرے پر پہنچے فریدی کے شانے پر کوئی سخت سی چیز لگی لیکن ...رے ہی لمحے میں حملہ آور کا ہاتھ اُس کی گرفت میں تھا۔ پھر اتنی پھرتی سے اُس نے اُسے ...ن پر لاد کر پٹخا ہے کہ اس کی آنکھوں میں تارے ہی ناچ گئے ہوں گے۔ ٹارچ گر گئی تھی۔ سائرہ ...جھپٹ کر اُسے اٹھایا۔

فریدی حملہ آور کے سینے پر سوار اُس کی کنپٹیاں دبا رہا تھا اور وہ اس طرح کراہ رہا تھا جیسے ...نہ آہستہ اس کی کھوپڑی کی ہڈیاں اپنی جگہوں سے کھسک رہی ہوں۔

سائرہ متحیرانہ انداز میں منہ پھاڑے دیکھتی رہی۔ ٹارچ کی روشنی مغلوب حملہ آور کے چہرے ...رہی تھی۔ اُسکے چہرے پر ایسی تکلیف کے آثار موجود تھے جیسے وہ اعصابی تشنج میں مبتلا ہو گیا ہو۔

فریدی نے اُس کی جیبوں کی تلاشی لے کر ریوالور اور چاقو برآمد کیا۔

یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہ لوہے کی وزنی سلاخ فریدی کے شانے پر پڑی تھی۔ حالانکہ نشانہ سر... رہا ہوگا۔ اگر وہ صحیح نشانے پر بیٹھی ہوتی تو خود فریدی ہی حملہ آور کی جگہ لیٹا نظر آتا۔

حملہ آور بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ فریدی اُسے کھینچ کر ایک کمرے میں لے گیا۔

"اب جلدی بھی کیجئے۔" سائرہ بڑبڑائی۔ "میرے خدا میں کیا کروں۔"

"میں پھر مشورہ دوں گا کہ مجھے وہ جگہ بتا دو اور خود یہیں ٹھہرو۔"

"کیا آپ کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہے۔ کیا آپ نے میرے بیان پر یقین نہیں کیا۔"

"ذاتی تجربات ہی مجھے کسی امر کا یقین دلاتے ہیں.... چلو....!"

سائرہ پھر آگے بڑھی۔ اس بار فریدی نے ٹارچ اُسی کے ہاتھ میں رہنے دی تھی۔ کئی کم
سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے حصے میں آئے جس پر کسی لوہار کی دوکان کا دھوکا ہو سکتا تھا چاروں
طرف مختلف قسم کے اوزار بکھرے پڑے تھے۔ سائرہ رک گئی۔ ٹارچ کی روشنی کی لکیر ایک
ہوئے دروازے میں رینگ گئی تھی۔

"کوئی اندر ہے۔" وہ کانپتی ہوئی بولی۔ "یہ دروازہ مقفل رہتا ہے اور کنجی صرف میرے ہی
رہتی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی اندر ضرور ہوگا۔" فریدی بولا۔ "ورنہ پہرے دار بیہوش
پائے جاتے اور مجھے ایک آدمی کو کیوں بیہوش کرنا پڑتا۔"

وہ اُس کوٹھری میں داخل ہوئے سامنے دیوار پر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔

"کوئی اندر گیا ہے۔ لیکن پھر اُس کی واپسی نہیں ہوئی۔" سائرہ بھرائی ہوئی آواز میں
"ورنہ یہ سرخ بلب روشن نہ ہوتا۔"

"باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" فریدی کا لہجہ کسی قدر درشت تھا۔ سائرہ دیوار کی ط
بڑھی اور فرش پر اکڑوں بیٹھ کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ پھر یک بیک ہلکی سی آواز ہوئی اور کو
کے ایک گوشے میں فرش پر اتنی خلا نمودار ہوئی جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔

"ٹھہرو.... پیچھے ہٹ آؤ۔" فریدی نے اُس سے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر
"تمہارے بیان پر یقین کر لینے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

سائرہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ لیکن فریدی اُس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز
سن رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولی۔ "اس پر بھی غور کیجئے جناب کہ میں اس بیان کے ساتھ آپ سے
طالب نہیں ہوئی تھی۔ آپ خود ہی تشریف لائے ہیں۔ میں نیچے جا رہی ہوں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی اُس کا ہاتھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ "ادھر ہٹ آؤ۔"

اس نے اُس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر بجھا دی۔ فرش کی خلاء سے ایسی آوازیں آرہی
جیسے زینوں پر کوئی چڑھ رہا ہو۔ وہ دونوں کھسک کر دیوار سے جا لگے۔ پھر وہ سرخ بلب بجھ گ
کچھ دیر پہلے دیوار پر روشن نظر آرہا تھا۔ فریدی نے کوٹھری میں کسی تیسرے آدمی کی مو
محسوس کی۔ لیکن گہری تاریکی کی بناء پر وہ اُسے نہ دیکھ سکا۔ ہو سکتا ہے تہہ خانے سے برآمد

بھی اسی قسم کے کسی احساس میں مبتلا رہا ہو۔ کیونکہ اوپر آنے کے بعد سے پھر اُس کے قدموں
ہٹ نہیں سنائی دی تھی۔

فریدی نے اندازہ لگایا کہ وہ کس جگہ ہو سکتا ہے۔ پھر یک بیک اُس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ
ن کی جس کی روشنی ٹھیک اُسی آدمی کے چہرے پر پڑی۔ یہ کوئی نقاب پوش تھا۔ وہ شائد اس
لئے تیار نہیں تھا اس لئے سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی کا ہاتھ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ ساتھ ہی
ی نے ٹارچ زمین پر ڈال کر اُس پر چھلانگ بھی لگا دی۔

"ٹارچ اٹھاؤ.... سائرہ۔" اُس نے نقاب پوش کی گردن دبوچتے ہوئے کہا۔ سائرہ نے
لائے ہوئے انداز میں ٹارچ اٹھائی۔ فریدی اتنی دیر میں اُسے بے بس کر کے اس کے چہرے
نقاب ہٹا چکا تھا۔ روشنی پڑتے ہی اُس نے ہنس کر انگریزی میں کہا۔ "اوہ.... آپ ہیں۔ بڑے
غ سے ہاتھ لگے ورنہ آپ پر ہاتھ ڈالنے میں ذرا دشواری ہوتی۔"

"تم کون ہو۔" مغلوب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ.... تم ابھی تک میری شکل نہیں دیکھ سکے۔ سائرہ ذرا اسے میری شکل دکھاؤ۔"

محدود روشنی والی ٹارچ کا روشن دائرہ فریدی کے چہرے پر رینگ آیا۔

"اوہ....!" مغلوب کراہا اور پھر فریدی کو نیچے گرا دینے کے لئے شائد اپنا انتہائی زور صرف
نے لگا۔

"یہ کون ہے۔" سائرہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... ایک بڑے ملک کے معزز سفیر کے فوجی اتاشی۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر
ا کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کرتا ہوا بولا۔ "تہہ خانے میں کون ہے۔"

"کک.... کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں.... میجر وال....!"

"ہاں.... ہاں.... کہو خاموش کیوں ہوگئے۔ میں جانتا ہوں کہ میجر والٹن بھی اس معاملے
ں دلچسپی لے رہا ہے اور تم دونوں ایک دوسرے کو ختم بھی کر دینا چاہتے ہو۔ میں یہ بھی جانتا
وں کہ نصیری تمہارے لئے کیا کر رہا تھا۔ مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر داؤد کو میجر والٹن ہی نے قتل کیا تھا۔"

"مم.... میجر والٹن یہاں موجود تھا۔" مغلوب ہانپتا ہوا بولا۔ "میں نے اُسے تہہ خانے میں
اخل ہوتے بھی دیکھا تھا۔ لیکن پھر نہ تو وہ واپس آیا اور نہ تہہ خانے ہی میں ملا۔"

"پہرے داروں کو کس نے بیہوش کیا تھا۔"

"ہم نے انہیں بیہوش ہی پایا تھا۔"

"اوہ تو میجر والٹن ہی پہلے پہنچا تھا۔" فریدی بڑبڑایا۔

اُس نے سائرہ کی مدد سے مغلوب کے ہاتھ اُس کی پشت پر باندھے اور اُسے بھی دھکیل تہہ خانے میں لایا۔

"ڈیڈی.... ڈیڈی.... ڈیڈی۔" سائرہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی چاروں طرف دوڑ رہی تھی۔

تہہ خانہ بہت وسیع تھا جس کی تعمیر پر کثیر رقم خرچ کی گئی ہوگی۔ چاروں طرف مختلف سائنسی آلات نظر آرہے تھے اور یہ یقینی طور پر کسی سائنسدان کی تجربہ گاہ معلوم ہوتی تھی۔

سائرہ پر پھر دورہ سا پڑ گیا تھا۔ اس لئے کچھ وقت اُسے خاموش کرانے میں بھی صرف ہو بہت زیادہ نروس نظر آرہی تھی۔ فریدی نے قیدی سے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تم نے والٹن کو واپس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے! دیکھو کرنل کیا تم اس معاملے کو یہیں ختم نہ کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"جتنی رقم چاہو.... مجھ سے طلب کر سکتے ہو۔"

"تم جتنی رقم کہو میں تمہارے ساتھ دفن کر دوں۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں د ہوئے کہا۔ "ہر آدمی بکنے کے لئے نہیں ہوتا کرنل سلانن....!"

"میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" قیدی سینہ تان کر غرایا۔ "تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"آدھی عمر پچھتانے ہی میں گذری ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ایک یہ بھی سہی۔"

"کرنل خدا کے لئے کچھ کیجئے۔ میرے ڈیڈی۔" سائرہ پھر بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہاں سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"راستہ؟" وہ چونک پڑی پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ہے تو میں نے اکثر ڈیڈی سے سنا لیکن انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "نہیں تم یہیں ٹھہرو۔ مگر میرا دعویٰ ہے ک

اب یہاں نہیں مل سکیں گے۔"

"اوہ.... تو آپ کا خیال ہے کہ وہ مار ڈالے گئے۔" سائرہ سسکی لے کر بولی۔

"نہیں.... قتل کرنے والا لاش کیوں اٹھائے پھرتا۔ وہ یہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ یا تو خو نکل گئے ہوں گے یا انہیں کوئی یہاں سے لے گیا ہوگا۔ لے جانے والا اگر قتل کرنا چاہتا تو یہیں قتل کر دیتا کہیں اور لے جا کر قتل کرنا قطعی غیر منطقی اور قاتل کے لئے غیر محفوظ حرکت ہوگی۔"

"پھر اب میں کہاں جاؤں انہیں کہاں ڈھونڈوں۔"

"صبر سے کام لو۔ میں یہاں تھوڑا سا کام کرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے کہا اور پھر قیدی کی طرف مڑا ہی تھا کہ سامنے والی دیوار سے لگا ہوا ایک بلب جلدی جلدی جلنے اور بجھنے لگا اس پر سائرہ اس طرح اچھل پڑی جیسے اب کسی نئے خطرے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو۔

"کوئی آرہا ہے.... کسی نے داخلے کا راستہ کھولا ہے۔" اُس نے کہا اور فریدی نے قیدی کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "اوپر راہداری میں تمہارا ہی کوئی آدمی تھا۔"

"ہاں....!" قیدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ بھی بار بار جلنے اور بجھنے والے بلب کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن شاید اس کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیونکہ فریدی اور سائرہ کے درمیان اردو ہی میں گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

فریدی جھپٹ کر زینوں کے قریب پہنچا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اس طرح کہ آنے والے کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ لیکن نہ تو زینوں سے قدموں کی آوازیں آئیں اور نہ بلب ہی کی بار بار جلنے اور بجھنے والی کیفیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

"بہت اچھے۔" دفعتاً تہہ خانے کے کسی گوشے سے آواز آئی اور فریدی کا ہاتھ سیدھا جیب کی طرف چلا گیا اور پھر آواز کی طرف مڑتے ہوئے وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور انگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی۔

"ریوالور زمین پر گرا دو کرنل فریدی۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" میجر والٹن نے کہا۔ وہ اس وقت اپنے اصل روپ میں تھا۔ یعنی نہ تو اُس کی آنکھوں پر غیر معمولی ساخت کی تاریک شیشوں والی عینک تھی اور نہ ہی ہونٹوں کو ڈھک لینے والی مصنوعی مونچھیں۔ بہر حال وہ سو فیصدی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ شائد اُسی راستے سے تہہ خانے میں داخل ہوا تھا جس کا علم سائرہ کو بھی نہیں تھا۔
سائرہ اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی شکل ہی ایسی ڈراؤنی تھی۔

"مجھے علم ہے کہ تم بہت اچھے نشانہ باز ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"اس لئے جہالت سے کام لینے کی بجائے عقلمند کہلاؤ۔ یعنی ریوالور زمین پر ڈال دو۔ م
ویسے بھی کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ اوہ.... کرنل سلانن تم بھی موجود ہو۔ خوب۔ ار
کیا تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ زیادتی کس نے کی ہے۔ شاید آج میرے ستارے بہت اچ
ہیں۔ دو چالاک دشمن ایک ہی جگہ ہاتھ آ گئے۔ فریدی تم نے ابھی تک ریوالور زمین پر نہیں گرایا"

"مجھے بھی کچھ اسی قسم کی غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔" فریدی مسکرا
بولا۔ "اس لئے ریوالور ہاتھ ہی میں اچھا لگتا ہے.... ویسے زمین پر گرا دینے سے اس کے دم تو نکا
نہ آئے گی۔"

"اچھا تو سنبھلو....!" میجر والٹن نے فائر جھونک مارا لیکن گولی سامنے والی دیوار سے ٹکرا
پھر اُس کی طرف پلٹ گئی۔ پھر فریدی نے اُسے دوسرے فائر کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے ریوا
سے بھی شعلہ نکلا اور میجر والٹن کا ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ اُسے دوبا
اٹھا لینے کے لئے جھپٹا ہی تھا کہ فریدی نے للکارا۔

"اپنی جگہ سے جنبش نہ کرو تو بہتر ہے والٹن! ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہارے ہاتھ م
خراش تک نہ آئی ہو گی۔ اس اسٹائل کی گولی ہمیشہ نال ہی پر پڑتی ہے۔"

میجر والٹن دم بخود رہ گیا۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا اگر اس وقت اس کی پوزیشن ذرا سی بھی تبدی
ہوئی ہوتی تو فریدی کی گولی اُس کے ریوالور پر پڑنے کی بجائے سینے ہی میں اُترتی چلی جاتی۔

"پروفیسر غوری کہاں ہے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"اوہ.... کیا وہ اپنی کوٹھی میں نہیں ہے۔ میں نے سنا تھا کہ وہ وہاں نظر بند کر دیا گیا ہے۔"
والٹن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے۔"

"اُس بچے کا راز معلوم کرنے جس نے ڈاکہ زنی بھی شروع کر دی ہے۔"

"کیا مطلب! کیا وہ تمہاری حرکت نہیں تھی۔"

"صرف اسی حد تک کہ میں نے شتر مرغ کا بچہ نکالنے کے امکانات پر پروفیسر سے بحث کی تھی۔"

"تو پھر.... یہ سلانن۔"

"میں بھی اس سے یہی پوچھنا چاہتا تھا۔" والٹن نے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" سلانن غرایا۔

"تو پھر پروفیسر ہی نے اپنی اسکیم تبدیل کر دی ہوگی اور اس چمکیلے غبار کو ڈاکہ زنی کا ذریعہ بنانا
چاہتا ہوگا۔ ٹھیک ہے اگر یہ سلانن کی حرکت ہوتی تو یہ اس وقت یہاں کیوں دکھائی دیتا۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ وہ پروفیسر غوری نہیں تھا جسے تم نے انڈے بچے والا تجربہ کرنے کا
شورہ دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!" والٹن کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ کیسے ممکن ہے۔"

"پھر تم یہاں تہہ خانے میں کیسے آ پہنچے۔"

اچانک سلانن نے جو ابھی تک چپ چاپ کھڑا ہوا تھا فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی اس کی
رف سے غافل تھا۔ اس لئے لڑکھڑا گیا۔ والٹن کے لئے یہی لمحہ کچھ کر گزرنے کے لئے مناسب
ا۔ لہٰذا وہ بھی جھپٹ پڑا۔ وہ دونوں بیک وقت فریدی پر گرے تھے۔

گو سلانن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور میجر والٹن اس کا بھی دشمن تھا لیکن شاید اس وقت
ں کے ذہن میں فریدی کی ممکنہ موت کے علاوہ اور کسی چیز کا تصور نہیں تھا۔ فریدی کی موت ہی
ں کی بچت کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ دوسری صورت میں وہ خود بھی ذلیل و خوار ہوتا اور اُس کے
لک کے بین الاقوامی وقار کو شدید دھکا لگتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے فریدی پر میجر والٹن کو ترجیح
ی تھی۔

فریدی کے ہاتھ سے ریوالور بھی نکل گیا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش شروع کی لیکن کچھ اتنا
بے تکا گرا تھا کہ وہ دونوں اُسے رگڑے ڈال رہے تھے۔

اچانک سائرہ نے لوہے کی ایک کرسی اٹھائی اور سلانن کے سر پر دے ماری۔ وہ بلبلا کر پلٹا ہی
ا کہ دوسری بار بھی اس کا سر ہی نشانہ ہوا۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ ہاتھ اب بھی بندھے
تھے۔ چت گرا تھا اس لئے بس فرش پر پیر ہی مارتا رہ گیا۔ اٹھ نہ سکا۔

دوسری طرف فریدی اس طرح اٹھا کہ میجر والٹن بھی اُس کے ہاتھوں پر اٹھتا چلا گیا۔ اُس

نے اُسے سر سے بلند کیا اور زمین پر دے مارا۔

"ہیئر..... ہیئر.....!" سائرہ بچوں کی طرح تالی بجا کر چیخی۔ "آپ آدمی ہیں یا الف
کے کوئی دیو! خدا کی پناہ۔"

میجر والٹن اٹھ کر بھاگا۔ فریدی اس کے پیچھے لپکا۔ لیکن والٹن اسی طرح جی چھوڑ کر دوڑ رہا
جیسے ملک الموت سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

جس راستے سے وہ باہر نکلا غالباً وہی تھا جس کا تذکرہ سائرہ نے کیا تھا۔ لیکن خود اُس
واقف نہیں تھی۔ یہ راستہ عمارت کی پشت پر لے جاتا تھا۔ اختتام چند ٹیلوں کے درمیان ایک
کے دہانے پر ہوا تھا جو کسی جانور کا بھٹ معلوم ہوتا تھا اور اسے گھنی جھاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اُس جیپ کار کے پیچھے دوڑ رہا تھا جس میں بیٹھ کر میجر والٹن نے
طرف نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ غالباً وہ جیپ اُسی کی تھی۔

فریدی کا اندازہ تھا کہ وہ سڑک تک پہنچنے سے پہلے ہی اُس جیپ کو جالے گا۔ شائد وہ اُس
پچھلی سیٹ پر بھی پہنچ جاتا کیونکہ راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار بھی کم تھی اور
کا ہڈ بھی گرا ہوا تھا۔

جیپ اب سڑک کے قریب ہی تھی لیکن فریدی ابھی تک چھلانگ لگا کر اُس تک پہنچنے
کامیاب نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً سڑک پر اُسے کسی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ نظر آئی اور وہ اُسی کی طرف دوڑا۔ جی
جدھر مڑی تھی موٹر سائیکل اُسی کی مخالف سمت سے آ رہی تھی۔ فریدی دونوں ہاتھ اٹھا کر
سڑک پر کھڑا ہو گیا اور موٹر سائیکل اُس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔

"ارے آپ.....!" سائیکل سوار نے بیساختہ کہا۔

"کون حمید..... جیو! زندہ باد..... ہٹو! گاڑی چھوڑو..... والٹن نکلا جا رہا ہے۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اتر آیا..... اور موٹر سائیکل تیر کی طرح جیپ کے پیچھے لپ
چلی گئی۔



حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ تارہ گیا اور موٹر سائیکل کی عقبی سرخ روشنی بھی کچھ د

اندھیرے میں گم ہو گئی۔

وہ جیری کو اے۔ ایس۔ آئی کے حوالے کر کے خود پروفیسر کی کوٹھی سے باہر آیا تھا۔ مگر اس
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جھریالی کس طرح پہنچے۔ دیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جیری سے
معلوم ہوا تھا کہ میجر والٹن پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف گیا ہوگا۔ ٹیکسی اُس نے پہلے ہی
ڑدی تھی اور یہاں دوسری ٹیکسی کا ملنا محض اتفاقات ہی پر مبنی ہو سکتا تھا۔

دفعتاً اُسے ایک ٹریفک سارجنٹ نظر آیا جو موٹر سائیکل پر ادھر ہی آ رہا تھا۔ اُس نے جھپٹ
ے روکا۔ سارجنٹ اُسے پہچانتا تھا اس لئے اُس سے موٹر بائیک حاصل کرنے میں دشواری نہ
پھر حمید نے اُس کی ٹنکی بھروائی تھی اور جھریالی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

یہاں پہنچنے پر یہ غیر متوقع حادثہ پیش آیا۔ اسے حادثہ ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ حمید تو یہ سمجھ کر
ا کہ اگر کسی طرح میجر والٹن پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو ہفتوں فریدی سے اکڑ کر گفتگو
ے گا۔ پہلے اُس نے ضرور سوچا تھا کہ فریدی سائرہ کے ساتھ یہیں آیا ہوگا لیکن پھر خود ہی
یال کی تردید کر دی تھی۔ بھلا ایک ہی عمارت میں دو عدد "ڈیڈی" کس طرح سا سکتے جب کہ
"ممیوں" کا ایک ہی چھت کے نیچے صرف چند ہی گھنٹے بسر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

"لاحول ولا قوۃ.....! کیا مصیبت ہے۔ سر پیر کا پتہ ہی نہیں چلتا۔"

یک بیک بائیں جانب سے کسی نے "کرنل" کو پکارا اور متواتر آوازیں دیتی ہی چلی گئی۔ وہ
ی ہو سکتی تھی۔ حمید نے آواز پہچان لی اور آواز کی جانب بڑھا۔ شاید فریدی بھی اسی جانب
ڑک پر آیا تھا۔

"کرنل صاحب۔" سائرہ نے تھوڑے وقفہ سے پھر آواز دی۔ شائد اُس نے حمید کو دیکھ لیا
نا اندھیرا ہونے کی بناء پر پہچان نہیں سکی تھی۔ حمید کو بھی اس کی دھندلی پرچھائیں نظر آئی
ہیں رک گیا۔

"کون ہے۔" سائرہ نے قریب آ کر خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاتھی.....!" حمید نے جواب دیا۔

"میرے ہاتھ میں پستول ہے سمجھے؟"

"لاحول ولا قوۃ..... میں ڈوئی یا دست پناہ سمجھا تھا۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہ.... کک.... کون.... حمید صاحب۔"

"نہیں صرف حمید.... صاحب تو وہ تھے جو مجھے پیدل بنا کر خود پیا کے دیس چلے گئے! یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"وہ کدھر گئے ہیں۔"

حمید نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا دیا۔

"اوہ.... بڑا خوفناک آدمی تھا۔ دھوکے سے حملہ کرتا ہے.... چلئے.... مگر کیسے.... اپنی گاڑی پر گئے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا کہ مجھے اس وقت پیدل کہتے ہیں۔"

"اوہ.... تو آپ کی گاڑی میں گئے ہیں.... اُن کی گاڑی موجود ہے۔ چلئے دیر نہ کیجئے۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"وہ نہیں ملے۔ خدا کے لئے جلدی کیجئے جلدی۔" وہ ایک طرف دوڑتی ہوئی بولی۔ ح بہر حال اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

فریدی نے اپنی گاڑی لیبارٹری ہی سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی پھر یہاں سے فاصلہ کچ بڑھ جاتا۔ دوڑتے دوڑتے حمید پر جھلاہٹ سوار ہو گئی اور اُس کا دل چاہنے لگا کہ اس تیز رفتار کو چھلتی مار کر گرا دے۔

گاڑی تک پہنچنے کے لئے انہیں تقریباً تین فرلانگ لمبی دوڑ لگانی پڑی تھی۔

"چلئے.... چلئے.... میرے خدا آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے اُسے گاڑی دھکیلتے ہوئے کہا اور خود بھی اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا۔ یہ لڑکی شروع ہی سے اس کے لئے مع رہی تھی اور حالات بھی کچھ اس قسم کے پیش آئے تھے کہ وہ اب اُس پر اعتماد نہیں کر سکتا پروفیسر کو سب اُس کا باپ سمجھتے رہے تھے اور وہ خود بھی اگر سمجھتی نہیں تو دوسروں کو یہی رہی تھی۔ پھر یک بیک دوسرا باپ کیسے پیدا کر بیٹھی یا ایسا کہ بیٹھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی اس لئے نہیں کہ فریدی کوئی غیر متوقع اور سنسنی خیز بات سن کر اُس کے ساتھ دوڑا جائے۔ کیس کے دوران میں ایک بار پہلے بھی انہیں اسی قسم کے ایک واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

"ارے بھئی چلئے نا۔" سائرہ نے جھلائے ہوئے انداز میں اُسے ٹھوکا دیا۔

"ہاں.... آں۔ اوہ پستول تھا تمہارے پاس! لاؤ مجھے دو۔"

سائرہ نے ریوالور اُس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ غالباً میجر والٹن کا تھا جسے وہ تہہ خانے ہی میں ھوڑ بھاگا تھا۔ حمید نے اُسے جیب میں ڈال کر انجن اسٹارٹ کیا اور اُسی سمت گاڑی موڑ دی جدھر ی گیا تھا۔

"تیز چلئے.... آپ کو کیا ہو گیا ہے کیپٹن! آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" سائرہ بولی۔

"میں آپ کے ڈیڈیوں کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ بھلا اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے کتنے انگیج کیئے ہوں گے۔"

"میرا مضحکہ نہ اڑائیے۔" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "کرنل جتنے شریف ہیں آپ ہی....!"

"اُس سے بھی کہیں زیادہ کمینہ۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "عورتوں کے معاملے میں وہ ت کرنل بدھو کہلاتے ہیں پھر عورتیں انہیں شریف کیوں نہ سمجھیں۔"

"اوہ تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں! فراڈ تو میں کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ آپ میرے ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ ویسے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں آپ کو چلتی اسے نیچے پھینک دیتا۔"

"کاش آپ کو میری مظلومیت کا احساس ہو سکتا۔ وہ دردناک لہجے میں بولی۔ آپ خود سوچئے پ کو آٹھ سال تک کسی گدھے کو ڈیڈی کہنا پڑتا تو آپ کا کیا حال ہو جاتا۔"

"لوگ مجھے گدھے کا بچہ سمجھ کر میری عزت کرتے! میری دم پر پھولوں کے ہار لپیٹتے.... ل مجھے رشک چمن کہتیں۔ اوہ کہیں آپ بطخ کے انڈے سے تو نہیں برآمد ہوئی تھیں۔"

"لعنت ہے مجھ پر۔" سائرہ بڑبڑائی۔ "جن حالات کا میں شکار ہوں وہ میرے لئے دوسروں ای ہمدردیاں بھی نہیں حاصل کر سکتے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "ڈاکٹر داؤد سے آپ لوگوں کا

کیا تعلق تھا۔"

"اوہ.... وہی تو اس بربادی کا باعث بنا ہے۔ آپ نے ہسپتال میں مثلث اور دائرہ کے تع ایک مضحکہ خیز بات کہی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے.... مگر اوہ.... میرے خدا۔" وہ یک بیک اچھل پڑی۔

"کیوں....؟"

"بھئی کرنل جس کے پیچھے گئے ہیں.... وہ.... وہ بالکل اُلو معلوم ہو رہا تھا۔"

"اُلو تو میں بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"یقین کیجئے! بالکل اُلو معلوم ہو رہا تھا۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ اُلو کیوں مع ہو رہا تھا۔ عجیب سا چہرہ تھا۔"

"خیر چھوڑیئے.... ہاں تو آپ ڈاکٹر داؤد کے بارے میں کیا بتانا چاہتی تھیں۔"

"میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ قاتل کے متعلق استفسار پر اُن کی زبان سے لفظ اُلو تھا جسے وہ مرتے وقت تک رٹتا رہا تھا۔"

"لہٰذا یہی اُلو تو اُس کا قاتل ہو سکتا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن میں اُس کے قاتل کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔"

"میں کرنل کو سب کچھ بتا چکی ہوں۔ ذرا رفتار اور تیز کیجئے۔"

"میں بھی آپ ہی کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھ میں اب سکت نہیں ہے۔" وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

"یہ سفر جہنم کے دہانے پر تو نہ ختم ہو گا۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"آپ کا ذہن ابھی تک میرے متعلق الجھا ہی ہوا ہے۔" سائرہ نے کہا اور پھر چونک کر ب

"اوہ.... وہ روشنی ہی تو ہے۔ اُدھر دیکھئے دائیں جانب۔"

یقیناً روشنی ہی تھی لیکن فاصلے کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ کار تیزی سے راستہ طے کرتی ر ایک موڑ پر وہی روشنی کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ثابت ہوئی۔ لیکن وہ دوسری گا متحرک نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ڈیہور کی پہاڑیوں کی دیو آسا پرچھائیاں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔

"وہ گاڑی جنگل کے قریب ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ کہیں وہ آپ کی ہی گاڑی نہ ہو۔"

"میں موٹر سائیکل سے آیا تھا۔ مگر دوسرا آدمی.... کیا وہ کوئی گاڑی لے بھاگا تھا۔"

"پتہ نہیں! میں بہت دیر سے پہنچی تھی۔"

"تو پھر اسی گاڑی کو دیکھنا چاہئے۔" حمید نے کہا اور گاڑی کچے راستے پر اتار دی۔ اب اُس کا ڈیہور کے جنگل ہی کی طرف تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اُس گاڑی تک پہنچ گئے۔ یہ ایک ایسی جیپ کار تھی جس کا ہڈ ندارد تھا۔ ئد کوئی اُسے اتنی جلدی میں چھوڑ کر گیا تھا کہ نہ تو اس نے ہیڈ لیمپس بجھانے کی زحمت گوارا کی اور نہ اس کی پرواہ کی تھی کہ انجن چلتے رہنے سے خواہ مخواہ ایندھن ضائع ہو گا۔ حمید نے گاڑی ٹارچ نکالی اور قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔

"اوہو....!" وہ ٹھٹک گیا۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑی ہوئی ایک موٹر سائیکل پر گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کیا یہ آپ کی بائیک ہے۔" سائرہ نے پوچھا۔ حمید نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"خدا کی پناہ پھر یہی منحوس پہاڑیاں۔" سائرہ نے ٹھنڈی سانس لی اور حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔ ن پہاڑیوں میں اُسے آج ہی کئی دل ہلا دینے والے تجربات ہوئے تھے جن کی ذمہ داری کسی تک شائد اس لڑکی پر بھی تھی۔

"تم واپس جاؤ" اُس نے کہا۔ "وہ یقینی طور پر جنگل ہی میں داخل ہوئے ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے ڈیڈی بھی یہیں ہوں۔"

"یہ کس بناء پر کہہ رہی ہو۔" حمید نے پھر کان کھڑے کئے!

"محض قیاس ہے۔"

حمید نے جیپ کا انجن بھی بند کر دیا اور ہیڈ لیمپس بھی بجھا دیئے۔ اب وہ ٹارچ کی روشنی میں موں کے نشانات تلاش کرنے لگا۔ یقینی طور پر کچھ آدمی اُس جگہ سے چل کر جنگل میں داخل ئے تھے۔

"کیوں نہ ہم یہیں رک کر کرنل کی واپسی کے منتظر رہیں۔" سائرہ نے کہا۔

"انتظار تو تمہاری تجربہ گاہ میں بھی ہو سکتا تھا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔

بہر حال وہ جنگل میں گھس پڑا لیکن کوشش یہی تھی کہ سائرہ سے ایک قدم بھی پیچھے نہ رہ پائے! کیونکہ اُس کی طرف سے مطمئن ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کیونکہ وہ راستے کا تعین کیے بغیر جنگل میں داخل ہوا تھا۔

"میرے خدا.....!" سائرہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "یہ کیسی بھیانک آوازیں ہیں۔"

"مختلف قسم کے جانوروں کی ملی جلی آوازیں ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ مگر کیا تم ڈر رہی ہو۔"

"نن.... نہیں تو۔"

بس حمید سے اتنی ہی عقلمندی "سرزد" ہوئی تھی کہ وہ لنکن کی اگلی سیٹ کے نیچے سے ایک ٹامی گن اور اُس کا کچھ میگزین نکال لایا تھا۔

وہ بھٹکتے رہے لیکن جنگل سے نکلنا ممکن نہ ہوا۔ حمید خصوصیت سے اُن حصوں کی طرف رخ نہیں کرتا تھا جہاں اُسے کائی نظر آتی تھی۔ آج ہی اس کائی کی پھسلن نے کچھ نئے سبق دیئے تھے۔ سائرہ کی وجہ سے اکثر اُسے دم لینے کے لئے رکنا بھی پڑتا۔ غنیمت یہی تھا کہ ابھی تک جنگلی درندے سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی ورنہ سائرہ کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا۔

وہ بھٹکتے رہے اور افق میں اُجالا پھیلنے لگا۔ حمید کے ذہن پر نیند کے ساتھ ہی جھلاہٹ مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے سائرہ سے کہا۔ "تمہارا نام سائرہ ہی ہے نا۔"

"کیوں! کیا آپ ابھی تک خواب دیکھ رہے تھے۔" سائرہ نے چڑچڑاہٹ ظاہر کی۔

"نہیں میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا ستارہ زحل ہے۔ زحل جو نحوس ستارہ کہلاتا ہے۔"

آہستہ آہستہ اجالا پھیلتا رہا۔ حمید ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا خالی معدے اور ناچتی ہوئی کھوپڑی کے درمیان سمجھوتہ کر رہا تھا۔ اسی دوران میں مزید شامت نے گھیرا تو پائپ بھی سلگا بیٹھا۔ لیکن تین ہی چار کشوں نے تارے دکھا دیئے۔ کھانستے کھانستے پھیپھڑے دھونکنی بن گئے۔ شب بیداری، تھکن اور بھوک نے تمباکو کے دھوئیں میں لپیٹ کر اُسے ایسی ایسی

دیں کہ عقل ٹھکانے آ گئی۔

اچھی طرح اُجالا پھیل جانے کے بعد وہ پھر ایک جانب چل پڑے۔ سائرہ بہت شدت سے بور نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار جھلاہٹ میں حمید سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اُسے ایک لاپرواہ اور نکما آدمی سمجھتی ہے جس کے جواب میں حمید نے کہا تھا۔ "کچے کریلے مت چباؤ۔ میں نے تم سے کب خواہش ظاہر کی تھی [illegible] ساتھ جھک مارتی پھرو۔"

اس کا کوئی [illegible] ہی نہیں تھا سائرہ کے پاس۔ خاموش رہ جانے کے علاوہ اور کیا کرتی۔

[illegible] وہ ایک چٹان سے اتر کر نشیب میں جا رہے تھے کہ اچانک انہیں کسی کے پیر نظر آئے جو ایک پتھر پر ٹکے ہوئے تھے اور جسم کا بقیہ حصہ پتھر کے نیچے تھا۔

اس لئے قریب پہنچے بغیر چہرہ نظر آنا مشکل ہی تھا۔ سائرہ نے تو اُس تک پہنچنے میں اتنی عجلت کی کہ ایک بار گر ہی پڑی تھی۔

"ارے.... یہ تو..... وہی ہے۔" اُس نے چیخ کر کہا۔

حمید نے پہلی ہی نظر میں اُسے پہچان لیا۔ یہ میجر ڈالٹن ہی تھا۔ جس کی تصویر اُس نے فریدی کی کونفیڈنشل فائل میں دیکھی تھی۔ لیکن وہ مر چکا تھا۔ جسم پر کہیں بھی کوئی ایسا زخم نظر نہ آیا جسے گولی لگنے کا نتیجہ سمجھا جا سکتا۔ البتہ سر کا پچھلا حصہ پاش پاش ہو چکا تھا۔

"اوہ.... اوہ...." سائرہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "کرنل نے اسے بالکل اُسی طرح اٹھا کر پٹخا ہو گا جیسے تہہ خانے میں پٹخا تھا۔ خدا کی پناہ۔ ایسے لحیم شحیم آدمی کو سر سے اونچا اٹھا کر پٹخ دینا مجھے تو کسی جن ہی کا کام معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ جن تمہارے سر پر نہ آ جائے۔ لیکن اسے یاد رکھنا کہ یہ جن سو فیصدی عورت پروف ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت لڑکیاں اس کے لئے شلجم کی ترکاری سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں جسے وہ اپنے دستر خوان پر برداشت تو کر لیتا ہے لیکن اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتا۔"

"بکواس کیوں شروع کر دی آپ نے۔" سائرہ نے آنکھیں نکالیں۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کے خیالات اتنے گندے کیوں ہیں۔"

"محض اس لئے کہ میں تو اکثر کچے شلجم بھی نگل جاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر میجر ڈالٹن

کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اُسے مار کیوں ڈالا۔ اسے تو زندہ ہی گرفتار کرنا چاہئے تھا۔ مگر پھر سوچا ہو سکتا ہے کہ والٹن خود ہی جان دینے پر تل گیا ہو۔ فریدی خواہ مخواہ خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن کیا اب وہ یہاں سے جا چکا ہے؟ حمید کی دانست میں یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی ایسے مجرم کی لاش یہیں چھوڑ جانا پسند نہ کرتا جس کی حیثیت بین الاقوامی رہی ہو۔ وہ اسے اٹھا کر اُسی جیپ کار میں شہر لے جاتا جو انہوں نے جنگل کے باہر دیکھی تھی۔ یہاں اس لاش کی موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بھی ابھی جنگل سے باہر نہیں نکلا۔

حمید سوچ ہی رہا تھا اب اُسے کیا کرنا چاہئے کہ اچانک چٹان کی پشت سے کسی ریلوے انجن سیٹی کی سی آواز آئی اور حمید بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کیونکہ یہ آواز وہ پہلے بھی سن چکا تھا یہ آواز اُسی فتین کی ہو سکتی تھی جو شتر مرغ کے انڈے سے برآمد ہوا تھا۔ حمید کا اندازہ غلط نہیں نکلا دوسرے ہی لمحے میں اُس نے چٹان سے نیچے چھلانگ لگائی اور حمید پر دولتی جھاڑتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ حمید نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ بعد میں آنے والا کون تھا۔ بس وہ تو اُس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ وہ پھر ایک اونچی سی چٹان پر جا چڑھا۔

اُس کے گرد سر سے پیر تک چمکدار غبار سا گردش کر رہا تھا۔

حمید نے ٹامی گن سیدھی کی اور اس پر گولیاں برسنے لگیں۔ لیکن وہ تو نہایت اطمینان سے کھڑا ٹامی گن ہی کی سی آوازیں اپنے حلق سے نکال رہا تھا۔ گویا چڑا رہا تھا ٹامی گن کو۔

حمید نے جھلا کر یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا اور اُس نا ہنجار شتر مرغ زادے نے قلقاری مار کر حمید کو چونچ دکھائی۔

”رہنے دو....!“ وہ فریدی کی آواز سن کر مڑا.... فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں کئی گھنٹوں سے زچ ہو رہا ہوں۔ ٹامی گن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔“

بچے نے پھر ریلوے انجن کی سی سیٹی بجائی اور جھک جھک کر فریدی کو سلام کرنے لگا فریدی ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ”یہ کم بخت سال ہا سال سے میرے ذہن پر بار بنا ہوا ہے۔“

”سالہا سال سے کیا مطلب۔“ حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

”کیا تم اسے نہیں پہچان سکے۔“

”نن.... نہیں....!“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

”یہ فنچ ہے....!“

”نہیں....!“ حمید اچھل پڑا۔

”یہ فنچ ہے اور اس کا تعلق کسی بھی پارٹی سے نہیں رہا۔ جس کے لئے یہ سب اتنے دنوں سے ...رہے تھے وہ اُس نے معمولی سی ذہانت صرف کر کے حاصل کر لی۔ اب تم دیکھ رہے ہو کوئی کا کیا بگاڑے گا۔ بس اگر یہ ہاتھ آجائے تو پکڑا ضرور جا سکتا ہے۔ لیکن گولی کبھی نہیں لگ سکتی بارے کترا کر نکل جائے گی۔“

”ارے کرنل دی گریٹ رک کیوں گئے! پکڑو مجھے۔“ فنچ نے اوپر سے للکارا۔ ”میں تمہیں طرح دوڑاتا رہوں گا اور جب تھک کر گر جاؤ گے تو میں سب سے پہلے تمہاری ناک کاٹوں گا۔ ہاں صاف کروں گا۔ لیکن گردن نہیں کاٹوں گا تاکہ تم لوگوں کو اپنا سپاٹ چہرہ دکھانے کے کچھ دن تو زندہ رہو۔“

”پتھراؤ کروں۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”وہ بھی فضول ثابت ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔ ”قوت سے پھینکی ہوئی کوئی بھی ثقیل چیز غبار نہیں گذر سکے گی۔ البتہ تم اس غبار میں ہاتھ ڈال کر اُس کی گردن ضرور دبا سکو گے۔“

”یہ سب کیسے معلوم ہوا آپ کو۔“ سائرہ نے پوچھا۔

”آپ کے ڈیڈی کی عنایت ہے۔“

”اوہ.... ڈیڈی.... وہ کہاں ہیں۔“

”اس وقت شہر کے راستے میں ہوں گے۔ میں نے انہیں والٹن کی جیپ میں بیٹھا دیا تھا۔ وہ فنچ کے قیدی تھے۔ یہیں ایک غار میں! غالباً فنچ انہیں یہاں اس لئے لایا تھا کہ اُن سے اس غبار کے نامکمل معلومات حاصل کر سکے۔“

”کیا تم نے ہمت ہار دی ہے کرنل فریدی۔“ فنچ نے اُسے پھر للکارا۔

”نہیں بیٹے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”میں نے قسم کھائی ہے کہ آج تمہاری آزادی کا آخری دن ہوگا۔“

”آؤ تو پھر وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔“

...کے کارناموں کے لئے ”ڈاکٹر ڈریڈ“ کے سلسلے کی کتابیں جلد نمبر 19 ملاحظہ فرمائیں۔

"ایک نہیں دس پتھر مارو۔" فنچ نے اوپر سے جواب دیا۔ چمکیلا غبار اب بھی اُس کے گر
رہا تھا۔

فریدی نے جھک کر پتھر اٹھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تم لوگ جتنا تیز دوڑ سکتے ہو
سامنے والی چٹان پر رک کر میرا انتظار کرنا۔"

جیسے ہی انہوں نے مڑ کر دوڑنا شروع کیا فنچ قہقہہ لگا کر بولا۔ "کوئی چال کارگر نہیں
کرنل فریدی تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکو گے۔"

"پتھر سنبھالو.....!" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"آنے دو۔" فنچ نے کسی بوڑھے بندر کی طرح گردن اکڑائی۔

فریدی نے درخت پر پتھر چلایا اور خود بھی مڑ کر بے تحاشا اُس طرف بھاگا جدھر ح
سائرہ گئے تھے۔ یک بیک انہوں نے فنچ کی چیخیں سنیں۔ حمید نے مڑنا چاہا لیکن فریدی بولا۔
دار دوڑتے رہو۔"

بالآخر وہ اُسی چٹان پر پہنچ کر رکے۔ فنچ درخت سے گر کر زمین پر لوٹ رہا تھا اور بُر
چیخے جا رہا تھا۔ "بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ۔"

کبھی اٹھ کر پاگلوں کی طرح ناچنے اور اچھلنے کودنے لگتا اور کبھی گر کر زمین پر ایڑیاں رگڑ

"بہت اچھے۔" فریدی منہ پر ہاتھ لگا کر چیخا۔ "یہ تھا آخری پتھر بیٹے۔ اب پروفیسر
بچائے تمہاری جان۔"

"کیا کیا تھا آپ نے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاتھی پر کتے کا پلا کھینچ مارا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"بچاؤ..... بچاؤ..... کرنل..... بچاؤ!" فنچ زمین پر لوٹتا اور چیختا رہا۔

"شہد کی مکھیاں۔" فریدی بولا۔ "ایک بڑا سا چھتا اوپری شاخوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔
فنچ کی نظر نہیں پڑی تھی۔ میں نے اُسی پر پتھر کھینچ مارا تھا۔ مکھیاں جھلا کر اڑیں اور اُس کے
گئیں۔ میں نے اسی لئے تم کو بھاگنے کو کہا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" سائرہ منہ کھول کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ فنچ بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔



میجر والٹن آخری جدوجہد کے دوران میں فریدی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور فنچ بیہوشی کے
میں جنگل سے اٹھایا گیا تھا۔ کرنل سلانن پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں گرفتار ہوا۔ چونکہ میجر
ن کا ایک خاص آدمی جیری پہلے ہی ہاتھ آچکا تھا اس لئے پورا گروہ بہ آسانی کھود نکالا گیا۔ والٹن
ہا سال سے یہاں براجمان تھا اور اُس کے ایجنٹ ایک غیر ملک کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے۔
بھانے والی گاڑی جس سے ٹکرا کر ایک کار فنا ہو گئی تھی، والٹن ہی کی ملکیت تھی۔ وہ بھی شہر
یک ورکشاپ سے برآمد کر لی گئی۔ وہ بظاہر ایک معمولی سی بڑی گاڑی تھی لیکن جب اس کے
ھے سے ایک بڑا سا بفر اٹیچ کر دیا جاتا تھا تو وہ بے حد خطرناک ہو جاتی تھی اور یہی بفر ٹکرانے
چیزوں کے پرخچے اڑا دیتا تھا۔

حمید کو ابھی تک تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ حالانکہ اس قصے کو ختم ہوئے تین دن گذر چکے
۔ فریدی اس دوران میں زیادہ تر ملٹری ہیڈ کوارٹر میں رہا تھا۔

چوتھے دن کہیں حمید کی باری آئی۔ پروفیسر مقدس غوری والا معاملہ تو اُسے ابھی تک بے و
ہی معلوم ہوتا رہا تھا۔ لیکن فریدی نے اُسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مقدس غوری بچپن
ں بغرض حصول تعلیم جرمنی بھیج دیا گیا تھا۔ بچپن سے چالیس سال کی عمر تک وہ وہیں رہا اور
نے وہاں بعض اعلیٰ درجہ کے سائنٹفک تحقیقی کارنامے انجام دیئے۔ جنگ کے بعد بھی وہ
ا جرمنی ہی میں مقیم رہا۔ ڈاکٹر داؤد بھی ان دنوں جرمنی ہی میں تھا۔ لیکن جنگ کے دوران
لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک رات وہ اچانک پروفیسر غوری کے مکان پر پہنچا اور اُسے بتایا کہ وہ خطرے
ہے اُس نے اُس کے پاس ایک موٹا پیکٹ امانتاً رکھوایا اور پھر غائب ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد
لا۔ پروفیسر غوری اُن دنوں وطن آنے کی تیاری کر رہا تھا اُس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور
اب یہاں اپنا کاروبار دیکھنا تھا۔ پروفیسر نے ڈاکٹر داؤد کو وہ پیکٹ دینا چاہا۔ تب ڈاکٹر داؤد نے
پیکٹ کی کہانی سنائی! اُس میں ایک بڑے سائنسدان کے ایک حیرت انگیز تجربے کے کاغذات
جو جنگ کے دوران میں اُس نے مرتے وقت ڈاکٹر داؤد کے سپرد کئے تھے! اور اس سے استدعا
کی کہ خواہ وہ انہیں تلف کر دے لیکن مخالف قوتوں کے ہاتھ انہیں نہ لگنے دے۔ پروفیسر

غوری نے اُن کاغذات کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔ ایک ایسی ایجاد ہ
لڑاکا طیاروں کو دشمن کے حملوں سے سو فیصد محفوظ رکھے گی۔ ڈاکٹر نے اُس کو اس پر آمادہ کیا کہ
وطن پہنچ کر اس تجربے کو مکمل کرے، جو مرنے والے سائنسدان کے بیان کے مطابق کسی
تک ادھورا رہ گیا تھا۔ اُس نے اُسے یہ بھی بتایا کہ کچھ نامعلوم لوگ ان کاغذات کے چکر میں ہیں
جو ہو سکتا ہے کہ وطن تک اُس کا تعاقب کریں اس لئے بڑی راز داری سے کام لینا پڑے گا۔ لہٰ
انہوں نے اسکیم بنائی کہ ایک نقلی پروفیسر غوری پیدا کیا جائے اور خود پروفیسر غوری سکون کے
ساتھ کسی گوشے میں وہ تجربہ مکمل کرے۔ سائرہ بڑی ذہین اور محتاط لڑکی تھی اس لئے اُسے بھ
راز دار بنایا گیا۔ کیونکہ اُس کے بغیر تو کام چل ہی نہ سکتا۔ وطن پہنچ کر ایک تجربہ گاہ بنائی گئی جس
کے نیچے بھی تجربہ گاہ تھی۔ پروفیسر غوری تہہ خانے ہی والی تجربہ گاہ میں رہتا تھا۔ چونکہ کسی نے
اُسے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے نقلی پروفیسر غوری جو اُس سے کسی حد تک مشابہ بھی
بخوبی چل گیا۔ پہلے پروفیسر غوری نے اس اسکیم کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ملٹری کے
سائنسی تحقیقاتی ادارے کے تحت کام کرے گا لیکن ڈاکٹر داؤد نے اُسے سمجھایا کہ مغربی ممالک کے
جاسوس بڑے خطرناک ہوتے ہیں وہ وہیں سے اس کا راز اڑا لیں گے۔ لہٰذا کیوں نہ پہلے تجربہ
خاموشی سے مکمل کیا جائے پھر اُس کے بعد اُسے ملٹری کے تحقیقاتی ادارے کے سپرد کر
جائے۔ اس طرح سکون کے ساتھ کام بھی ہو جائے گا اور غیر ملکی جاسوسوں سے بھی جان بچی
رہے گی۔ حالانکہ ڈاکٹر کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اُس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے وہ تو بڑ
پروفیسر سے تجربہ مکمل کرانے کے بعد خود زیادہ سے زیادہ مالی منفعت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تجربہ
مکمل ہونے سے پہلے ہی میجر والٹن اُس سے آٹکرایا۔ شائد اُسے علم تھا کہ کاغذات ڈاکٹر کے پاس
ہیں۔ وہ اُسے غالباً شیشے میں اتار رہا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ڈاکٹر نے اُس سے کہا ہو کہ تجربہ
مکمل ہو جانے کے بعد وہ فارمولا اُس کے ہاتھ فروخت کر دے گا اور "اُلّو" کا حوالہ ظاہر کرتا ہے
کہ وہ ڈاکٹر سے اپنی اصلی ہی شکل و صورت میں ملا ہوگا۔ بہر حال دوسری طرف ڈاکٹر نے نصیری کو
راز دار بنا کر اُس غیر ملکی سفارت خانے سے بھی گفت و شنید کرائی تھی۔ سفارت خانے کی آفر کی
ہوئی رقم شائد والٹن کی رقم سے زیادہ تھی۔ والٹن کو شائد اس کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے پہلے تو
ڈاکٹر کو دھمکایا ہی ہوگا اور پھر جھلا کر ختم کر دیا ہوگا۔ اگر پہلے دھمکی نہ دی ہوتی تو ڈاکٹر کو تو الٹ

اطلاع دیتا۔ بہر حال اُسے گولی ماردی۔ ڈاکٹر نے اس دھمکی کا تذکرہ نصیری سے بھی کیا ہوگا۔
لئے وہ اُلّو کے حوالے پر خائف ہو گیا تھا۔ والٹن نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کاغذات کے
لق پولیس کو بھی کچھ معلوم ہو جائے لہٰذا اس نے نصیری کو بھی ختم کر دیا۔ واضح رہے کہ
ف کاغذات کے لئے اس لئے نہیں کہ اُلّو کی شخصیت ظاہر ہو جاتی۔ اُس نے ڈاکٹر کی زندگی
بھی اس کی لاعلمی میں اُس کے مکان کی تلاشیاں ضرور لی ہوں گی۔ لیکن وہاں اُسے کیا ملتا
ے اُسے یقین رہا ہوگا کہ کاغذات کوٹھی ہی میں موجود ہیں اس لئے اُس نے کوٹھی میں آگ
ی کہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ اس لئے نہیں کہ وہاں اُس کا کارٹون موجود تھا۔
ے فنچ کو بھی اس تجربے کے متعلق علم ہو گیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی گھات میں تھا۔ دراصل فنچ ہی
جہ سے ہم پروفیسر کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اگر وہ شتر مرغ کے انڈے سے برآمد نہ ہوتا تو
ذ ہم غوری کے متعلق اس قسم کی کوئی چیز سوچ ہی نہ سکتے۔ فنچ کو علم تھا کہ میجر والٹن بھی انہیں
ات کے چکر میں ہے۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسی طرح سنسنی پھیلا کر ان لوگوں کو
ن کر دے جو کاغذات کی تلاش میں ہیں۔ میجر والٹن جو یہاں کے تمام سائنسدانوں سے ڈاکٹر
رنگ کے بھیس میں ملتا پھر رہا تھا۔ دراصل اس چکر میں تھا کہ اس تجربہ گاہ کا پتہ لگائے۔ وہاں
ڑ داؤد والے کاغذات کے مطابق تجربات ہو رہے تھے۔ اسی سلسلے میں غوری کی وہ تجربہ گاہ بھی
کی لسٹ پر آئی جو نقلی غوری کے چارج میں تھی۔ اُس کے متعلق اُسے یہی معلوم ہوا ہوگا کہ
ئی احمق رئیس ہے جو اس طرح اپنی دولت برباد کر رہا ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اس علاقے
پیر جمانے کے لئے یہی مناسب ہوگا کہ وہ کسی تجربہ گاہ کے سربراہ سے دوستی بھی گانٹھ لے۔
کی ہی اُسے مناسب معلوم ہوا ہوگا کیونکہ والٹن خود بھی کوئی سائنسدان تو تھا نہیں! کہیں اور
جماتا تو ہر وقت ہی بھرم کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا۔ فنچ نے اپنے کام کی شروعات کے لئے
موقع مناسب سمجھا جب نقلی غوری والٹن کے بنائے ہوئے انڈے پر تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ وہ
غائب کر کے خود ہی مشین سے برآمد ہو گیا۔ عمدہ قسم کے میک اپ میں تھا اس لئے تم بھی نہ
نا سکے!"

"آپ نے پہچان لیا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"قطعی طور پر! اسی لئے مجھے فکر ہوئی تھی کہ پروفیسر غوری کے ذرائع آمدنی معلوم کروں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔ آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا تھا کہ وہ حقیقتاً پروفیسر غوری نہیں ہے۔ آپ نے دستخطوں کا مسئلہ کس بناء پر اٹھایا تھا۔"

"انکم ٹیکس آفس میں اُس کے ذرائع آمدنی کے متعلق کاغذات دیکھ رہا تھا کہ ایک تاجر نے برسبیل تذکرہ اُس کے جھکی پن سے متعلق ایک واقعہ سنایا۔ کسی دن سنٹرل بینک میں دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ تاجر کا کچھ روپیہ پروفیسر کے ذمے تھا۔ اُسے روپیوں کی شدید ضرورت تھی۔ لیکن پروفیسر کے پاس اُس وقت اکاؤنٹس کے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے اور چیک بک بھی موجود تھی۔ تاجر نے اُس سے کہا کہ اگر وہ اُسے چیک ہی دے سکے تو اُس کی بعض وقتی پریشانیاں رفع ہو جائیں گی۔ اس پر پروفیسر بہت بگڑا تھا اور کہا تھا کہ وہ راہ چلتے چیک لکھنے کا عادی نہیں ہے۔ دوسرے دن کیش بھجوا دے گا۔ اس نے اُسے اُسی دن اُس کی مطلوبہ رقم بھجوا دی تھی۔ لیکن چیک نہیں دیا تھا۔ میں نے مزید پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ اُسے اکثر چیک بھی ملتے رہے ہیں مگر جب بھی ملے ہیں سائرہ ہی کے ہاتھوں ملے ہیں۔ بہر حال اس چیز نے مجھے اُس کے دستخطوں کا مسئلہ چھیڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ہاں تو بہر حال جب تک فنچ یونہی اُدھم مچاتا رہا ان دونوں پارٹیوں میں سے کسی نے بھی اس کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔ لیکن جیسے ہی وہ چمکیلے غبار سمیت ظاہر ہو وہ سب پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ لیکن فنچ تو پروفیسر مقدس غوری کو پہلے ہی نکال لے گیا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید نے کہا۔ "ڈیہور کی پہاڑیوں میں سائرہ اُس سے پہلے ہی لے جائی گئی تھی۔ یعنی اُس وقت چمکیلے غبار کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ لیکن لے جانے والے نے اس سے بچے کی اصلیت معلوم کرنی چاہی تھی۔"

"چمکیلے غبار کا ظہور ہو چکا تھا۔ مجھے دیر سے اطلاع ملی تھی۔"

"پتہ نہیں ابھی اور کتنے پوائنٹس ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ مثال کے طور پر وہ پھٹی ہوئی جراب جس کے ذریعہ بلڈ ہاؤنڈ اس آدمی تک پہنچا تھا۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سفارت خانے کی ایک عورت میرے لئے بھی کام کرتی ہے۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ کرنل سلانن کے کچھ بے ضابطہ ملازم ڈیہور کی پہاڑیوں میں مقیم ہیں۔ لیکن وہ اُن کی صحیح نشاندہی نہیں کر سکی تھی۔ میں نے اُس سے ان لوگوں میں سے کسی کی

استعمال کردہ چیز مانگی۔ یہ کام اُس کے لئے بہت دشوار تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے اُن کے لیڈر کی ایک پھٹی ہوئی جراب حاصل ہی کرلی۔ بعد میں پتہ چلا کہ والٹن کے کچھ آدمی بھی ڈیہور کی پہاڑیوں میں رہتے تھے اور اُس دن وہ جنگ انہیں دونوں پارٹیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ سلانن کے آدمیوں نے سائرہ کو پکڑا تھا اور والٹن کے آدمی اُسے اُن سے چھین لے جانا چاہتے تھے۔"

"مگر آپ نے وہ جھگڑا کیسے فرو کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ دونوں طرف کے آدمی بھاگ نکلے تھے۔"

"وہ اسمیتھر کو دیکھ کر بھاگے تھے۔ کسی نے "پولیس ڈاگ" کا نعرہ لگایا تھا اور پھر وہ سبھی فرار ہوگئے تھے۔ حالانکہ اسمیتھر نے اُن کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ وہ تو جس کی تلاش میں تھا اسی راہ پر لگا رہا تھا۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "نصیری کے اس نوٹ کا کیا مطلب تھا چوہا... محفوظ ہے۔"

"اوہ.... وہ نوٹ۔ وہ اُسی تجربے کے متعلق تھا۔ پروفیسر نے ایک چوہے پر میگنٹ بلٹ چڑھا کر اُس پر فائر کئے تھے لیکن وہ محفوظ رہا تھا۔ ڈاکٹر داؤد نصیری کے ذریعہ روزانہ کی خبریں کرنل سلانن تک پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے نصیری کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ تجربہ کہاں مکمل کیا جا رہا ہے اور اُس کی تکمیل کرنے والا کون ہے۔ ورنہ ان دونوں کے قتل کے بعد ہی سلانن کے آدمی تجربہ گاہ پر چڑھ دوڑے ہوتے۔ یہ ایجاد حقیقتاً حیرت انگیز ہے۔ چمکیلے ذرات ایک مقناطیسی نظام کے گرد مخصوص فاصلے سے چکراتے رہتے ہیں۔ یہ فاصلہ گھٹایا بڑھایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جو ذرات فنچ کے گرد چکراتے رہے تھے یہی ایک طیارے کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ بس اُس مقناطیسی نظام میں تھوڑی تبدیلی کرنی پڑے گی۔ اتنے ہی ذرات بڑے سے بڑے طیارے کی لمبائی اور چوڑائی کو ڈھک لیں گے۔ تم نے صرف گولیوں کا تجربہ کیا ہے۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ کسی ایسے طیارے پر میزائل کا حملہ بھی ناکام ہو جائے گا جس کے گرد یہ ذرات موجود ہوں اور یہ دونوں بد بخت ایسی چیز غیروں کے حوالے کرنے جا رہے تھے۔"

"پروفیسر کو سکتہ ہو گیا تھا جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر داؤد اُسے کسی غیر ملکی سفارت خانے کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر داؤد اس کے نام ملٹری کے اعلیٰ حکام کے جعلی

خطوط لاتا رہتا تھا جن میں زیادہ تر یہی ہدایت ہوتی تھی کہ وہ اپنا کام انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ جاری رکھے۔ اُس نے وہ سارے خطوط میرے حوالے کر دیئے ہیں۔"

"اب پروفیسر کا کیا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہ اس کی تکمیل فوجی ادارہ تحقیقات کے تحت کرے گا۔ اُس کا بیان ہے کہ ابھی اس میں کچھ خامیاں ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔"

"مگر اس کم بخت فنچ نے اس کا دوسرا ہی مصرف پیدا کر لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"میری دانست میں تو اگر اُسے تین چار دن کی مہلت اور ملتی تو وہ سارے شہر کا صفا کر دیتا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ یقین کرو۔ میں اُس دن اتنا زچ ہوا تھا کہ بس اسی کی کسر رہ گئی تھی کہ ایک بڑا سا پتھر اٹھاؤں اور اپنے ہی سر پر مار لوں۔ یہ ننھا سا کیڑا مجھے سارے جنگل میں نچائے پھر رہا تھا۔"

"مگر خدا کی قسم آپ کو سوجھی بھی خوب تھی۔ مجھے تو وہ تاریک[1] وادی میں سنگ ہی کی اُس وقت کی بے بسی یاد آ گئی تھی جب آپ نے اپنے کوٹ میں آگ لگا کر اُسے گیس اگلنے والے غار کی طرف پھینکا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ حمید نے پوچھا کہ آخر فنچ پروفیسر کو وہاں سے لے کیسے گیا ہو گا۔

"ریوالور کی نال پر.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "اُسے تہہ خانے سے نکال کر گیراج میں لایا تھا اور اُسی سے کار بھی ڈرائیو کرائی تھی۔ ڈیبور کی پہاڑیوں میں لے گیا اور ایک غار میں بیٹھا اس سے میگنٹ بلٹ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے جا لیا۔ میں دراصل والٹن کی تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک غار کے قریب سے گذرتے وقت میں نے فائر کی آواز سنی۔ یہ حماقت فنچ ہی سے ہوئی تھی۔ اُس نے پروفیسر کو دھمکاتے دھمکاتے ایک فائر بھی کر دیا تھا لیکن شائد اُس فائر کا مقصد بھی محض دھمکانا ہی تھا۔ کیونکہ پروفیسر محفوظ رہا تھا۔ میں نے اُسے غار ہی میں پکڑ لیا ہوتا لیکن وہ ڈاج دے کر نکل گیا۔ اس طرح پروفیسر بھی اتفاقاً ہی ہاتھ لگ گیا تھا۔ ورنہ شائد فنچ اپنا کام کر گیا ہوتا۔ اب وہاں میرے لئے دو تھے ایک والٹن اور دوسرا فنچ۔ دونوں ہی اندھیرے میں گم ہو چکے تھے۔ والٹن مر گیا تھا مجھے اس کا افسوس ہے۔ مگر کیا کروں اُس نے چھپ کر عقب سے حملہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے بچاؤ کے لئے اضطراری ہی طور پر پوری قوت صرف ہو جاتی ہے۔ وہ اچھل کر میری پشت پر آیا تھا اور میں نے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف الٹ دیا تھا۔ اُس کا سر کسی چٹان سے ٹکرا کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر اجالا ہوتے ہی فنچ سے دوبارہ مڈبھیڑ ہو گئی۔ پہلے تو اُس نے اپنا ریوالور مجھ پر خالی کیا پھر پتھراؤ پر اتر آیا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اب دائرہ اور مثلث کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"ممکن ہے تمہارا ہی خیال درست ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "دائرہ اور مثلث سائرہ اور قاسم کی تصوراتی تشکیل ہی ہوں۔ ان کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہر آدمی کے ذہنی تجربات مختلف ہوتے ہیں۔ لفظ سائرہ سن کر تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"کم بختی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "بس یہی محسوس ہوتا ہے جیسے بارہ گھنٹے کے نوٹس پر شادی ہو جائیگی۔ مقدس.. ایسا لگتا ہے جیسے دونوں کے درمیان ایک بڑا سا سلیم شاہی جوتا حائل ہو۔"



سائرہ بُری طرح حمید کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ اُسے علم تھا کہ وہ اکثر آرلکچو میں آتی ہے۔ لہٰذا وہ سر شام ہی گھر سے نکل گیا اور جب حمید ہی اُس کے چکر میں یہاں آیا تھا تو پھر قاسم کیوں نہ موجود ہوتا۔ وہ تو روز ہی اسی لئے آتا تھا کہ شائد سائرہ سے ملاقات ہو جائے۔ جب سے پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں فریدی اور حمید نظر آئے تھے اس نے وہاں جانا چھوڑ دیا تھا اور اکثر شامیں جھریالی ہی میں گذرا کرتی تھیں۔

"آداب بجالاتا ہوں صدر صاحب۔" حمید اُس کی میز کے قریب رک کر بولا۔

"میں نہیں بجواتا..... دپھا ہو جاؤ۔" قاسم نے بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حمید نے خفگی کی وجہ پوچھی تو چہک کر بولا۔ "سالے تم میری جندگی برباد قر دو غے۔ ابے سالے تم ہی اُسے جلشہ گاہ میں لائے تھے۔ قیوں لائے تھے۔ اب وہ سالی کہتی ہے میں بھی ترقی

[1] اس کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "خونی بگولے" جلد نمبر 15 ملاحظہ فرمائیے۔

کروں گی.... کرکٹ کھیلوں گی فٹ بال کھیلوں گی.... ٹھینگا پہنوں گی۔ پتلون چباؤں گی
ہاں نہیں تو....!"

"ارے تو وہ کیوں نہ کرے ترقی۔"

"اچھا....!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تمہاری باپ ہے سالے! تم کون ہوتے ہو ترپھداری کرنے .... کرنے.... ہی ہی.... آئیں.... آئیں.... ابے بیٹھ جاؤ بھائی.... الاقسم شریفوں کی طرح۔"

وہ صدر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی مڑا.... سائرہ تیزی سے چلتی ہوئی اِ طرف آرہی تھی۔

وہ میز کے قریب ہی آکر رکی لیکن تیور کہہ رہے تھے جیسے قاسم کو کچا ہی چبا جائے گی۔ قا نے اس کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر نظریں جھکالیں۔

"قاسم صاحب۔" وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "آپ گھاس تو نہیں کھاگئے۔"

"جج.... جی نہیں.... الاقسم.... قسم لے لیجئے۔"

"آپ بھینسے ہیں۔ کان کھول کر سنئے۔ مجھے صرف نازک اندام مرد پسند آتے ہیں۔ جن کمر چلنے میں ہزاروں بل کھاتی ہو۔ صراحی دار گردن ہو اور بالٹی دار کھوپڑی۔ سمجھے۔ اگر آئ آپ نے مجھے اس قسم کا خط لکھا تو کسی چوراہے پر ہی مرمت کروں گی۔ ذرا آپ بھی ملاح فرمایئے گا۔"

اُس نے حمید کی طرف ایک لفافہ پھینکا اور تیزی سے دروازے کی جانب مڑ گئی۔ قاسم کر کی پشت سے ٹکا اور بھاڑ سا منہ کھولے کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے لفافے سے خط نکالا.... تحریر تھی۔

"بلبل محبت سلام قبول ہووے۔

سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں یا کیا نہ لکھوں۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ کہ رات بھر جاگتا رہتا ہوں ۔ دل میں نہ جانے کیا ہوتا ہے کبھی درد ہوتا ہے اور کبھی.... بھر بھر بھر ہونے لگتا ہے۔ اللہ کرے میں مر جاؤں۔ جب آپ مجھ کو سرپرست کہتی ہیں تو میرا جی چاہتا

ہے کہ آپ کو کلیجے میں بھرلوں۔ مگر میں بڑا بدنصیب ہوں۔ آپ اتنی بڑی ہیں کیسے کلیجے میں بھرلوں۔ یہ ظالم زمانہ ہمیں ملنے نہیں دے گا۔ میں خودکشی کرلوں گا۔ اللہ قسم دیکھ لیجئے گا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں مل کر خواتین کو خوب ترقی کرادیں!

جی ہاں آپ سمجھ گئیں نا!   بدنصیب کا پٹھا.... قاسم"

حمید نے بڑی سنجیدگی سے خط ختم کیا اور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ابے یہ میں نے جو اتنے دنوں محنت کی تھی سب پر سوڈا واٹر پھیر دیا تم نے.... خدا تمہیں غارت کرے۔"

"اب بتاؤ! میں قیا قروں۔" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔ "دل کی حالت لکھ دی تھی.... پتہ نا کیوں کھفا ہو گئیں۔"

"اول تو تم نے اُسے خط لکھا ہی کیوں؟ اگر لکھنا ہی تھا تو اُن میں سے نقل کر دیتے جو میں نے ائے تھے۔"

"تب اور بھی بیڑہ غرق ہو جاتا۔" قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ "تم منحوس ہو۔ چلے جاؤ ں سے کس نے کہا تھا کہ میری میز پر بیٹھ کر میری ہی دنیا اُجالی.... نن.... نہیں اندھیری و۔ جاؤ یہاں سے ہٹو ورنہ وہ تو مجھے برابر خط لکھتی رہیں۔ میں لکھ دوں تو کھفا ہو جائیں.... قیا ہوئی۔"

"برابر خط لکھتی رہتی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قیا تم نے نہیں دیکھے۔" قاسم آنکھیں نکال کر نہیں بلکہ نقال کر ہی بولا۔ کیوں کہ اُسے زور سے غصہ آگیا تھا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "مگر اُن خطوط پر تو کسی کا نام ہی نہیں ہوتا تھا پیارے۔"

"ہونہ ہو.... میرا دل جو قہتا ہے.... اے تم دیخ لینا خودخوشی ہی کرلوں گا۔"

"خود کشی۔"

"ٹھینگے سے.... کچھ بھی ہو۔ کرلینے سے مطلب۔ خودکشی ہو یا تمہارے باپ کی دم۔ وہ ہانپتا اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 84

انوکھی رہزنی

(مکمل ناول)

پیشرس

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی نئی کہانی حاضر ہے! اسے بھی آپ پچھلی کہانیوں سے مختلف پائیں گے! جس شخص کے گرد کہانی گھومتی ہے، بے حد پُراسرار تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ ہوگا۔ لیکن مجرم خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک دن لازمی طور پر قانون کے شکنجے میں بے بسی سے ہاتھ پیر مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس بار فریدی نے حمید سے کوئی کام نہیں لیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک اہم ترین کام تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد تھا مجرم کو دھوکے میں رکھنا۔ اہم ترین کاموں کے لئے غیر معروف آدمی منتخب کئے تھے، یہی وجہ تھی کہ مجرم بے باکانہ اُسے اُلو بنانے کی کوشش کرتا تھا اور یہی کوششیں اُسے بالآخر لے ہی ڈوبیں!

آج کل کہانیوں کے سلسلے میں بڑی عجیب فرمائشات آرہی ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "کیپٹن حمید اور کرنل فریدی کو چاند میں بھیجئے۔" نہیں بھائی! ذرا سوچئے تو! اگر میں نے انہیں چاند میں بھیج دیا تو کیا خود

زمین پر رہ کر خاک پھاکوں گا۔ یا پھر ٹھہریئے.... ذرا انہیں دیکھ لیجئے جو چاند میں پہنچنے کے منصوبے بنا رہے ہیں، جب اُن کی خیریت کا خط آجائے گا تو میں بھی ان دونوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوا انہیں چاند کے لئے روانہ کر دوں گا۔ ویسے فی الحال اگر جی چاہے تو "چندا ماما تا تا" والا گیت سن لیجئے کیونکہ ابھی تک وہ بچہ جسے آدمی کا باپ کہتے ہیں، چاند کے معاملے میں اس گیت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ پھر آپ خود سو[illegible] گ[illegible]

[illegible] کو مرغیوں کے سے چہرے اور گلہریوں کی سی دمیں رکھنے [illegible] لڑکیا[illegible]

[illegible] اس غ[illegible] کا کیا حا[illegible] ہوگا! کیا اس کی [illegible]ود کشی [illegible]

[illegible] ویسے [illegible] پر تو وہ [illegible] زندگی چاندی سی [illegible] کچھ بھی نہیں۔"

[illegible] سب خیریت ہے دیگر احوال یہ ہے کہ چاند کا سفر یہ لوگ اُسی وقت اختیار کریں گے جب زمین ان پر تنگ ہو جائے گی۔ فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں۔

ابن صفی

۲۶ر جولائی ۱۹۵۹ء

ناخواندہ مہمان

سر سجاد اور اس کی بیٹی رضوانہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ میز پر پلیٹیں لگا دی گئی تھیں اور باورچی شاید کچن میں تھا۔ وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے اسی طرف چلے آئے تھے، ورنہ کھانے کی میز پر پہنچنے میں ابھی سات یا آٹھ منٹ کی دیر تھی۔

سر سجاد ایک بااصول اور وقت کا پابند آدمی تھا۔ بعض اوقات تو اس کی اصول پسندی اور وقت کی پابندی رضوانہ کو مضحکہ خیز بھی لگتی تھی۔ لیکن خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سر سجاد جیسے لوگوں پر کسی قسم کی بھی مخالفت کی صورت میں بلڈ پریشر کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

میز پر تیسری پلیٹ دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ پھر رضوانہ کی طرف مڑ کر جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

رضوانہ کو بھی اس غیر متوقع تبدیلی پر حیرت ہوئی تھی۔ اُس کے علم میں نہیں تھا کہ کوئی تیسرا آدمی بھی رات کے کھانے پر ہوگا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔" سر سجاد نے تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"میں کیا جانوں! میں نے تو کسی کو مدعو نہیں کیا۔"

سر سجاد نے ایک طویل سانس لی اور سر پکڑ کر ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گیا۔

رضوانہ چند لمحے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تو آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے باورچی نے غلطی سے رکھ دی ہو۔"

"غلطی۔" سر سجاد کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "کیا معمولات میں بھی غلطیوں کا امکان

ہو سکتا ہے۔"

"اونہہ ڈیڈی.... ختم بھی کیجئے! میں ہٹائے دیتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو.... آنے دو، اس سے میں جواب طلب کروں گا۔ ورنہ کل اس میز پر پلیٹوں کے ساتھ کسی خارش زدہ کتے کی لاش بھی نظر آسکتی ہے۔"

رضوانہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس سلسلے میں بحث فضول تھی۔ سر سجاد ایسا ہی جھکی تھا۔ اُس نے بھی ایک کرسی کھینچی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ سر سجاد بڑبڑاتا رہا۔

"اس قسم کی غلطی ذہنی طور پر غیر حاضر ہونے کی دلیل ہے۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کر(تا) کہ کام کی طرف دھیان نہ رکھا جائے۔ کل ڈرائیور بھی گاڑی چلاتے چلاتے ذہنی طور پر غیر حاضر ہو سکتا ہے اور گاڑی سڑک پر جانے کی بجائے کسی مکان کے زینوں پر چڑھ سکتی ہے اور....!"

رضوانہ نے یہی بہتر سمجھا کہ خود بھی ذہنی طور پر غیر حاضر ہو جائے کیونکہ اب چرخہ تو چل ہی پڑا تھا۔ وہ بڑبڑائے جا رہا تھا اور وہ اُن جنگلی خرگوشوں کے متعلق سوچ رہی تھی جن کا شکار اُ(س) نے پچھلے دن کیا تھا۔

کچھ دیر بعد باورچی کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور رضوانہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب اُس کی شامت آجائے گی۔

جیسے ہی ٹرالی میز کے قریب رکی سر سجاد تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر دہاڑا۔

"یہ کیا ہے۔"

باورچی بوکھلا کر اُسے دیکھنے لگا پھر ہکلایا۔ "مم.... میں نے.... تت.... تو.... نہیں رکھی.... حضور.... یہ.... پپ.... پلیٹ۔"

"ہائیں تو کیا آسمان سے ٹپکی ہے۔ کیا تیری موت آئی ہے۔ جھوٹا کمینہ۔"

"ٹھہرو...." دفعتاً ایک گرجدار آواز کمرے میں گونجی اور ایک آدمی سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا کر آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نظر آیا جس کا رخ انہیں تینوں کی طرف تھا۔

سر سجاد کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

"چلو.... چپ چاپ کھانا میز پر لگاؤ۔" آنے والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اگر کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو بیدریغ فائر کردوں گا۔ تیسری پلیٹ میں نے رکھی تھی۔"

باورچی سر سجاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو....! کیا تم نے سنا نہیں۔ کھانا لگاؤ۔"

رضوانہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ لیکن سر سجاد کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ بھرائی (ہوئی) آواز میں باورچی سے بولا۔ "کھانا لگاؤ۔"

آنے والا میلی سی خاکی پتلون اور سیاہ اونی جیکٹ میں تھا۔ لیکن شیو بڑھے ہونے کے باوجود (بد)شکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی۔ جسم کی بناوٹ بتا رہی (تھی) کہ وہ کسی گینڈے کی طرح مضبوط بھی ہے۔

"تم کون ہو۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... کیا ایک وقت کے کھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں اپنے حسب نسب (سے) بھی آگاہ کردوں۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔" سر سجاد نے آنکھیں نکالیں۔

"میں بھیک مانگنے کا قائل نہیں ہوں.... باورچی اب الگ ہٹ جاؤ۔ لیکن تم اُس وقت تک کمرے (سے) باہر قدم نہیں نکال سکتے جب تک کہ میں چلا نہ جاؤں۔ ہاں ٹھیک ہے اسی جگہ کھڑے رہو۔"

"تم جانتے ہو کہ تم سے کتنا بڑا جرم ہو رہا ہے۔" سر سجاد نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا، کرسی کھسکائی اور بیٹھ کر ریوالور سامنے (رکھت)ا ہوا بولا۔ "بس اب کھانا شروع کرو۔ مگر شریفوں کی طرح۔ میں کھانے کی میز پر ہاتھا پائی (پسند نہیں) کرتا۔ کھانے کے علاوہ تم سے اور کوئی حرکت سرزد ہوئی تو.... ریوالور میں پورے (راؤنڈ) موجود ہیں اور یہ بے آواز بھی ہے۔"

رضوانہ اپنی کرسی سر سجاد کے قریب کھسکا لے گئی۔ لیکن اس پر اجنبی نے کوئی اعتراض نہیں (کیا)۔ وہ تو اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اس نے بڑے اطمینان سے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کا ڈھکن اٹھا کر (چمچ)ے سے شوربہ نکالنے لگا۔ رضوانہ اور سر سجاد بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔

"ہائیں....!" اس نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا "چلئے شروع کیجئے۔ آپ لوگ تو تکلف (کر ر)ہے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" سر سجاد غرایا۔

"کھانے کی میز پر مجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔ شروع کرو۔ ابھی میں تمہیں لطیفے سناؤں گا۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"پاگل تو تم ہو کہ اگر تمہاری میز پر کوئی تیسرا آدمی آجائے تو تم اپنے ہاتھ روک لو گے شروع کرو، ورنہ گولی ماردوں گا۔ میں دوستانہ فضا میں کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ کہو تو موسیٰ بھی شروع کردوں یعنی کہ آہا! آج موسم بے حد خوشگوار ہے.... کل بھی رہے گا اور شائد پ بھی رہے۔"

رضوانہ نے اپنی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔" سر سجاد کی آواز پھر بھرا گئی۔

"یہی جو کر رہا ہوں...." اجنبی نے کہا۔ اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"مگر یہ طریقہ....!"

"ڈیڈی کھانا کھائیے۔" رضوانہ بولی۔ "یہ کوئی بہروپیا ہے! کھانے کے بعد انعام بھی کرے گا۔"

"کیوں؟" سر سجاد نے اجنبی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں میں تم سے تجوری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔ کل صبح ہی اس کا سوال پیدا ہو گا کہ ناشتہ کہاں سے کیا جائے۔ لیکن کل شاید میں کسی دو کی میز پر نظر آؤں۔ تمہارا شوربہ مجھے قطعی پسند نہیں آیا.... بس پیٹ بھر رہا ہوں۔"

سر سجاد خاموش بیٹھا رہا۔ رضوانہ کھانے لگی تھی۔

"یار تم بے حد بور آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اجنبی نے پھر سر سجاد کو مخاطب کیا۔ "منہ کی طرح پھولے بیٹھے ہو۔ کھاؤ نا....!"

"بہت ہو چکا.... زبان بند کرو۔" سر سجاد میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے مسٹر! کھانے کی میز پر تاؤ کھانے سے۔" کہنے کا انداز مضحکانہ

"اگر خاموشی سے زہر مار کرتے رہو تو کیا حرج ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ وہ اس بیباک

ہنسی لے رہی تھی۔

کھانے لذیذ ہوں تو بولنے کی مہلت نہیں ملتی! تم لوگ بڑی گھٹیا چیزیں کھاتے ہو۔" اجنبی بولا۔

رضوانہ کباب ہو کر رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ شوربے کی قاب اس کے منہ پر کھینچ

.... لیکن ریوالور؟ جو شخص ریوالور کے زور پر اتنا کچھ کر سکتا ہے وہ اسے استعمال کرنے سے نہیں چوکے گا۔

سر سجاد میز پر دونوں ہاتھ رکھے اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اکثر بڑے عجیب لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔" اجنبی نے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مثلاً نام تو ہے خان بہادر فلاں ابن فلاں! اور کھائیں گے مسور کی دال کدو کی .... بینگن کا بھرتہ! پچھلی رات ایک ایسے ہی آدمی کی میز پر میری موت واقع ہوتے ہوتے رہ بیسن کی موٹی موٹی روٹیاں اڑا رہا تھا کم بخت۔ مجھے بھی وہی زہر مار کرنی پڑیں جس کا نتیجہ یہ ۔ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا گول....!"

رضوانہ غیر ارادی طور پر ہنس پڑی اور سر سجاد نے اُسے گھور کر دیکھا۔

ادھر ناخواندہ مہمان تڑ سے بولا۔ "ہاں! ہاں کھا جاؤ اسے۔ ہنسی کیوں بیچاری۔ یار بڑے میاں ، کے ناخن لو۔ کیا آسمان ٹوٹ پڑا ہے تم پر۔ چار چپاتیوں سے زیادہ میری خوراک نہیں ہے۔ ا کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"خاموشی سے کھاتے رہو۔ بدتمیزی نہیں۔" رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں سمجھ گئی ی ہو سکتے ہو۔"

"کون....؟" سر سجاد نے پھر رضوانہ کو گھورا۔

"کیا آپ نے اخبارات میں اُس رہزن کے متعلق نہیں پڑھا، جو راہگیروں کو روک کر ان سے راہزنی کرتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ....!"

اجنبی پر اس ریمارک کا کوئی واضح اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور کھانے میں مشغول رہا۔ رضوانہ رہی تھی۔ "ابھی کچھ ہی دن پہلے شہر کی ایک گلی میں جس نے میری ایک سہیلی کو روکا تھا اور اکا پرس چھین کر اُس میں چوکلیٹ کے پیکٹ تلاش کئے تھے۔ پرس میں تقریباً پندرہ سو روپے

بھی تھے لیکن انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

سر سجاد میز پر جھک کر ناخواندہ مہمان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"داؤں.... اور کیا۔" اجنبی منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسی لڑکیاں زہر ہی لگتی ہیں، جو وقت خود پر بڑھاپا طاری کرلیں۔ لعنت ہے ایسی لڑکی پر جس کے پرس میں ٹافیاں یا چوکلیٹ پیکٹ نہ ملیں۔"

سر سجاد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن پھر یک بیک اُس نے اس میں ہونٹ سکوڑ لئے جیسے غیر ارادی طور پر مسکرایا ہو۔

"تو تم وہی ہو۔" رضوانہ نے کہا۔

"بالکل.... اوہ بیٹھا نہیں ہے تمہاری میز پر۔ نحوست کی نشانی۔"

رضوانہ نے پلکیں جھپکائیں اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "اوہ.... ہاں! ٹھہرو۔ میں تمہارے تھوڑی مٹھائی مہیا کرسکوں گی۔" اُس نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اجنبی نے ریوالور پر بایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں.... ٹھہرو۔ میں اتنا گدھا نہیں کہ تمہیں پولیس کو فون کرنے کا موقع دوں!"

"تمہاری مرضی۔" رضوانہ نے لاپروائی سے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

"آخر ان حرکتوں کا مقصد....!" سر سجاد نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے اور ساری کاہلی دور ہوجاتی ہے۔"

"بکواس ہے۔ محض اتنی سی بات کے لئے اتنے خطرات نہیں مول لئے جاتے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔" اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اپنا خیال میں اُسی وقت ظاہر کروں گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی" سر سجاد نے غرا کر کہا۔

"بھول جاؤ....!" اجنبی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں آرسین لوپن یا بہرام نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" سر سجاد نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی۔

"اور نہ کسی جاسوسی فلم کا نوجوان تھانے دار ہوں، جو وردی پہن کر گاتا ہے.... آجا؟

ہم چھم چلی آ امبوا تلے ہو.... خیر.... تم سگریٹ کون سے پیتے ہو۔ اس سلسلے میں بھی بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ کل ہی ایک گدھے کو بڑا قیمتی سوٹ پہنے دیکھ کر جیب میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ ... نکلا کیا.... ڈھائی آنے والا پیکٹ.... جھلا کر اس زور کا تھپڑ رسید کیا تھا کہ گال پر پانچوں انگلیاں بن گئی ہوں گی۔"

رضوانہ پھر ہنس پڑی۔ لیکن اس بار سر سجاد نے اُسے گھور کر نہیں دیکھا۔ شاید اب وہ بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس سر پھرے جوان میں۔

"میرا خیال ہے کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔" سر سجاد نے کہا۔

"کبھی تھا! اب نہیں ہوں۔"

"کیا بیروزگاری سے تنگ آکر....؟"

"نہیں نہیں! مجھے اتنا ڈرامیٹک بھی نہ سمجھو۔" وہ بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو سیدھے تجوری کی کنجیاں ضرور طلب کرتا۔"

"پھر اس طرح خود کو خطرات میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔"

"میری بے چین طبیعت اسی طرح سکون پاتی ہے۔"

"تو یہ ریوالور محض دھمکانے کے لئے ہے۔"

"میری مرضی کے خلاف کچھ کرکے دیکھو اس کا بھی تجربہ ہوجائے گا۔" اجنبی نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔ "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک سگریٹ کے لئے ایک کارتوس برباد کرنا پسند نہ کروں گا۔ یہ میرا اصول ہے مسٹر کہ میں ضرورت سے زیادہ نہیں وصول کرتا.... مثلاً اگر اس وقت مجھے پانچ روپیوں کی ضرورت ہے تو میں تمہارے پرس سے صرف پانچ ہی کا نوٹ نکالوں گا خواہ اس میں ہزار ہی کیوں نہ ہوں۔"

"شاید اسی لئے اب تک بچے بھی رہے ہو۔" رضوانہ بولی۔ "لوگ تمہاری ان حرکتوں کو بیجا برداشت کرلیتے ہیں۔"

"اور ہیرو الگ بنتا جارہا ہوں.... کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ سر سجاد بھی خاموش ہوگیا تھا۔ اجنبی نے کھانا ختم کرکے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور اسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "سگریٹ۔"

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" سر سجاد نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مہمانوں کے لئے بھی نہیں رکھتے۔"

"ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہاں سے اٹھنا پڑے گا۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ.... اچھا تو پھر کہیں اور سہی۔" وہ اٹھ گیا۔ ریوالور اٹھایا اور الٹے پاؤں دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں پردے کے پیچھے دو تین منٹ ٹھہروں گا۔ کوئی کمرے سے باہر نہ جائے۔"

وہ دروازے سے گذر کر پردے کے پیچھے غائب ہو گیا لیکن ریوالور کی نال پردے پر اُبھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ سب ساکت و سامت پردے پر نظریں جمائے رہے۔

پھر سر سجاد چونک کر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جس کی "ٹک ٹک" انہیں اپنی کھوپڑی سے خارج ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر شاید تین منٹ سے بھی زیادہ گذر گئے۔ لیکن پردے پر کسی نوکیلی چیز کا ابھار اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ.... کم بخت اب کیوں رکا ہوا ہے۔" دفعتاً سر سجاد دانت پیس کر غرایا۔

"ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" رضوانہ نے بلند آواز میں کہا۔ "تم بڑے ناشکرے ہو۔"

پردے میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اُبھار بدستور قائم رہا۔ دفعتاً سر سجاد جھلا کر اٹھا اور پردے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اپنی دانست میں اُس نے ریوالور کی نال ہی پر ہاتھ ڈالا تھا لیکن پھر کوئی لمبی سی چیز اُس کی گرفت میں جھول کر رہ گئی۔ بائیں ہاتھ سے اُس نے پردے کو جھٹکا دیا۔

"اوہ....!" رضوانہ نے متحیرانہ لہجے میں کہا اور پھر ہنس پڑی۔ کیونکہ پردے پر نظر آنے والا ابھار ایک واکنگ اسٹک کے نچلے سرے کا مرہون منت تھا جس کا ہینڈل ایک کرسی کے ہتھے سے ٹکا دیا گیا تھا۔

"خاموش رہو۔" سر سجاد غرایا اور رضوانہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے سر سجاد کے اس کی بناء پر اس کے ذہن کو جھٹکا لگا ہو۔

خانساماں بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوا تھا اور اب کمرے میں صرف

ونوں رہ گئے تھے۔

یک بیک سر سجاد سینہ تان کر چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا اور اس طرح رک کر چاروں رف دیکھنے لگا جیسے پہلی بار اُس کمرے میں آیا ہو۔ رضوانہ کے لئے اس کا رویہ تحیر انگیز تھا اُس نے فہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور ٹھیک اُسی وقت سر سجاد گرجنے لگا۔ "مجھے اس طرح خوفزدہ ہیں کیا جاسکتا۔ میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں، چھپ کر حملہ کرو گے، کرو۔"

"ڈیڈی....!" رضوانہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ....!" سر سجاد کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے یک وقت کئی آدمیوں کا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ اپنے کمرے میں جاؤ! کیا تم نے سنا نہیں۔ ز.... وہ سمجھتے ہیں شاید میں تمہاری موجودگی میں آگ اور خون کا کھیل پسند نہ کروں۔ جاؤ۔"

رضوانہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہیں کھڑی رہ سکتی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یک سر سجاد کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو۔

خون کے دھبے

کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تارجام والی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ سڑک سنسان نہ ہوتی ب بھی شاید رفتار اتنی ہی تیز ہوتی کیونکہ تقریباً ایک ہفتے کے بعد کرنل فریدی کا سراغ ملا تھا۔

ایک ہفتے سے کرنل فریدی کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جاتی رہی تھیں۔ کسی کا ال تھا کہ وہ ان ڈاکوؤں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا ہوگا، جو بینک آف کینیڈا میں ڈاکہ ڈال کر گے تھے۔ کوئی کہتا اس کی لاش بینک کی سامنے والی عمارت کے ملبے سے یقینی طور پر نکالی گئی ی، لیکن وہاں سے برآمد ہونے والی کئی لاشیں تو اس قدر مسخ ہو گئی تھیں کہ اُن کی شناخت ہی ں ہو سکی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ انہیں میں سے کوئی لاش اس کی بھی رہی ہو۔

مگر حمید کیسے یقین کر لیتا۔ یقین نہ کرنے کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ بس چھٹی حس کی بات لا۔ اس کا ایمان تھا کہ ہارڈاسٹون جیسے لوگ چوہے کی موت نہیں مرا کرتے.... ویسے محکمے کو یہ لاع فریدی ہی نے بہم پہنچائی تھی کہ بینک آف کینیڈا پر ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ پھر وہ لٹیروں کی

گھات میں نہ رہا ہوگا۔ کیا اُس نے اُن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ لیکن اس نے اس
میں وقت کا تعین تو نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی معلومات اس حد تک نہ رہی ہوں اور
تھیں بھی تو کیا بینک کو لٹنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ کیا اس کی حفاظت کرنے والے اُس زبرد
دھماکے سے بوکھلا کر بھاگ نہ کھڑے ہوتے جس نے بینک سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک
عمارت کو آن واحد میں خاک کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

بینک کے پہرے داروں میں سے ایک بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا پھر صبح تک کسی کو ہوش ہی
آیا کہ بینک پر کیا گذری ہوگی۔ کیونکہ دھماکے نے ساری بستی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ڈا
کا علم تو اُسی وقت ہوا تھا جب بینک کے عملے نے دوسرے دن اسٹرونگ روم میں جھاڑو پھ
دیکھی تھی۔

اُسی صبح حمید نے فریدی کا بستر خالی دیکھا تھا اور آج ایک ہفتے کے بعد اُسے فون پر اُس کا
ملا تھا کہ وہ اسے تارجام کے ایڈلفی ہوٹل میں مل سکے گا۔ ساتھ ہی تاکید کی گئی تھی کہ وہ اس
تذکرہ کسی سے بھی نہ کرے۔

مگر ایڈلفی ہوٹل میں گھنٹوں مکھیاں مارنے کے باوجود بھی اس سے ملاقات نہ ہو سکی اور
اسے سوچنا پڑا کہ کہیں کسی نے دھوکا تو نہیں دیا تھا۔ لیکن آواز سو فیصدی فریدی ہی کی تھی۔
اُسے کیا سمجھا جائے۔ وہ سوچتا رہا.... میز پر [illegible] تا تھا اور ایڈلفی کا ڈائننگ ہال کچھ اتنا زیادہ آباد
نہیں تھا۔

اس نے ملازمین سے پوچھ گچھ کرنا مناسب نہ سمجھا اُسے توقع تھی کہ فریدی اگر یہاں ہوا
میک اپ ہی میں ہوگا۔ ورنہ پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی اُس نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا دفعتاً اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا کیو
فریدی ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور حمید کا یہ خیال غلط نکلا کہ وہ میک اپ میں ہوگا۔
آخر اس رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں شاید کچھ د
انتظار کرنا پڑا ہے۔"

"اس حد تک کہ شاید میں اسی کرسی پر پیدا ہوا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ.... موڈ خراب ہے شاید۔" فریدی مسکرایا۔ وہ خود بڑے اچھے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بور کرنے سے کیا فائدہ۔"

"بھئی.... بس اچانک اٹھا تھا اور شہر چھوڑ دیا تھا۔"

"وجہ....!"

"میں نہیں جانتا تھا کہ کینیڈا بینک کا قضیہ میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"کیا مطلب....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ سب بکواس ہے کہ میں نے اس کے متعلق کسی قسم کی اطلاع محکمے کو دی تھی۔ میں نہیں
کہ اس افواہ کا ذمہ دار کون ہے۔"

"تو پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بتایا تو کہ میں اس قضیئے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ دخل اندازی
نے والے لوگوں میں سے ہیں۔ بسا اوقات آفیسروں سے بھی اسی بات پر آپ کی ان بن
ہے کہ فلاں کیس آپ کے سپرد کیوں نہیں کیا گیا۔"

"یہ تو کیس کی نوعیت ہی پر منحصر ہے۔"

"اوہ تو یہ کیس اس قابل ہی نہیں تھا۔"

"بھئی! میرے پاس اُس سے بھی زیادہ دلچسپ کیس ہے۔ جسے میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور جو
کے ڈاکے سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کون سا کیس....!"

"اُس آدمی کا جو لڑکیوں کے پرس میں ٹافیاں تلاش کرتا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"بالکل....!"

"مزید لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بھلا اُس میں کیا رکھا ہے۔ میری
ں میں تو وہ کوئی ایسا آدمی ہے جو لڑکیوں میں مقبول ہونا چاہتا ہے۔"

"لیکن میں ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا، جو ریوالور دکھا کر صرف ٹافیاں وصول کرنے کی

کوشش کریں۔"

"پتہ ہے آپ کو کہ کتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں بینک والے کیس میں۔ مگر ٹھہریئے اگر
کو اس کی اطلاع رات ہی کو مل گئی تھی۔"

"نہ ملی ہوتی تو تم صبح کو میرا بستر خالی کیسے دیکھتے۔"

"اور اسی وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ بینک لٹ چکا ہے۔"

"اندازہ تھا....!"

"آپ خود ہی اپنے بیان کی تردید کر رہے ہیں۔ ایک طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آ
اس قسم کی کوئی اطلاع محکمے کو نہیں دی تھی اور دوسری طرف عمارت کے حادثے کے متعا
کر آپ نے اندازہ بھی کر لیا کہ بینک لٹ گیا ہو گا.... کیسے ممکن ہے۔"

"کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ فرض کرو مجھے اس ڈاکے کے متعلق علم بھی تھا تو میں
جان لیتا کہ وہ اس کے لئے کوئی عمارت ہی اڑا دیں گے۔"

"تو آپ کو ڈاکے کی اسکیم کا علم تھا؟" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"سوال یہ ہے کہ یہ بات پھوٹی کیسے؟"

"کون سی بات۔"

"یہی کہ میں نے محکمے کو اس قسم کی کوئی اطلاع دی تھی۔"

"کیا آپ کی رپورٹ تحریری تھی۔"

"وہ رپورٹ کونفیڈنشل فائیل کے لئے تھی اور ایس۔ پی کے علاوہ کسی اور کے علم میں
چاہئے تھی۔"

"اوہ.... اب میں سمجھا۔ ایس پی صاحب ان دنوں اسی لئے پریشان نظر آتے رہے ہیں"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اشارے سے ایک ویٹر کو بلا رہا تھا۔ قریب آنے پر اُس نے ا
کافی کے لئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس مسخرے رہزن کے متعلق ایک
اطلاع ملی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ بینک کی ڈکیتی سے کسی مسخرے رہزن کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

مگر کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے پاگل ہو جانا چاہئے۔"

فریدی نے سگار کو ایش ٹرے میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید کی آنکھوں میں دیکھتا
مسکرایا۔

"سر سجاد سے واقف ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"کیوں....؟" حمید یک بیک چونک پڑا۔

"تم اس طرح چونکے کیوں؟"

"ہم بینک کی ڈکیتی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت جو کچھ بھی
گے وہ اس سے غیر متعلق نہ ہو گا۔"

"اس مسخرے کا تذکرہ بھی تو تھا۔ پچھلی رات اس نے سر سجاد کی میز پر کھانا کھایا تھا۔"

"ہاں میں اس کے متعلق سن چکا ہوں۔ غالباً کسی نے رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"اس کی لڑکی رضوانہ نے....!" فریدی نے کہا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ویٹر کو آتے دیکھ
خاموش ہو گیا۔

کافی کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی اور ویٹر چلا گیا۔

"وہ انہیں ریوالور دکھا کر کھانے کی میز پر جم گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لڑکی کا بیان ہے کہ
نے اس سے زیادہ بے باک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"صرف کھانا ہی کھایا تھا اس نے۔"

"صرف.... کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ویسے اُس نے سر سجاد سے کہا تھا کہ وہ اُس سے
اری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔" حمید بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تک وہ بہتیری حرکتیں کر چکا ہے۔"

"لیکن اس کا ردعمل سر سجاد پر کیا ہو گا؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اُس نے یہی سوچا ہو گا کہ ایسے بیباک آدمی کا کنوارہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"شش.... اُس کا رویہ اُس کے مقابلے میں زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔"

"یعنی اُس نے اُس کی طرف سے خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے تھے۔" حمید
سنجیدگی سے بولا۔

"اس نے اس کے چلے جانے کے بعد کافی شور و غل مچایا تھا۔ اس انداز میں جیسے وہ
رہا ہے اسے آس پاس ہی چھپے ہوئے کسی آدمی کو سنانا چاہتا ہو۔"

"مجھے تو اس میں ذرہ برابر بھی تحیر نہیں نظر آتا.... آخر کون سی چیز حیرت انگ
ہوئی ہے آپ کو۔"

"تم نے ابھی وہ جملے کہاں سنے ہیں، جو اس کی زبان سے نکلے تھے۔ اس نے کہا تھا
طرح خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں۔ چھپ کر حملہ کرنا
بھی کر کے دیکھ لو۔ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کئی آدمیوں کا
سکوں۔ پھر اس نے اپنی بیٹی سے کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور بعض نامعلوم
کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سر سجاد اپنی بیٹی کی موجودگی میں آگ اور
کھیل کھیلنا پسند نہ کرے گا۔"

"اچھا تو پھر....!"

"جو آدمی اتنا دلیر ہو کہ چھپ کر حملہ کرنے کی دعوت بھی دے سکے وہ اس اجنبی کے
میز پر سکون کے ساتھ کیسے بیٹھا رہا ہو گا۔"

"ہاں یہ غور طلب ہے۔"

"لڑکی کو سختی سے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور دروا
سے مقفل کئے بغیر نہ سوئے۔ پھر تینوں ملازمین کو بھی یہی ہدایت دی گئی تھی۔ ملازمین بھی
ہیں اور لڑکی بھی۔"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شاید اسی لئے پچھلی رات مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی
تو یہ عالم ہے میرا کہ جیسے ہی چھینک آئی اندازہ کر لیتا ہوں کہ پڑوس کی کوئی لڑکی یقینی طور
میں مبتلا ہے۔"

"کافی اچھی ہے۔" فریدی کافی پاٹ کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ
لایعنی بکواس کا سلسلہ آگے بڑھے۔ اس نے دونوں پیالیوں میں کافی انڈیلی اور دودھ ڈالتا ہو
"وہ سب ڈھائی بجے تک اپنے اپنے کمروں میں مقفل رہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملازمین کو اس
میں نیند آ گئی ہو لیکن لڑکی کے بیان کے مطابق وہ خود جاگتی رہی تھی لیکن اس نے ایک بار

کوشش نہیں کی۔ ڈھائی بجے اس نے شور کی آوازیں سنیں، جو عمارت ہی کے کسی حصے میں
ی۔ پھر یہ شور بڑھتا ہی گیا۔ وہ چیخ چیخ کر ملازموں کو آوازیں دیتی رہی لیکن باہر نکلنے کی
نہ کر سکی۔"

فریدی نے خاموش ہو کر کافی کا گھونٹ لیا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے دوسرا گھونٹ لے کر کہا۔ "ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ کچھ
کمرے ہی میں رہی تھی۔ اس کے بعد نوکروں کی آوازیں سن کر دروازہ کھولا تھا۔ نوکروں
ے بتایا کہ سر سجاد خوابگاہ میں موجود نہیں ہے اور خواب گاہ کی حالت تو اس نے اپنی آنکھوں
ے دیکھی تھی۔ سارا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ وہاں ایسی ابتری نظر آئی تھی جیسے کچھ دیر تک
لڑائی ہوئی ہو۔ فرش پر جا بجا خون کی بوندیں بھی تھیں۔ عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا
سر سجاد کا سراغ کہیں نہ ملا۔ یہ صرف دوسروں کی زبانی مجھ تک پہنچی ہوئی کہانی ہے۔ ابھی
نے جائے واردات کا معائنہ نہیں کیا۔ بس تمہارا انتظار تھا۔"

"یہاں تارجام میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر آپ خود ہی شہر کیوں نہیں چلے آئے تھے۔"

"شہر آ کر کیا کرتا۔ اوہ تم غلط سمجھے ہو۔ وہ اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں تھا۔ یہاں شرفاد کے
ل کے قریب بھی اس کی ایک کوٹھی ہے۔"

"وہ تو بڑی سنسان جگہ ہے۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر تک
وش رہا پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "اوہ.... ٹھہریئے.... آپ کے پاس تو اس سے پہلے بھی
کیس تھا۔ وہ لاش جو کیفے وکٹوریہ کے باتھ روم میں پائی گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے اس وقت میرے پاس دو کیس ہیں۔ ایک اس نامعلوم آدمی کے قتل کا اور دوسرا
س کی وجہ سے میں سر سجاد کے معاملے میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"یعنی وہی مسخرا.... کس چکر میں پڑے ہیں آپ۔ اگر مجھ سے کبھی مڈ بھیڑ ہو گئی تو کان پکڑ
کھینچتا ہوا آپ کے پاس لاؤں گا۔"

"میری دانست میں یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

حمید نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

انہوں نے کافی ختم کی اور فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو.... وہ لاش

کس کی تھی۔"

"میری.....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس آدمی کی جس سے مجھے بینک میں متوقع ڈاکے کی اطلاع ملی تھی۔"

"اوہ.... تو یہ کہئے۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"مزید اطلاعات بہم پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کردیا گیا تھا۔"

"اگر آپ اسی طرح اس مسخرے کا مسئلہ بھی صاف کردیں تو بہتر ہے، ورنہ میں الجھنوں میں مبتلا رہوں گا۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ آپ کوئی اتنا اہم کیس چھوڑ کر کے پیچھے پڑجائیں گے جو لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا ہے۔"

"پچھلی رات اُس نے ایک لڑکی کے باپ کو بھی چھیڑا تھا۔" فریدی اُس کی آنکھوں ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "بس اب اٹھ جاؤ۔ تارجام کا اسٹیشن انچارج وہاں میرا منتظر ہوگا۔"

کوٹھی تک پہنچنے کے لئے وہی موٹر سائیکل استعمال کی گئی جس پر حمید یہاں تک آیا

"یہ تو ویرانہ ہے۔" حمید کوٹھی کے قریب پہنچ کر بڑبڑایا۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ اُس کے تین اطراف میں باغات کے سلسلے تھے اور پشت پر جنگل میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں شرف آباد نام کی چھوٹی سی بستی تھی ہے پہلے کبھی یہ شرف آباد کے جنگل کہلاتے رہے ہوں۔"

باغ سے ایک کشادہ سی روش عمارت تک جاتی تھی۔

عمارت کے قریب پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ تارجام اسٹیشن کے انچ ان کا استقبال کیا۔

"کیا سرسجاد مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کی لاش گھسیٹ کر یہاں سے لے جائی گئی ہے۔"

"خدا کی پناہ....! آپ نے اتنا بڑا خیال اتنی آسانی سے ظاہر کردیا۔" فریدی مسکرایا۔

"خود دیکھ لیجئے چل کر۔"

وہ عمارت کے اندر آئے اور انچارج انہیں سب سے پہلے سرسجاد کی خواب گاہ میں میز اور کرسیاں شکستہ حالت میں فرش پر ڈھیر تھیں۔ کئی خوبصورت اور بڑے گلدان

گئے تھے۔ بستر مسہری سے آدھا لٹک آیا تھا اور مسہری بھی ترچھی پڑی تھی۔ قالین پر کئی جگہ ن کے دھبے نظر آئے۔ فریدی بڑے انہماک سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسی چیز کو ہاتھ تو نہیں لگایا گیا۔" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" انچارج نے جواب دیا۔ "مطلب یہ کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں کسی چیز کو ہیں چھوا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر آپ کس بنا پر کہتے ہیں کہ اس لاش یہاں سے گھسیٹ کر لے جائی گئی ہوگی۔"

"ادھر تشریف لائیے۔" وہ ایک آدھ کھلے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اُس نے اُس کے دونوں پاٹ پوری طرح کھول دیئے۔ دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا لیکن ں کے فرش پر میٹنگ نہیں تھی۔ ننگا فرش تھا اور شاید پچھلے دن اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ نہ گرد کی ہلکی سی تہہ پر وہ نشان ہرگز نہ بن سکتا جس کی بناء پر انچارج کو لاش کے گھسیٹے جانے کا یہ ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ یا دو فٹ چوڑا نشان تھا، جو اُس دروازے سے دوسرے دروازے تک پھیلا ہوا اور جس کے درمیان کہیں کہیں خون کی لکیریں بھی نظر آرہی تھیں۔

"آپ کا خیال درست ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا اور نشان کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔

کہیں کہیں صرف خون کی لکیریں ہی نظر آئیں۔ متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ عمارت کے پچھلے دروازے سے باہر آئے، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔ یہاں بھی کچھ دور تک خون کے نشانات ملے لیکن پھر اُس کچے راستے کے قریب اُن کا سلسلہ ختم ہوگیا، جو جنگل کے متوازی مشرق اور مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔

"یہاں سے شائد اُسے کسی گاڑی پر لے جایا گیا ہے۔" فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ لاش ہی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں کہا جاسکتا۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"کیوں.....!" انچارج کا سوال قدرتی امر تھا کیوں وہ تو شروع سے اب تک اسی کے الفاظ
غور کرتا رہا تھا۔

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لاش ہی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صرف زخمی ہو
ہو۔ آخر لاش کو گھسیٹتے پھرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ اگر قتل کرنا مقصد تھا تو لاش کمرے ہی
چھوڑی جاسکتی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو گا تو
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ سرسجاد کا ان حالات میں خواب گاہ سے غائب ہو جانا ہی اس بات
دلیل ہے کہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا ہے یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ یہاں کرنل فریدی کو
کیا گیا ہوگا۔ البتہ سرسجاد ضرور یہاں سے کسی لاش کو گھسیٹ کر لے جاسکتا ہے تاکہ خود کو
قتل کے الزام سے بچ سکے۔"

"اوہ.....!" انچارج آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

متحرک فرش

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

پھر اُس نے کہا۔ "لیکن ابھی اس خیال کو قیاسات ہی کی حدود میں رہنا چاہئے۔ دو ہی صو
ہوسکتی ہیں یا تو سرسجاد کو زخمی حالت میں یہاں سے گھسیٹ کر لے جایا گیا یا پھر سرسجاد ہی نے ک
لاش ٹھکانے لگائی ہے۔"

"مگر دوسری صورت میں تو اسے واپس آجانا چاہئے تھا۔"

"ہم اُسے احمق کہیں گے اگر وہ خود ہی واپس آجائے۔ البتہ اُسے واپس لایا جاسکتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ بھی خود کو زخمی کرے گا اور کسی شاہراہ پر بیہوش پڑا پایا جائے گا۔ تاکہ اپنے گھسیٹے جا
کہانی سنا سکے جسے قتل کرکے لاش غائب کی ہوگی اُسی کا نام بہ آسانی لے سکے گا۔ اب پولیس
مارا کرے۔"

"لیکن ٹھہرئیے! ملازموں کا بیان ہے کہ وہ کئی آدمی تھے۔"

یا کسی نے انہیں دیکھا ہے۔"

"نہیں..... آوازوں سے اتنا اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کئی ہوں گے۔"

"آپ مجھے کسی کمرے میں تنہا بند کر دیجئے۔ لیکن میں آپ کو ایسی آوازیں سنادوں گا جیسے
ت پندرہ آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے ہوں۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کی جائے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ جیب سے نکال کر اس کی
بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جناب.....! میں نہیں پیتا۔"

فریدی نے ایک سگار منتخب کیا اور اس کا سرا توڑنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا اس ہنگامے کے دوران
نے کمرے سے باہر نکلا ہی نہیں تھا۔"

"جی نہیں! ہنگامہ فرو ہونے کے بعد بھی کمروں ہی میں رہے تھے۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد
نے باہر نکلنے کی ہمت کی تھی اور اسی نے بقیہ دو ملازموں کو بھی اُن کے کمروں سے نکالا تھا۔"

"ہوں! میں ذرا سب کے بیانات لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔" انچارج نے کہا۔

لیکن ملازم اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکے جتنا فریدی انچارج سے سن چکا تھا باورچی نے اس
ہ مہمان کو بھی دیکھا تھا اس لئے وہ صرف اسی کی داستان کا اضافہ کرسکا۔

یہ بھی کوئی نہ بتا سکا کہ سرسجاد سے کسی کی دشمنی تھی۔

آخر میں اس کی لڑکی رضوانہ کے پاس آئے اس کی حالت ابتر تھی۔ روتے روتے پلکیں متورم
تھیں، اس نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ سرسجاد کے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھی اور نہ اُس
پلے کبھی اس کو ایسے موڈ میں دیکھا ہی تھا جیسا ناخواندہ مہمان کے رخصت ہو جانے کے بعد
طاری ہوا تھا۔

"کیا آپ کسی طرح یہ باور کرسکتی ہیں کہ وہ اس دلیر اجنبی کو پہلے سے جانتے رہے ہوں۔"
انے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جس کی بنا پر یہ کہا

جاسکے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس ویرانے کی رہائش کیوں پسند ہے۔"

"ہم یہاں مستقل طور پر نہیں رہتے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ ڈیڈی اکثر کام کی زیادتی سے ذہنی تھکن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کچھ دنوں کے لئے یہاں آنا پڑتا ہے تا آرام کر سکیں۔ اوہ میرے خدا کیا میں انہیں پھر دیکھ سکوں گی۔" اس کی آواز بھرا گئی اور سرخ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت آپ کے ذہن پر ناگوار قسم کے سوال وجواب کا با رہا ہوں۔ مگر کیا کروں اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلے گا۔"

"آپ جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہوں شوق سے پوچھئے۔"

"میرا خیال ہے کسی بزنس میں کوئی اُن کا شریک بھی ہے۔"

"جی ہاں! میجر سعید صاحب ہیں۔"

"مجھے شاید یاد پڑتا ہے.... خیر تو.... اس دوران میں دونوں کے درمیان کسی قسم کا نہیں ہوا تھا۔"

"میری دانست میں تو نہیں۔"

"کیا پچھلی رات وہ خوفزدہ بھی تھے۔"

"ہرگز نہیں! اتنے غصے میں پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔"

"اور انہوں نے، جو الفاظ دہرائے تھے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑ خطرناک دشمن کے لئے کہے گئے ہوں۔ ایسا دشمن جو عرصہ سے ان کی گھات میں رہا ہو۔"

"تو اب کیا ڈیڈی واپس نہیں آئیں گے۔" وہ پھر رو پڑی۔

"ناامید نہ ہونا چاہئے۔ پولیس ہر ممکن کوشش کرے گی۔"

وہ کچھ دیر تک سسکیاں لیتی رہی پھر بولی۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہئے کیا شہر واپس جائیں

"میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی اسسٹنٹ اور دو کانسٹیبل یہیں ٹھہریں گے۔"

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

ویسے آپ جانا بھی نہ چاہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

ڈیڈی کے بغیر.... آپ خود سوچئے! میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔ باورچی کہہ رہا تھا کو گھسیٹا گیا ہے اور خون کے دھبے....!"

اوہ آپ اس کی فکر نہ کیجئے! ضروری نہیں ہے کہ وہ سر سجاد ہی رہے ہوں۔"

پھر.... پھر کون؟" لڑکی چونک پڑی۔

وہ سر سجاد کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے جسے خود ہی گھسیٹ کر باہر لے گئے ہوں۔"

لیکن انہیں واپس تو آنا چاہئے تھا۔"

ممکن ہے کسی احتیاطی تدبیر کے تحت انہوں نے فوراً ہی واپس آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔"

میں نہیں سمجھ سکتی۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔ ذہن جواب دے رہا ہے۔"

صبر سے کام لیجئے۔" فریدی نے کہا اور پھر انچارج سے پوچھا۔ "گھسیٹے جانے کے نشان کے آپ کو کس نے بتایا تھا۔"

"کسی نے بھی نہیں وہ میری ہی دریافت ہے۔"

"آپ یہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"صبح آٹھ بجے۔"

"آپ کو اطلاع کس وقت ہوئی تھی۔"

"سات بجے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں فون موجود ہے۔"

"جی ہاں۔" رضوانہ نے جواب دیا۔ "میں نے رات ہی رنگ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن خراب تھا۔ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوا۔"

"میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے فون کے تار کٹے ہوئے پائے تھے۔" انچارج بولا۔

"اوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر لڑکی سے پوچھا۔ "باورچی نے آپ کو اس نشان کے کس وقت بتایا تھا۔"

"زیادہ دیر نہیں گذری۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "شائد ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"میں اُس سے پھر کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے انچارج کی طرف مڑ کر کہا۔

"ابھی بلواتا ہوں۔" انچارج کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اور پھر باورچی کے آجانے تک خاموشی ہی رہی۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا اور حمید کی تمام تر توجہ رضوانہ کی طرف تھی، جو کبھی کبھی کنکھیوں سے فریدی کی جانب دیکھنے لگتی تھی۔

"کیا رات تم میں سے کوئی عمارت سے باہر بھی نکلا تھا۔" فریدی نے باورچی سے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... حضور! ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔"

"تم اپنے کمروں میں کس وقت واپس گئے تھے۔"

"ہم اپنے کمروں میں نہیں گئے تھے جناب۔ یہاں بی بی کے کمرے میں تھے۔"

"اور صبح تک یہیں رہے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... جب بی بی جی فون کرنے گئی تھیں تو ہم بھی ساتھ گئے تھے۔"

"اُس نشان کا علم تمہیں کس وقت ہوا تھا جس کا تذکرہ تم نے ان سے کیا ہے۔"

"اسپٹر صاحب کے آجانے کے بعد ہم میں سے کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسپٹر صاحب کو اُس کی بات کرتے سنا تو جا کر دیکھا۔"

"بس جاؤ۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑبڑایا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ سیکشن کے لوگ نہیں پہنچے۔"

پھر دن کا بقیہ حصہ ضروری کارروائیوں میں ختم ہو گیا۔ حمید کچھ اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا اور یہ سوچ سوچ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ ایک غمزدہ لڑکی کے ساتھ رات یہیں گذارنی پڑے گی، اگر معاملہ صرف لڑکی کا ہوتا تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر وہاں تو غمزدگی کا دم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔ یعنی وہ اخلاقاً اس کے سامنے مسکرا بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو فریدی بھی واپسی کے لئے تیار نظر آیا۔

"ارے جناب سنئے تو سہی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے روکتا ہوا بولا۔ "کیا اسی سوٹ میں رات بسر کرنی پڑے گی۔"

"ہمیں آرام نہیں کام کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مغموم لڑکیاں مجھے ہمیشہ کام چور بنا دیتی ہیں۔"

بواس مت کرو۔ یہ معاملہ بے حد دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں کسی بھی احتیاطی پہلو داز نہیں کر سکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے حالانکہ لڑکی ین نے اس سے لاعلمی ہی ظاہر کی ہے۔"

ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں آپ کی کوٹھی میں اس سے بھی زیادہ شاندار نے بنوا سکتا ہوں لیکن خدارا مجھے یہاں ٹھہرنے پر مجبور نہ کیجئے۔ اُس لڑکی کی شکل دیکھ کر بسورنا پڑتا ہے۔"

یں تمہاری آٹو سائیکل لے جا رہا ہوں۔ ٹھیک بارہ بجے صدر دروازے کے قریب موجود آؤں گا۔"

گر تہہ خانے کی فکر کیوں ہے آپ کو۔ لاش باہر لے جائی گئی تھی۔"

یں اُس نشان سے مطمئن نہیں ہوں۔"

یوں....؟"

وہ ایسی جگہوں سے گذرا ہے جہاں صاف نظر آسکے۔ اگر تم کوئی وزنی چیز گھسیٹ رہے ہو تو نزل تک پہنچنے کے لئے کم سے کم فاصلے والی راہ کی فکر ہو گی۔ لیکن اس معاملے میں ایسا ا۔ گھسٹنے والا خواہ مخواہ کمروں اور راہداروں میں چکراتا پھرا ہے۔ میں نے کم سے کم فاصلے ا بھی جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہاں وہ نشان واضح نہ ہو پاتا۔"

اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

پھر دیکھیں گے! ذرا تم لڑکی کو بہلانے کی کوشش کرو۔"

بن ماں کے بچوں کو دودھ نہ پلاتا پھروں۔" حمید جھلا گیا۔

یدی ہنستا ہوا رخصت ہو گیا۔

ید کی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی کہ وہ غمزدہ لوگوں سے ڈھنگ کی گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ چاہتا اور منہ سے کچھ نکلتا۔ خصوصاً تعزیت کے مواقع پر ہمیشہ اس نے خود کو پرلے درجے سوس کیا تھا۔

ھ دیر بعد اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہی ہو ورنہ بھلا ہارڈسٹون ل کسی لڑکی کو بہلانے کا مشورہ کیوں دینے لگے اور پھر اسے یعنی کیپٹن حمید کو! تو پھر اس

لڑکی کے دل بہلانے کو بھی سرکاری فرائض ہی میں داخل سمجھنا چاہئے۔

بہر حال اُسے اس کے کمرے میں آنا ہی پڑا.... وہ خاموش بیٹھی تھی۔ پلکوں کا ورم کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں اب بھی خون ہو رہی تھیں۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جج.... جی ہاں۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

لڑکی اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

"وہ.... دد.... دیکھئے مم.... میرا خیال ہے کہ آپ کو مغموم نہ ہونا چاہئے۔" حمید ہکلایا۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھے رسمی گفتگو سے نفرت ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ مجھے مغموم نہ ہونا چاہئے۔"

"کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ....!" وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ دوسرے صاحب تو کہہ رہے تھے....!"

"اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" حمید نے یونہی رواروی میں کہہ دیا تھا۔

"میرے خدا....!" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور حمید سوچنے لگا کہ کہیں تنہائی میں جا کر اسے اپنے سر پر کم از کم پانچ جوتے رسید کرنے چاہئیں۔ کیونکہ بوکھلاہٹ میں اس نے دل بہلانے کی بجائے دل ہلانے والی باتیں شروع کر دی تھیں۔ وہ کوشش کرنے لگا کہ سنبھالا لے سکے، لیکن بوکھلاہٹ بدستور طاری تھی۔

"آپ نن.... نہیں سمجھیں! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ڈیڈی واپس آجائیں گے۔ اکثر غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"لیکن وہ غائب کیوں ہو گئے۔ میں نے بھی وہ نشان دیکھا ہے۔ میرے خدا.... میں کیا کروں۔"

"ایک بار....!" حمید نے اسٹارٹ لینا چاہا۔

"کچھ نہیں جناب! میں تنہائی چاہتی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

حمید نے محض اسی ایک جملے کی بناء پر اٹھ جانا شان کے خلاف سمجھ کر موضوع بدلتے ہو

پوچھا۔ "کبھی کبھی یہ عمارت خالی بھی رہتی ہو گی۔"

"جی ہاں! ظاہر ہے۔ جب ہم نہیں ہوتے تو خالی ہی رہتی ہے۔"

"یعنی.... کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ دو ملازموں میں سے ایک، چوکیدار ہے جو مستقل طور پر یہیں رہتا ہے۔"

"کیا نام ہے۔"

"راجو....!"

حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی کی ہو گی جس نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"وہ اتنا زیادہ ناشکرا تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔" رضوانہ نے بیزاری سے کہا۔ غالباً وہ سچ مچ یہی چاہتی تھی کہ حمید وہاں سے اٹھ جائے۔

"بس مجھے اتنا ہی معلوم کرنا تھا شکریہ۔" وہ اٹھ گیا۔ ایسی بوریت اُس نے شاذو نادر ہی محسوس کی ہو گی جیسی بوریت سے اس وقت دوچار ہوا تھا۔

راہداری میں باورچی ہاتھوں پر چائے کی ٹرے اٹھائے آتا دکھائی دیا۔

"آپ چائے کہاں پئیں گے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"کچن میں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ فریدی کی وجہ سے یہ لغویت برداشت کرنی پڑی تھی کہ ملازمین اس سے چائے کے لئے پوچھیں۔

کچن کے قریب راجو نظر آیا۔ وقت تو گذارنا ہی تھا اس نے سوچا اس سے ہی تھوڑی بہت پوچھ گچھ کر ڈالے حالانکہ یہ پوچھ گچھ رضوانہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ اُس کے عادات واطوار پسند اور ناپسند کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہا تھا۔

کچن کی میز پر اُس کے لئے چائے رکھ دی گئی۔ اس نے پیالی اٹھائی ہی تھی کہ رضوانہ بوکھلائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابھی ایک کانسٹیبل نے دوران گفتگو میں بتایا۔"

"کوئی بات نہیں.... بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" حمید مسکرایا۔

وہ بھی کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"میں نے کچھ دیر قبل آپ سے کچھ نامناسب قسم کی گفتگو کی تھی۔ اُس کے لئے معافی چاہ ہوں۔ میں کیا بتاؤں ڈیڈی آپ لوگوں کے کتنے مداح تھے۔"

"تھے.....؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ "ہیں" کہئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

"خدا جانے.....!" اُس نے ٹھنڈی سانس لی۔

حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ "میں کرنل صاحب ک بے حد مشکور ہوں کہ وہ میری نگہداشت کے لئے آپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چائے ختم کر کے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ رضوانہ بھی خاموش بیٹھ رہی لیکن شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بار بار اُس کے ہونٹ کھلتے اور بند ہو جاتے۔ حمید کو اس احساس تھا لیکن اُس نے براہِ راست اس کی طرف نہیں دیکھا! وہ خیالات میں کھوئے ہونے ک بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ ویسے حقیقتاً اس وقت ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ شا اب وہ فریدی کے حکم کے مطابق اس کا "دل بہلانے" میں کامیاب ہو جائے۔

پھر وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یک بیک ایک کانسٹیبل کچن میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" حمید اس کی طرف مڑا۔

"جناب..... وہاں ہال میں۔" وہ خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔ رضوانہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہال میں کیا..... جملہ پورا کرو۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"ہال کا قالین فرش سے اٹھتا ہے اور پھر برابر ہو جاتا ہے۔"

حمید کی نظر تیزی سے رضوانہ کے چہرے پر گئی لیکن وہاں حیرت کے آثار کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آیا۔

"کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

"جج..... جی..... یقین کیجئے جناب وہ نظر کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے رضوانہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ "تو چل کر دیکھئے نا۔"

حمید نے بجھا ہوا پائپ وہیں میز پر ڈال دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

رضوانہ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

تہہ خانہ

کانسٹیبل اور حمید آگے چل رہے تھے۔ رضوانہ کا فاصلہ ان سے کم از کم سات یا آٹھ گز ضرور ہو گا۔ یک بیک وہ اس طرح چونک پڑی جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ٹھہریئے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود بھی رک گئی۔ حمید رک کر مڑا اور رضوانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔

"اب مجھے یاد آیا! وہ کوئی جنگلی بلی ہو گی یا اور کوئی چیز.....!"

"قالین کے نیچے.....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"چلئے..... دیکھتے ہیں۔" رضوانہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

حمید اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہال کے دروازے پر رک گئے۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ فیصلے انداز میں کانسٹیبل کی طرف مڑا کیونکہ اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آئی تھی۔

"ص..... صاحب! میں نے دیکھا تھا وہاں۔" اس نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" رضوانہ بولی۔ "آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔"

اس نے آگے بڑھ کر قالین کا گوشہ الٹ دیا اور سچ مچ ایک بڑی سی جنگلی بلی اچھل کر بھاگی۔ کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ قالین کے ہٹے ہوئے کی جگہ ایک چھوٹا سا حوض نظر آیا جس کی گہرائی ڈھائی یا تین فٹ سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔

"یہ دیکھئے..... اس میں ایک نالی بھی ہے۔ وہ اسی کے راستے پر یہاں آئی ہو گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"ہوں..... یہ حوض دھوکے کی ٹٹی ہے گویا۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

ئی تو ہوتا ہی ہے اس حصے پر بھی اگر بے خبری میں کسی کا پیر پڑ جائے تو کیا حشر ہو گا اس کی

ریڑھ کی ہڈی کا۔"

"یہ ناممکن ہے....." رضوانہ نے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "اوہ.... بڑی میز کس نے یہاں سے.... وہ دیکھئے۔ وہ بڑی میز ہمیشہ یہاں رہتی ہے۔"

"مگر میں نے آج تک کسی ہال میں حوض نہیں دیکھا۔"

"پتہ نہیں کیوں ڈیڈی نے یہاں کے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ آپ حوض دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس جگہ غسل خانہ رہا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ایک پرانی اور ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ ڈیڈی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا ہے لیکن فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ وہ اپنے کارناموں میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہ کر سکتے اور نہ ان پر کوئی کسی قسم کا اعتراض کر سکتا ہے۔ اکثر ہم اُن سے کسی بات کی وجہ بھی نہ پوچھ سکتے۔ ذرا ڈکٹیٹر قسم کے آدمی ہیں۔"

حمید صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے یہاں تہہ خانوں کے امکانات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا خیال درست ہی ہو۔

اس وقت بات وہیں ختم ہو گئی۔ حمید فریدی کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ اس کا منتظر رہا۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ نو بجے ہی عمارت پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط ہو گیا۔ رضوانہ بہت زیادہ خائف تھی وہ اس وقت تک اپنی خواب گاہ میں نہیں گئی جب تک کہ حمید نے اُسے یقین نہیں دلا دیا کہ ایک کانسٹیبل خواب گاہ کے دروازے ہی پر رات بھر موجود رہے گا۔

بارہ بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ لیکن حمید صدر دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے اس نے ہلکی سی دستک سنی اور دروازہ کھول دیا۔

آنے والا فریدی ہی تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ وہیں رک گیا۔

"کوئی نئی خبر۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اب اس کی آنکھیں اتنی زیادہ سرخ نہیں ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"خوب تو تم صرف اسی کے گرد منڈلاتے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ اس کی ماں کا پتہ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"بہت جھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"

"اگر آپ نے ایک ستار بھی مہیا کر دیا ہوتا تو اپنی کھوپڑی تو نہ بجانی پڑتی۔"

"چلو ختم بھی کرو۔ بہت کام کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے ساری رات گذر جائے۔"

"تہہ خانوں کی تلاش....!"

"آؤ....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے! میرے پاس ایک خبر ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے لئے اہمیت رکھتی ہو۔"

"تو بتاؤ نا....!"

اس نے اُسے اس حوض کے متعلق بتایا جس سے جنگلی بلی برآمد ہوئی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ہمیں وہیں سے ابتدا کرنی چاہئے۔"

حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ محدود روشنی والی ٹارچ اندھیرے میں کام کر رہی تھی۔ وہ ہال میں آ پہنچے۔

ملازموں کو حمید نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ رات میں اپنے کمروں سے قطعی نہ نکلیں۔ کانسٹیبلوں میں سے ایک عمارت کے باہر تھا اور دوسرا رضوانہ کی خوابگاہ کے قریب۔

حمید نے قالین کا گوشہ الٹ دیا۔ ٹارچ کی روشنی حوض میں رینگ گئی۔

"غیر معمولی....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

حمید نے اس عمارت کے متعلق وہ سب کچھ بتایا، جو رضوانہ سے معلوم ہوا تھا۔

"اوہ ذرا ان نالیوں کو دیکھو جو دونوں جانب اوپر سے نیچے کی طرف گئی ہیں۔ بھلا ان کا کیا مصرف ہو سکتا ہے.... اور پھر ان کے درمیان لوہے کی ابھری ہوئی پٹریاں۔ کیا تم نے ان پر دھیان دیا تھا۔"

"قطعی نہیں.... اوہ میں تو انہیں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

فریدی نے پھر ٹارچ کی روشنی حوض میں ڈالی اور حمید نے پوچھا "کیا نیچے اتر کر دیکھوں۔"

وہ چونک کر حوض کی تہہ میں دیکھنے لگے، جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ یعنی دہانے سے تہہ خانے کا فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو!" فریدی نے اسے آہستہ سے دھکا دیا۔ ٹارچ بجھادی اور اس کا بازو پکڑے ہوئے تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

اب وہاں اتنا گھرا اندھیرا تھا کہ وہ صرف سانسوں کی آواز سے ایک دوسرے کا وجود محسوس کر سکتے تھے۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

یک بیک فریدی نے ٹارچ روشن کر دی اور روشنی کی لکیر سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی پر پڑی جو اس اچانک تبدیلی پر بوکھلا گیا تھا۔

"سر سجاد....!" دفعتاً فریدی نے کہا۔ "اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔"

اس آدمی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ روشنی اس کے چہرے ہی پر پڑ رہی تھی، لیکن فوکس براہِ راست آنکھوں پر نہیں تھا۔ اس لئے آنکھوں میں جذباتی تغیر بآسانی پڑھا جاسکتا تھا۔

"تم آخر ہو کون! کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" سر سجاد نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"خود کو زیرِ حراست تصور کرو۔" فریدی سپاٹ آواز میں بولا۔

"اوہ....!" سر سجاد نے طویل سانس لی اور حمید نے اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر محسوس کیں۔ وہ چند لمحے پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میری پوری بات سنے بغیر کوئی اقدام نہ کیجئے ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے ایک خطرناک آدمی کو پھانسنے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ اوہ... مگر میرے خدا کہیں میں اُسی کے جال میں نہ پھنس گیا ہوں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ پولیس....!"

"اس کی پرواہ مت کرو سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔ "تم مجھے پہچان سکو گے۔"

"آپ کون ہیں۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "براہِ کرم میرا نام اتنی بلند آواز سے نہ لیجئے۔ ورنہ ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"اختصار سے کام نہیں چلے گا۔ خدارا بتایئے آپ کون ہیں۔ کیا میں آپ کو پہچانتا ہوں۔"

"پچھلے سال کتوں کی نمائش میں کسی سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہو! تب.... کیا.... کرنل فریدی۔" سر سجاد کی آواز کانپ رہی تھی اور حمید

اس کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم اس وقت تہہ خانے سے نکلنے کا یہی مقصد تھا کہ کسی طرح آپ تک پہنچ سکوں۔"

"ہوں....!" فریدی نے طویل سانس لی۔ "ہم کہاں گفتگو کر سکیں گے۔"

"تہہ خانے سے بہتر اور کوئی جگہ نہ ہو سکے گی۔ لیکن پہلے ہمیں اطمینان کر لینا چاہئے کہ کوئی ہماری ٹوہ میں تو نہیں تھا۔"

"اگر اس وقت کوئی تمہاری ٹوہ میں ہو سکتا ہے تو پھر تم مطمئن کیوں تھے کہ تمہاری محنت بارآور ہی ہوئی ہو گی۔"

"میں بڑی الجھنوں میں ہوں کرنل! قوتِ فیصلہ جواب دے چکی ہے۔"

"بلب روشن کر دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اوہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" سر سجاد بول پڑا۔

"فکر نہ کرو۔ سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔"

حمید کو اندازہ تھا کہ سوئچ بورڈ کہاں ہو گا۔ وہ بآسانی اُس تک پہنچ گیا۔ روشن ہونے والا ایک ہی بلب کافی تھا۔ سر سجاد پوری طرح روشنی میں آگیا۔ حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کی نظر اس گوشے میں رینگ گئی جہاں حوض تھا۔ اس جگہ اب چار پانچ فٹ اونچا دروازہ نظر آرہا تھا! وہ اسی حوض سے ابھرا تھا۔

فریدی اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ تہہ خانے میں چلیں گے۔" سر سجاد نے پوچھا۔

"میں اس وقت تہہ خانے کی فکر میں آیا تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کیا جانیں۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس فرش پر چلنے سے اندازہ ہو جاتا ہے.... مگر یہ سب کیا تھا سر سجاد۔"

"آپ نے اس نشان سے کیا اندازہ لگایا تھا۔"

"یہی کہ کسی نے خواہ مخواہ پولیس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر یہ صرف آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔" سر سجاد مسکرایا! "اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔"

"خام خالی ہے سر سجاد! پولیس کی کاروائیاں بھی سطحی نہیں ہوتیں۔ خون کے دھبوں کو ٹسٹ کر کے بتایا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کا خون تھا بھی یا نہیں۔"

"اوہ تو کیا دھبے ٹسٹ کر لئے گئے ہیں۔"

"قطعی طور پر.... وہ کسی آدمی کا خون نہیں ہو سکتا اور میں ذاتی طور پر اس حد تک آگے جاسکتا ہوں کہ اسے کبوتر کا خون باور کرلوں۔"

"خدا کی پناہ.... کمال ہے۔"

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو سر سجاد۔ تمہیں بہت سنجیدگی سے جواب دہی کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہماری باتیں یہاں سنی بھی جاسکتی ہیں کرنل۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" یک بیک حمید نے سر سجاد کے چہرے کی رنگت بدلتے دیکھی۔ شاید اسے بھی طیش آگیا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ بھی ایک بہت بڑی مجبوری ہے، ورنہ کیا میں اس قسم کا لہجہ برداشت کر سکتا۔ کرنل فریدی انسانیت کے دائرے سے باہر نہ نکلو تو بہتر ہے۔"

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔

"ان حالات میں میری موت کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ یہ سب کچھ میں نے پولیس کو دھوکا دینے کیلئے نہیں بلکہ ایک نامعلوم دشمن کے ان دیکھے حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے کیا تھا۔"

"میں وہی سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"خیر جانے دیجئے۔" سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "ابھی آپ خود ہی تہہ خانے میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"میں اب کہتا ہوں کہ تہہ خانے میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کہانی تو یہیں سنی جائے گی۔"

"آپ وہاں ذرہ برابر بھی گھٹن محسوس نہیں کریں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"حکم کی تعمیل کیجئے.... ورنہ....!" یک بیک حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

سر سجاد اُسے صرف گھور کر رہ گیا۔

"میں منتظر ہوں سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔

سر سجاد نے فوراً ہی زبان نہیں ہلائی۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولا تھا۔ "دس سال گذرے میں نے اس عمارت کے کھنڈر خریدے تھے۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ان پر دوسری عمارت تعمیر کراؤں، لیکن دوران تعمیر میں مجھے معلوم ہوا کہ فرش کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ اس لئے میں نے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے۔ تہہ خانوں کی صفائی کرائی اور انہیں استعمال کے قابل بنایا۔ بڑے شاندار تہہ خانے ہیں کرنل۔ گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ کمروں کا لطف آجاتا ہے بلکہ اُن کمروں کی مصنوعی ٹھنڈک تو بعض اوقات تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے مگر ان تہہ خانوں کی خوشگوار ٹھنڈک....!"

"سر سجاد! مجھے علم ہے کہ تہہ خانے گرمیوں میں آرام دہ ہوتے ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا اور سر سجاد اس طرح چونک پڑا جیسے اپنے بہک جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ندامت آمیز سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔

"اوہ میں بہک گیا تھا شائد! دراصل اس واقعہ میں تہہ خانوں کی کسی نامعلوم اہمیت کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے شائد آپ میری گفتگو کو بے ربط نہ قرار دے سکیں۔ ہاں تو پچھلے چھ ماہ سے مجھے کسی نامعلوم آدمی کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں کہ میں عمارت فروخت کردوں۔ کس کے ہاتھ فروخت کردوں یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ ایک آدھ بار اس نے فون پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن میں نے سختی سے منع کر دیا کہ آئندہ وہ اس قسم کی گفتگو نہ کرے کیونکہ میں عمارت کو فروخت کر دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مجھے دھمکیاں ملنے لگیں۔ ایک ماہ گذرا اس نے مجھے بلیک میل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ آپ جانیئے ہر آدمی کی زندگی سے کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور وابستہ ہوتا ہے جس کا منظر عام پر آنا وہ کسی صورت سے بھی پسند نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی۔ پھر اُس نے قتل کرا دینے کی دھمکی دی۔ یہ ابھی پچھلے ہی ہفتے کی بات ہے۔ پھر اچانک پچھلی رات وہ واقعہ پیش آیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مقصد تھا۔ کیا اس آدمی کی آمد بھی کسی قسم کی دھمکی ہی تھی۔ لیکن اس طرح تو میرے ہوشیار ہو جانے کے امکانات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں سو نہ سکا ہوں گا۔ میں جاگ ہی رہا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ میں سمجھا شائد رضوانہ ہے اور ڈر رہی ہے، ورنہ شائد میں اس طرح بے دھڑک دروازہ بھی نہ کھولتا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک

آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں بچ گیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میری یہی کوشش تھی کہ وہ دوبارہ اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ وہ شاید نروس بھی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے پوری طرح زیر کر لیا اور اپنے ملازمین کو تو پہلے ہی سے آوازیں دیتا رہا تھا لیکن کسی کم بخت سے یہ نہ ہو سکا کہ کمرے سے باہر آتا۔"

"مگر انہیں تو تم نے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنے کمروں سے نہ نکلیں۔" فریدی نے ٹوکا۔

"ہاں! میں نے کہا تھا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں اس طرح ذبح کر ڈالا جاؤں اور کسی کے کان پر جوں نہ رینگے۔ پہلے آدمی کی آمد پر دراصل میں الجھن میں پڑ گیا تھا اور اسی الجھن کے دوران میں نے انہیں ان کے کمروں میں بھیج دیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس آدمی کی آمد سے پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ نامعلوم آدمی کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں میں اصلیت بھی ہو گی۔ آپ خود سوچئے وہ اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ پھر مجھ سے عمارت خریدے گا کون.... کوئی نہ کوئی تو سامنے آئے گا ہی۔ پھر رازداری کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔"

"تو آپ کو توقع نہیں تھی کہ معاملات اس حد تک بڑھ جائیں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ورنہ میں کم از کم رضوانہ کو تو یہاں ہرگز نہ رکھتا۔ میرے خدا وہ کتنی پریشان ہو گی۔ کہاں ہے.... کیا آپ نے اسے شہر بھجوا دیا۔"

"نہیں وہ یہیں ہیں۔" فریدی بولا اور حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک اس کے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ ابھی تک تو اس کا لہجہ ایسا ہی رہا تھا جیسے وہ کسی معمولی مجرم سے بیان لے رہا ہو۔ لیکن اب گفتگو کے انداز میں شائستگی کی جھلکیاں سی محسوس ہونے لگی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر طرح محفوظ ہیں۔ ہاں تو پھر آپ نے اس حملہ آور کو کہاں چھوڑا۔"

"وہ تہہ خانے میں ہے کرنل.... اس کی کہانی سن کر ہی میں نے سوچا تھا کہ میں کسی بڑے خطرناک آدمی سے ٹکرا گیا ہوں۔ اسی لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا اور اب میں آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔"

آپ کو کیا کرنا پڑا تھا۔"

"دھوکا دینا پڑا تھا۔ میں نے سوچا دوسروں کو شبہات میں مبتلا کر کے لاپتہ ہو جاؤں اور پھر

ں کہ وہ کون ہے اور میرے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ نوکروں نے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ نہ بھی کمرے ہی میں رہی تھی۔ آوازیں سبھوں نے سنی ہوں گی۔ میں نے حملہ آور کے ہاتھ ندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلے کپڑوں کی ایک گٹھری بنائی اس میں دو تین وزنی پتھر رکھے وکبوتر کابک سے نکالے اور انہیں ذبح کر کے گٹھری میں ڈال دیا اور اسے ایسی جگہوں پر پھرا جہاں نشان صاف دیکھا جا سکے۔"

"اور پھر اُس کے بعد آپ نے حملہ آور کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ اپنے متعلق بتائے۔" فریدی ہا۔

"اس کے بعد۔" سرسجاد نے حیرت سے دہرایا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے کہئے۔ بھلا ے اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر یہ سب کیسے کر گذرتا۔"

فریدی کسی خیال میں گم اُسے گھورے جا رہا تھا۔ یک بیک اس کے ہونٹوں پر خفیف سی اہٹ نظر آئی اور اُس نے کہا۔ "میں اس آدمی کا بیان لینا چاہتا ہوں۔"

"بس کسی طرح اس سے یہ اُگلوائیے کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی اسے پھر گھورنے لگا۔

"وہ کہتا ہے کہ اسے سیاہ رنگ کے ایک کتے نے یہاں بھیجا تھا۔" سرسجاد نے ٹھنڈی سانس لر کہا۔

کس کی کہانی

حمید نے قہقہہ لگایا۔ چند لمحے ہنستا رہا پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

"میں اس کتے سے واقف ہوں۔ اس کی خالہ شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرتی ہے۔"

"آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔" سرسجاد جھلا گیا۔ "کیا یہ میرا ذاتی بیان ہے؟ اُس نے جو بھی مجھ سے کہا تھا آپ کے سامنے دہرا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ ہے کہاں!"

"تہہ خانے میں.... پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔"

"تو چلئے اسے بھی دیکھ لیں۔" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بول پڑا۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب رضوانہ بھی ہما ساتھ ہو۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ ٹھہریئے۔ میں خود ہی اُسے اوپر لاتا ہوں۔"

"اب یہ بھی ناممکن ہے۔" حمید نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "آپ یہاں سے ہل بھی نہیں سکـ"

سر سجاد نے فریدی کی طرف دیکھا۔ حمید کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ نے سر سجاد سے اس کی بحث بڑے سکون کے ساتھ سن لی تھی۔ اسے اس سے باز رکھنے کی کو نہیں کی تھی، حالانکہ اس نے خود ہی اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ اس کے ساتھ تہہ میں جائے گا۔

"یہ نئی الجھن پیدا کر دی آپ لوگوں نے۔" فریدی تشویش کن لہجے میں بولا۔ پھر بلند میں بولا۔ "خیر.... چلئے یہ جھگڑا بھی ختم کئے دیتا ہوں۔ آپ دونوں یہیں ٹھہریئے۔ میں ت خانے میں جاؤں گا۔"

"اس پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" حمید بولا۔

"پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سر سجاد ہنس پڑا۔ "چلئے یونہی سہی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی ٹارچ سنبھالے ہوئے تہہ خانے کے دروازے میں ہو گیا۔

حمید کی نظریں سر سجاد پر تھیں اور ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے ضرورت پڑنے پر وہ جیب ہی سے فائر بھی کر سکتا تھا۔

"آپ بڑے شکی معلوم ہوتے ہیں۔" سر سجاد نے مسکرا کر کہا۔

"دنیا کے ہر فلسفے کی ابتداء شک ہی سے ہوتی ہے۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "اب یہ ج ہو گیا ہے نا ہماری راتوں کی نیندیں تک ہڑپ کر جائے گا۔"

"آپ اسے فلسفہ کہتے ہیں۔"

"میرے لئے ہر وہ چیز جو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق ہو، فلسفے کا درجہ رکھتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سر سجاد نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہم سمجھے تھے کہ کسی کی لاش گھسیٹی گئی ہوگی، لیکن آپ کبوتروں کی کہانی سنا رہے ہیں اس میں اسے فلسفہ ہی کہوں گا۔"

"اوہ....!" سر سجاد مسکرایا۔ "آپ تو فلسفیوں ہی کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہر وہ شخص فلسفی ہے، جو صرف باتیں ہی کر سکتا ہو۔"

یک بیک سر سجاد چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"شاید میں نے کسی کی آہٹ سنی تھی۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر کرنل دو منٹ کے اندر برآمد نہ ہوئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا سر سجاد۔"

"آپ کیسی بے تکی باتیں کرتے ہیں۔"

"یہ فلسفہ نہیں! دھماکے اور خون کی باتیں ہیں سر سجاد۔"

سر سجاد نے اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھا لیا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھک آیا۔ حمید ظریں اس کے ہاتھوں ہی پر تھیں۔

سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "میرے تہہ خانے بہرام کے تہہ نے نہیں ہیں اور نہ میں نے پولیس سے کسی قسم کا فراڈ ہی کیا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ پولیس کو ی اس کارروائی سے کسی قسم کی مدد ملے اور....!"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی تہہ خانے کے دروازے سے لنگڑاتا ہوا برآمد ہوا۔ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہی فریدی بھی دروازے میں نظر آیا۔ سر سجاد حمید کی طرف قہر آلود نظروں دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ فریدی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ شائد نے آپ کو موت کے منہ میں بھیج دیا ہے۔"

"تہہ خانے بڑے شاندار ہیں سر سجاد۔" فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"جی ہاں! اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تہہ خانے ہی میری پریشانیوں کا باعث ہوں۔"

فریدی قیدی کی طرف مڑا اور بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم سورج ڈکیتی کیس کے الزام میں چھ سال کی سزا بھگت کر چھوٹے تھے۔ تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"جی ہاں! میرا نام نصرت ہے۔ لیکن.... اگر کوئی میرے چیتھڑے بھی اڑا دے تو میں یہ نہ سکوں گا کہ میں کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"اتنے سخت جان ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"میں جانتا ہی نہیں جناب بتاؤں گا کیا۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"مجھے اعتراف ہے جناب۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ سر سجاد بھی یہیں موجود ہیں۔"

"یہ تمہارا بیان ہے کہ تم اپنے باس سے واقف نہیں ہو۔ لیکن اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا تمہیں کاموں کی اُجرت کس سے ملتی ہے۔"

"ایک سیاہ رنگ کے کتے سے! وہی اس کا ہرکارہ ہے۔"

"تم اس کی ملازمت میں کیسے آئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ میں جیل سے رہا ہوا تھا ایک و کی روٹی کا بھی سہارا نہیں تھا۔ میرے لئے نہ کوئی خوش ہونے والا تھا اور نہ کوئی مغموم ہو والا۔ شہر میں میرا کوئی شناسا بھی نہیں تھا جس سے مدد مل سکتی۔ میں نے پہلی بار ایک بڑا جرم تھا۔ لمبی سزا بھگتی تھی اور تہیہ کر لیا تھا کہ اب جرائم سے دور ہی رہوں گا۔ لیکن.... لیکن.... کا میں نے اس پراسرار پرس پر فاقوں کو ترجیح دی ہوتی۔"

"کیسا پرس....؟" فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ پرس نامعلوم طور پر میری جیب میں پہنچا تھا۔ میں سڑک کے ایک ایسے فٹ پاتھ گذر رہا تھا جہاں کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ دفعتاً میں نے اپنی داہنی جیب میں کسی قسم کا وز محسوس کیا۔ یہ اسی شام کی بات ہے جس کی صبح میں رہا ہوا تھا۔ جیب خالی تھی اور میری آنت بھوک سے اینٹھ رہی تھیں۔ بہرحال بے اختیارانہ طور پر میرا ہاتھ جیب میں چلا گیا تھا۔ پلاسٹک چکنا پرس میری انگلیوں میں پھسل رہا تھا۔ میں چکرا گیا۔ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں تھا اور پھر مجھ پر ایسی وحشت طاری ہوئی تھی جیسے مجھے جیب تراشی کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہو

ٹ پاتھ کی بھیڑ سے نکل کر ایک گلی میں ہولیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پرس کو کیسے یکھوں، جیب سے کیسے نکالوں! بالآخر ایک جگہ ایک پبلک پیشاب خانے پر نظر پڑی اور میں نے طمینان کا سانس لیا۔ وہاں میں بآسانی پرس کا جائزہ لے سکتا تھا۔ پرس میں سو روپے کی کرنسی ی۔ اس کے علاوہ اس میں سے اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ پرس میں نے وہیں پھینک دیا اور نوٹ ب میں ڈالے۔ پھر پانچ دن بڑی شان سے بسر ہوئے اور میں اسی دوران میں کام بھی تلاش کرتا ا۔ لیکن آپ کو ایمانداری سے بتاؤں کہ اب پھر میری نیت ڈانواڈول ہو گئی تھی۔ چھ سال تک راب نہ ملنے کی وجہ سے مجھ میں جو ذہنی تبدیلی ہوئی تھی وہ ان سو روپوں کے نوٹوں نے غارت ردی۔ اگر میں نے محنت مزدوری کر کے دن بھر میں صرف ایک روپیہ کمایا ہوتا تو شراب پینے کا یال تک نہ آتا مگر مفت کے سو روپے.... انہوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہر ہفتے مجھے اسی طرح اسرار طور پر سو روپے ملتے رہے۔ اب میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ بھی کرایہ پر حاصل کر لیا تھا۔ تھے ہفتے کے روپیوں کے ساتھ ایک پرچہ بھی ملا جس پر تحریر تھا۔ "اب اپنی مدد آپ کرو۔ یہ یٹ چھوڑ کر تارجام کی گرین بلڈنگ میں فلیٹ لو۔ نچلی منزل میں ایک فلیٹ خالی ہے۔" میں نے ں ہدایت پر عمل کیا۔ یہاں پہنچنے پر سو کی بجائے ڈیڑھ صد روپے فی ہفتہ کے حساب سے ملنے ا۔ لیکن اب طریق کار بدل گیا تھا جس کے متعلق مجھے پہلے ہی سے آگاہ کیا گیا تھا.... اب ایک یاہ رنگ کا کتا پیغام رسانی کا کام کرتا ہے۔"

"روپے کس طرح ملتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کتے ہی کے ذریعہ.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں واپس جاتا ہے اس کا ہ پرس کی طرح کئی تہیں رکھتا ہے۔ اسی میں پیغامات اور کرنسی نوٹ ہوتے ہیں۔"

"تم نے کبھی نہ کبھی اس کتے کا تعاقب تو ضرور ہی کیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "قدرتی بات ہے تم اُس آدمی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو گے۔"

"صرف ایک بار.... لیکن وہ تو چھلاوہ ہے۔ اس تعاقب کے بعد ہی مجھے اس نامعلوم آدمی کی طرف سے تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر میں نے آئندہ ایسی حرکت کی تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ میں نے وچا اگر اس کی نوبت آئی تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی اور میں دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں گا۔ ظاہر ہے، جو لاعلمی میں میری جیب میں پرس ڈال سکتا ہو۔ وہ کیا پسلی میں خنجر نہیں اتار سکتا۔

ایسا دشمن انتہائی خطرناک ہوتا ہے، جو کبھی سامنے نہ آیا ہو۔"

"اس سے پہلے بھی تم اسکے حکم سے دوسروں کو قتل کرتے رہے ہو۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں جناب! قطعی نہیں۔ کل پہلی بار مجھ سے کوئی کام لیا گیا تھا۔ وہ بھی اتنے کم وقت میں کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات ٹھیک گیارہ بجے وہ کتا میرے پاس پہنچا تھا۔ میں نے پٹے سے پیغام نکالا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھ سے اتنے تھوڑے وقت میں کوئی ایسا خطرناک کام لے گا۔ صرف دو گھنٹے کا وقت تھا۔ لکھا تھا کہ ٹھیک ایک بجے جنگل کے قریب والی کوٹھی میں پہنچ جاؤ۔ کوٹھی کا نقشہ بھی بھیج رہا ہوں۔ کوٹھی کے سارے افراد سہمے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی بھی اپنے کمرے سے نکلنے کی ہمت نہ کرے۔ تم سر سجاد کی خواب گاہ کے دروازے پر رک کر دستک دینا۔ اگر دروازہ نہ کھلے تو بھرائی ہوئی نسوانی آواز میں ڈیڈی کہہ کر پکارنا۔ سر سجاد سمجھے گا کہ اس کی بیٹی نیند سے اٹھ کر آئی ہے۔ یقیناً دروازہ کھول دے گا جیسے ہی سامنے آئے اس کے سینے میں خنجر اتار دینا۔ میں اپنی آواز بہ آسانی بدل سکتا ہوں۔ وہ میرے متعلق یہاں تک جانتا ہے کیا نہیں جانتا میرے بارے میں؟"

وہ خاموش ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سر سجاد کی سانس پھول رہی ہے۔ چہرے کی رنگت میں غالباً ہلکی سی زردی بھی شامل ہو گئی تھی۔ فریدی اس کی طرف مڑا۔

"لیکن آپ نے صرف دستک ہی پر دروازہ کھول دیا تھا۔"

"جی ہاں! میں حقیقتاً یہی سمجھا تھا کہ رضوانہ ہے اور غالباً ڈر رہی ہے۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس اجنبی کی روانگی کے بعد ہی رضوانہ کو یہاں سے لے کر شہر چلا جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہر طرح کے خیالات گھیرے ہوئے تھے مجھے۔" سر سجاد اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے اجنبی کی آمد کا مقصد ہی یہی رہا ہو کہ میں بوکھلا کر شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں اور راستے میں مجھے گھیرا جائے۔ میں اتنا نروس ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے اس ان دیکھے دشمن پر برسنا شروع کر دیا تھا۔"

"اجنبی کی زبردستی کی اطلاع آپ کو کم از کم اسی وقت تارجام کے پولیس اسٹیشن کو دینی

ے۔ یہاں فون بھی موجود ہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن تار کٹے ہوئے پائے تھے۔"

"ہوں تو.... یہ خیال غلط ہے کہ.... خیر خیر....!"

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے قیدی کو مخاطب کیا۔ "کیا اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ عمارت میں ہونے سے پہلے فون کے تار کاٹ دینا۔"

"جی نہیں! اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔"

"تار تو میرے خیال سے اسی وقت کاٹے گئے تھے، جب اجنبی یہاں داخل ہوا تھا۔" سر سجاد بولا۔

"ہو سکتا ہے....!"

"تو پھر یہ اجنبی.... حقیقتاً کسی بڑی سازش کا کوئی حصہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے حمید کی ے دیکھ کر کہا۔

"اگر آپ کو ان لوگوں کے بیان پر یقین ہے تو یہی کہا جا سکے گا۔" حمید نے کہا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر قیدی سے بولا۔ "اس کے میں اندازاً تم جیسے کتنے آدمی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اور بھی ہوں۔ لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔" فریدی کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"ایسے وقت میں کیا چھپاؤں گا جب کہ مجھے یقین ہے کہ اس بار دس سال سے کم کی نہیں ا۔"

"آپ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا سر سجاد۔" فریدی بولا۔

"مگر.... اب! اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری دانست میں تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود کو پوشیدہ رکھیں۔ اسی طرح کام کرنے میں انی ہو گی.... اور تم....!" فریدی قیدی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے سر سجاد۔ اگر ہ کے ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو گیا تو مسئلہ بدستور موجود رہے گا۔ آپ کے نامعلوم دشمن کو ی کی گمشدگی پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ محفوظ ہیں لہٰذا وہ اس عمارت کا رخ کرنے کی ہمت نہیں

کرے گا۔ آپ نے غالباً یہ سب کچھ اسی لئے تو کیا تھا کہ اسے بے نقاب کر سکیں۔“

”قطعی! اسی لئے کیا تھا۔ چھپ کر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے۔“

”پھر اس کا بھی غائب ہو جانا کہاں تک مناسب ہوگا۔“

”یہی تو سب سے بڑی الجھن تھی اور اسی لئے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔“

”تو اب آپ اسے الجھن میں مبتلا کر دیجئے۔“

”بھلا وہ کیسے؟“

”اس آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ بدستور اپنے اُسی فلیٹ میں قیام کرے۔“

”لیکن ایک الجھن اور بھی ہے۔ کرنل۔ میں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا تھا، بہت جلد میں کیا تھا۔ بس اس ساری اسکیم کا ایک سایہ میرے ذہن میں آیا تھا اور میں یہ سب کچھ کر گز تھا۔ لیکن اب کئی الجھنیں سامنے آ گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے لاش کے متعلق اسے کو ہدایت نہیں دی تھی، پھر لاش کہاں غائب ہو گئی۔“

”یہی چیز تو اسے الجھن میں ڈالنے والی ہوگی سر سجاد۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ آدمی اسے بتا گا کہ اس نے آپ کو قتل کر کے لاش خواب گاہ ہی میں چھوڑ دی تھی۔“

”اوہ.... تو وہ لاش کوئی اور وہاں سے لے گیا.... مگر کیوں؟“

سر سجاد نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔ ”بالکل ٹھیک وہ یقیناً کئی الجھنو میں پڑ جائے گا۔“

”تو پھر اب تم جاؤ۔“ فریدی نے قیدی سے کہا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔

”جاؤ.... مگر احتیاط سے۔ میرا نام فریدی ہے۔ شاید تم نے سنا ہو۔ تم اب میرے لئے کا کرو گے۔ سمجھے اور اس سے بھی بدستور رابطہ قائم رکھو گے۔ اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ تم اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کر سکے اور ہاں تمہارے پاس وہ تحریریں تو محفوظ ہی ہوں گی جو تمہیں وقتاً فوقتاً اس سے ملتی رہتی ہیں۔“

”اس کا حکم تھا کہ ہر تحریر پڑھنے کے بعد جلا دی جائے مگر پھر بھی میں نے کچھ بچالی ہیں۔“

”اس عمارت کا وہ نقشہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہی ہوگا، جو اس نے بھیجا تھا۔“

”جی ہاں اور تحریر بھی موجود ہے۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں۔“ قیدی نے کہا۔ ”لیکن اگر

ہرے پر سراسیمگی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

حمید نے اس کی جیب سے تہہ کئے ہوئے کاغذات نکالے اور فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ لمحے انہیں بغور دیکھتا رہا پھر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”اس کے ہاتھ کھول دو۔“

”سس.... سنئے تو جناب۔“ وہ ہکلایا۔ ”میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے پر ہرگز تیار نہیں، اس ی پر جیل کو ترجیح دوں گا۔“

”کیوں....؟“

”وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسے یقینی طور پر صحیح حالات کا علم یا تو ہو چکا ہوگا یا ہو جائے گا۔ تو پھر کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔“

”تمہاری حفاظت کی جائے گی۔“

”اتنی بڑی سزا نہ دیجئے۔“ وہ گھگھیایا۔ جیل میں سکون سے مر تو سکوں گا۔

فریدی نے سر سجاد کی طرف دیکھا اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا آخر فریدی کیا کر رہا ہے۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا نہ کہ ایک فلم ڈائریکٹر۔ سر سجاد سے ت سرزد ہوئی تھی کہ اس نے اس حادثے کو کہانی بنانے کی کوشش کی اور اب مزید حماقت یہ نے والی تھی کہ اس کہانی کو رومانی ٹچ دینے کے لئے ایک مجرم کو چھوڑا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا روری تھا کہ سر سجاد کی بیان کردہ کہانی پر یقین ہی کر لیا جاتا۔

”چلو یہی سہی!“ فریدی کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ ”میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا تم اپنا بیان تبدیل نہیں کرو گے۔“

”کون سا بیان۔“

”یہی کہ تم نے سر سجاد کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن لاش تم نے وہاں سے نہیں ہٹائی تھی۔“

”پھ.... پھانسی....!“ قیدی کانپ گیا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم بے داغ بری ہو جاؤ گے۔ میرا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا ۔“

”آپ بڑے آدمی ہیں.... مم.... میں جانتا ہوں.... جناب.... مم.... مگر....!“

”پرواہ مت کرو۔“ فریدی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور پھر سر سجاد سے بولا۔ ”آپ کو

اس وقت تک چھپے رہنا پڑے گا جب تک کہ میں آپ کا ظاہر ہو جانا مناسب نہ سمجھوں۔"

"مجھے منظور ہے۔ لیکن میری حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہو گی۔"

"قطعی.....!" فریدی نے سر ہلا کر کہا اور اسی کی ہدایت پر فی الحال وہ دونوں تہہ خانے میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی حمید پھوٹ پڑا۔ جتنے بھی شکوک و شبہات اس کے ذہن میں تھے اگل چلا۔ فریدی سکون کے ساتھ سنتا رہا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھ سے حماقت ہی سرزد ہوئی ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن سر سجاد سے وہی آدمی یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے، جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ جس آدمی کے قتل کی تفتیش میں کر رہا تھا اس نے بھی مجھے ایسی ہی کہانی سنائی تھی اُسے بھی اسی طرح کسی نے پھانسا تھا اور اسے بھی ایک کالے کتے ہی کے ذریعہ پیغامات ملا کرتے تھے۔"

نکل گیا

حمید کو صرف اس احمق لٹیرے کی فکر تھی جس کی زبردستیوں کی رپورٹیں اب بھی مل رہی تھیں، وہ اُسے احمق ہی سمجھتا تھا کیونکہ اس کا طریق کار خود اسی کے لئے بے حد خطرناک تھا لیکن اُس سے کیا فائدہ اٹھاتا تھا؟ کبھی سگرٹیں، کبھی ٹافیاں اور کبھی وزنی پرسوں سے صرف دس یا پانچ کا نوٹ کھینچ لیا۔

اب تو یہ عالم تھا کہ شہر کی اکثر خوش مزاج اور اسمارٹ قسم کی لڑکیاں سرِ شام ہی اُس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ بس وہ ایک اچھا خاصا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔

پہلے پولیس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ مگر اب سر سجاد والے کیس کے بعد سے باقاعدہ طور پر اس کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

سر سجاد کے قاتل کی گرفتاری اور فریدی کی واپسی کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ اس کی خبر زیادہ "کرنل فریدی کی واپسی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اخبارات کی حاشیہ آرائیوں کا کیا پوچھنا۔ کسی نے کچھ لکھا تھا اور کسی نے کچھ۔ لیکن قیدی کے متعلق فریدی کی رپورٹ میں کوئی افراط تفریط نہیں ہونے پائی تھی۔ رپورٹ کے مطابق اسے سر سجاد کی کوٹھی کے قریب جنگل میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مجرم نے اقبالِ جرم کرتے ہوئے بتایا تھا کہ لاش اس نے خواب گاہ ہی میں چھوڑی تھی اُسے وہاں سے کس نے ہٹایا تھا؟ اس پر وہ روشنی نہ ڈال سکا۔ اس کے بیان کے ساتھ ہی اس نامعلوم آدمی کی کہانی بھی شائع ہوئی تھی جس نے اُسے حیرت انگیز طور پر ملازم رکھا تھا۔

رضوانہ شہر واپس آگئی تھی۔ اس نے قاتل کا بیان پڑھا تو ایک بار پھر اس پر پہلی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ابھی تک تو وہ شبہات میں مبتلا رہی تھی اور کیپٹن حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق ان شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن قاتل کے بیان کے بعد سے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا اور یہ دشواری آج بھی حمید کی تقدیر بنی ہوئی تھی۔ یعنی اس کی دیکھ بھال کے فرائض بدستور اسی کے سر تھے۔

مگر وہ اس توقع پر اُسے ساتھ لے باہر نکلتا تھا کہ شاید کبھی اس احمق لٹیرے سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ رضوانہ اُسے دیکھ چکی تھی اور دوبارہ نظر آنے پر بہ آسانی پہچان سکتی تھی۔

آج بھی اس کے ساتھ باہر نکلنے کا مقصد یہی تھا ورنہ اس روتی ہوئی لڑکی سے حمید کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ اب خود ہی حمید کی تلاش میں رہنے لگی تھی اور حمید کو اس کے کئی امیدواروں کی چڑھی ہوئی تیوریاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اُس نے اکثر سوچا تھا کہ کہیں انہیں میں سے کوئی وہی نامعلوم آدمی نہ ہو جس نے سر سجاد پر حملہ کرایا تھا۔

"مجھے ان لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ وہ گرین اسکوائر سے گذر رہے تھے اور حمید نے انہیں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

"حالانکہ آپ پہلے بھی ان سے ملتی رہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ملنا جلنا تو پڑتا ہی ہے۔ آدمی اکیلے تو نہیں رہ سکتا۔"

"تو پھر میں آدمی ہی نہ ہوں گا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں.....؟ کیوں؟"

"میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

"تب تو پھر میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہو گی۔"

"قطعی نہیں! ہم دونوں تنہا ہی تو ہیں۔" حمید کے لہجے میں بڑی معصومیت تھی۔ اس کے بعد اس نے موضوع سے گریز کرنے کی کوشش کی۔

"میں نے سنا ہے کہ میجر سعید نے کچھ کاروباری الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔"

"خدا کے لئے ان کا تذکرہ نہ چھیڑیئے۔ میرے لئے تو الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، جنہیں میں اپنے قانونی مشیروں ہی تک محدود رکھنا چاہتی ہوں۔"

حمید نے خاموشی اختیار کر لی اور کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ رضوانہ خود ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید نے مر جانے کی حد تک بور ہو کر سوچا کتنی انوکھی ڈیوٹی ہے۔ اس ڈیوٹی سے تو کہیں بہتر یہ تھا کہ اسے کسی مردہ بھینس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا.... مگر یہ لڑکی.... خدا کی پناہ! نہ تو اُسے تفریحی گفتگو راس آتی تھی اور نہ اُن مسائل سے دلچسپی تھی، جو اس وقت در پیش تھے۔ بس خاموش رہتی تھی اور شاید یہی چاہتی تھی کہ حمید بھی اپنے ہونٹ بند ہی رکھا کرے۔

پھر آخر وہ اس کا پیچھا ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔ عالم یہ تھا کہ جہاں حمید کو اس تک پہنچنے میں دیر ہوتی، کال پر کال آنے لگتی۔ بعض اوقات تو وہ جھنجھلا اٹھتا اور ریسیور کریڈل سے نکال کر پرے ڈال دیتا۔ ایسی صورت میں کچھ دیر بعد وہ گھر ہی پر آدھمکتی۔

فریدی نے آج کل دفتر کی حاضری اس کے لئے غیر ضروری قرار دے رکھی تھی۔

ایسی بور لڑکی سے ساتھ باہر نکلنے سے بہتر تو یہ تھا کہ گھر ہی بیٹھ کر گرامو فون سے دل بہلاتا یا دلبستگی کے لئے دو چار بکریاں پال لیتا.... کبھی کبھی تو یہ سوچنے لگتا کہ آخر اسے اس احمق لٹیرے ہی کی تلاش کیوں ہے؟ جہنم میں جائے۔ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائے پھرنے سے فائدہ! جتنا کہا جائے اتنا ہی کرے۔ رہ گئی اس لڑکی کی نگہداشت تو یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مورفیا کا انجکشن دے کر کہیں سلا دیا جائے اور خود سرہانے بیٹھ کر ساڑھے تین کو ڈھائی سے ضرب دے کر حاصل ضرب کو پانچ سے تقسیم دے اور خارج قسمت کا عادِ اعظم مشترک معلوم کرنے کی کوشش کرے پھر پانچ جوتے اپنے سر پر لگائے اور گانا شروع کر دے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورت ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

وہ سوچتا رہا اور دل ہی دل میں کھولتا رہا۔ پھر جب یہ الجھن برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے جھلا کر پوچھا آخر اس طرح بھٹکتے پھرنے کا کیا مقصد ہے۔

"شائد کہیں وہ مل جائے۔" رضوانہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کون....!"

"وہی لٹیرا جس نے اُس رات ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ڈیڈی کے حادثے سے حقیقتاً اُس کا کوئی تعلق ہوگا۔"

"تو اس الو کے پٹھے کے لئے مجھے کیوں نچاتی پھر رہی ہو۔"

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے! کیا وہ آپ کے لئے دلچسپی سے خالی ہوگا۔"

"میری دلچسپی کے لئے آپ ہی کیا کم ہیں محترمہ....!" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"ایک مغموم لڑکی سے اس لہجے میں گفتگو نہ کیجئے۔ اچھا چلئے ہم واپس ہو رہے ہیں۔ میری وجہ سے آپ کو یقیناً بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ ویسے آج کل میرے لئے آپ کا وجود بہت ضروری ہے۔"

"جس طرح صحت کے لئے موبل آئیل اور گریس ضروری ہے۔"

"خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے جنہیں سن کر ہنسی آئے۔ بالکل جی نہیں چاہتا ہنسنے کو۔"

"خیر.... ہاں تو آپ میرا وجود اپنے لئے ضروری کیوں سمجھتی ہیں۔"

"آپ کو ساتھ دیکھ کر ہمدردی جتانے والے راستہ کاٹ جاتے ہیں۔ مجھے ہمدردوں سے بڑی نفرت ہے۔"

"لیکن مجھے ساتھ دیکھ کر وہ بھی بھڑکے گا جس سے آپ کو ہمدردی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہی گھامڑ لٹیرا۔"

"آپ غلط سمجھے! مجھے اس سے ہمدردی کیوں ہونے لگی۔ میں تو بس.... ہائیں یہ کیا۔"

حمید چونک پڑا۔ گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ سرخ بلب کیوں روشن ہے۔"

حمید کو پورچ میں ایک سرخ بلب روشن نظر آیا۔ ابھی شام کے پانچ ہی بجے تھے، چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"کوئی لائبریری میں موجود ہے! کون؟" اُس نے پورچ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا آس پاس کوئی ملازم موجود نہیں تھا۔

"یہ سب کم بخت کہاں مر گئے۔" وہ کار سے اترتی ہوئی بڑبڑائی۔

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "بھلا اس سرخ بلب کا کسی کے لائبریری میں موجود ہو سے کیا تعلق....!"

"ڈیڈی مطالعہ کے اوقات میں کسی قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ سر بلب یہاں دراصل اس لئے لگایا گیا تھا کہ ملازمین بھی باخبر رہ سکیں کہ وہ اس وقت لائبریری ہیں، لہٰذا اگر کوئی اُن سے ملنا چاہے تو وہ اُسے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ ڈیڈی گھر ہی پر موجود نہ ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کسی ملازم کو مطالعہ کا شوق چرایا ہو۔"

"ناممکن! ملازمین میں سے کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں! مگر آخر یہ سب گئے کہاں۔"

"ممکن ہے سبھی لائبریری میں موجود ہوں۔ لیکن ان سے سرخ بلب روشن کرنے حماقت کیوں سرزد ہوئی۔" حمید بولا۔

"ڈیڈی کی مخصوص میز کے لیمپ کا سوئچ آن کرنے سے یہ سرخ بلب بھی روشن ہو ہے۔ اگر وہ کوئی نوکر ہی ہے تو بُری طرح خبر لوں گی! بہ آہستگی آیئے۔"

اُس نے نوکروں کو آوازیں نہیں دیں ورنہ پہلے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ جیسے اُن کے نام لے کر پکارنا شروع کر دے گی۔

اندر سناٹا ہی سناٹا تھا۔ کہیں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ حمید کو وہاں پانچ یا چھ ملازموں موجودگی کا علم تھا۔ وہ بے پاؤں راہداریوں سے گذرتے رہے! آخر وہ ایک جگہ رک گئی! دروازے کے سامنے رکی تھی وہ بند تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اس پر ٹھوکر لگائی۔ دونوں آواز کے ساتھ کھلے اور سامنے ہی ایک آدمی اچھل پڑا.... وہ ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔

"ارے....؟" رضوانہ بھی اس کے ساتھ ہی اچھل پڑی۔

حمید چپ چاپ اس آدمی کو گھورتا رہا، جواب میز سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں

بنے پر باندھ لئے تھے، وہ یہاں کے ملازموں میں سے تو ہرگز نہیں تھا۔

"یہ.... یہ تو.... وہی لٹیرا ہے۔" رضوانہ سنبھالا لے کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ ساتھ ہی اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی۔ شرارت آمیز مسکراہٹ! جیسے وہ انہیں چڑا رہا ہو۔

حمید اس وقت غیر مسلح تھا۔ اس لئے اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی نہ کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال ہی دے۔ لیکن اگر وہ غیر مسلح نہ ہوا تو؟ اُس کی جیب خالی نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے ایک عمارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی ہمت کی تھی۔ نہتے لوگ اس کی جرأت کم ہی کرتے ہیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" دفعتاً رضوانہ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "میرے نوکر کہاں ہیں۔"

"میں مطالعہ کر رہا ہوں۔" پرسکون لہجے میں جواب دیا گیا۔ "اور وہ باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے، شریف بچوں کی طرح! بات یہ ہے کہ میں مطالعہ کے دوران شور و غل برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تمہارا دماغ صحیح ہے یا نہیں۔ کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔"

"تمہارے ہی باپ کا سہی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم ڈیڈی کے قاتل ہو.... قاتل۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"کس ڈیڈی کی بات کر رہی ہو.... اوہ شائد میں پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ یاد نہیں پڑتا کہاں۔"

"سر سجاد کے قتل کی سازش میں تم بھی شریک رہے ہو۔" حمید بولا۔

اس پر لٹیرے نے بڑی فراخدلی سے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "سر سجاد! اوہ اب یاد آیا۔ ہاں شاید ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے تارجام میں تم لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ مگر سر سجاد کا قاتل تو جیل میں ہے۔"

"اور اُسے تم نے ہی اکسایا تھا۔"

"اس کی ضرورت مسٹر عقلمند۔" وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا میں اُسے کھانے کی میز پر قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہی ہے کہ وہ اُسی رات کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن لاش کہاں گئی مسٹر عقلمند۔"

"بکواس مت کرو۔ تم زیر حراست ہو۔"

"یہ بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔ مگر میں شاعر نہیں ہوں مسٹر عقلمند کہ زلفیں مجھے اسیر کرسکیں، ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہاری جیب خالی ہے اور میری جیب میں اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا کھلونا موجود ہے۔"

حمید کوشش کر رہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے، ورنہ یہ آدمی تو شاید اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح اُسے جذباتی طور پر غیر متوازن کر کے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے لہجے کی شوخی حقیقتاً اُسے غصہ دلا رہی تھی۔

"آج تم بچ کر نہیں جا سکتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"یہ شائد تیر نظر کے بل بوتے پر کہہ رہے ہو۔" اجنبی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس پر حمید نے جھلاہٹ میں اس پر چھلانگ لگائی، لیکن بڑی صفائی سے میز سے جا ٹکرایا۔ جتنی دیر میں مڑتا اجنبی راہداری میں نظر آیا۔ اس نے بڑی بیدردی سے رضوانہ کو بھی دھکا دیا تھا اور وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

پھر دونوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا۔ حمید دوسرے دروازے کی طرف جھپٹا۔ تیزی سے ہینڈل گھما کر اسے کھولنا چاہا لیکن وہ شاید پہلے ہی مقفل تھا۔

دونوں دروازے پیٹے جانے لگے، لیکن کہیں سے بھی جواب نہ ملا۔ اجنبی تو انہیں پہلے ہی اطلاع دے چکا تھا کہ سارے نوکر باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے۔

رضوانہ نے بتایا کہ وہ شام کی چائے باورچی خانے ہی میں پیتے تھے۔

"تو پھر کیا اب دروازہ توڑنا پڑے گا۔" حمید نے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس قسم کی ہزیمت اُسے پہلی بار اٹھانی پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ گوشت پوست کا آدمی تھا یا برقی نظام سے متحرک ہونے والی کوئی مشین۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے ایک جانب گھورے جا رہی تھی۔



رات تاریک تھی اور جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی بے جان سے نظر آ رہے تھے۔

سر سجاد کی تارجام والی کوٹھی اندھیرے میں نہائی کھڑی تھی۔ شاید اب وہاں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ ورنہ کسی نہ کسی حصے میں روشنی تو ضرور ہی نظر آتی۔

ردی شباب پر تھی۔ اندھیرا پھیلتے ہی سارجنٹ طاہر اور سارجنٹ زیدی عمارت سے ملحقہ اغ کے دو مختلف گوشوں میں جا چھپے تھے۔ آج ہی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہر رات کوٹھی کی نگرانی کی انی تھی۔ اس کا سلسلہ تو اسی رات سے شروع ہو گیا تھا، جب غیر متوقع طور پر سر سجاد اپنی کوٹھی ے تہہ خانے سے زندہ برآمد ہوا تھا۔

طاہر اور زیدی اسمارٹ قسم کے آفیسروں میں سے تھے اور ان کی تربیت زیادہ تر فریدی ہی ے ہاتھوں ہوئی تھی۔

زیدی نے ٹھیک ڈیڑھ بجے کسی کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک متحرک سایہ تھا، جو ی کبھی ساکن بھی نظر آنے لگتا۔

زیدی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ جھک کر چل رہا تھا۔ مقصد ایسی پوزیشن میں آ جانا تھا کہ وہ ل پر برابر نظر رکھ سکے۔

فریدی سے ملی ہوئی ہدایات کے مطابق انہیں صرف یہ دیکھنا تھا کہ کوئی چھپ کر عمارت میں خل ہونے کی کوشش تو نہیں کرتا۔ یعنی انہیں صرف اس کی نقل و حرکت ہی پر نظر رکھنی تھی۔

زیدی کو یقین تھا کہ طاہر نے بھی اُسے دیکھ ہی لیا ہوگا۔ سایہ عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔ ب اس کا انداز ٹہلنے کا سا تھا۔ زیدی کچھ اور آگے بڑھ آیا۔

یک بیک وہ اچھل پڑا کیونکہ اس نے اپنی پشت پر ہلکی سی غراہٹ سنی تھی۔

پھر کوئی سیاہ سی چیز اچھل کر اُس پر آ رہی۔ یہ ایک قد آور کتا تھا۔ زیدی نے اُس کے اگلے نجے پکڑ لئے تھے۔ لیکن ہر لحظہ خدشہ تھا کہ اب زمین ہی دیکھنی پڑے گی۔ وہ خود کو اس کے دانتوں ے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دور پر اُس نے کسی دوسرے کتے کی آواز بھی سنی تھی لیکن اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اہر کے متعلق بھی کچھ سوچ سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محض واہمہ رہا ہو۔

اس جدوجہد کے دوران وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ کتے کے پنجے اب بھی اس کی گرفت ہی ں تھے اس لئے گرتے گرتے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف اچھال دینے میں کامیاب ہو گیا۔ ر اگر اس سے ذرا سی بھی غفلت ہوئی ہوتی تو اس کی گردن یقینی طور پر کتے کے جبڑوں میں نظر آتی وہ نہ صرف پھرتی سے اٹھا تھا بلکہ ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لینے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

یک بیک باغ کے کسی گوشے سے سیٹی کی آواز آئی اور اُسی وقت زیدی نے فائر بھی کر
لیکن کتا شاید سیٹی ہی کی آواز پر پلٹ گیا تھا اس لئے وار خالی گیا۔ پھر وہ دوسرا فائر نہ کر سکا۔ کیو
کتا قریبی جھاڑیوں میں گھس کر نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

چند لمحے وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ تا رہا پھر چونک کر اُس جانب بڑھا جہاں طاہر کے
کی توقع تھی۔

وہ سایہ تو کبھی کا غائب ہو چکا تھا جس کے ساتھ ہی کتا بھی نازل ہوا تھا۔

سناٹے میں وہ اپنے ہی قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

"طاہر....!" اس نے کچھ دور چل کر آہستہ سے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ اب وہ ٹا
روشن کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن یہ محدود روشنی والی ٹارچ تھی۔ اس نے اُن تمام جگہوں کو
ڈالا جہاں وہ پچھلی راتوں میں چھپے رہے تھے۔ لیکن طاہر کا سراغ نہ ملا۔ پھر وہ ان جھاڑیوں
طرف پلٹا جہاں اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔

"زیدی....!" کسی نے اُسے آواز دی اور وہ اچھل پڑا۔ آواز طاہر ہی کی تھی لیکن ایسا معل
ہو رہا تھا جیسے وہ آواز گھٹتی ہوئی سانس کے ساتھ ایک پل کے لئے آزاد ہوئی ہو۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی اس نے ہوا میں فائر کیا اور شور مچاتا ہوا آواز کی طرف دوڑا۔

"ہاں.... میں آرہا ہوں.... جانے نہ پائے۔"

"احمق ٹھہرو....!" اس بار آواز پر سکون تھی۔ زیدی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ آ
والا قریب پہنچ کر بولا۔ "یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اُوہ.... جناب۔ وہ نکل گیا۔" زیدی ہانپتا ہوا بولا۔ "طاہر خطرے میں ہے۔ اپنی آ
چھوڑ کر بھاگ گیا اور میں نے غلطی سے اُسی بیچارے کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"کیا اُس پر کتے نے حملہ نہیں کیا تھا جناب۔"

"نہیں...!" کرنل فریدی نے جواب دیا۔



مدد کی طالب

"اور پھر ہم اُسی وقت کمرے سے نکل سکے تھے، جب نوکروں کو ہوش آیا تھا۔" حمید نے
ی سانس لے کر کہا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ "تو تمہیں اس کی
ت نصیب ہو ہی گئی۔ میں تو آج تک بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"مجھے شبہ ہے کہ لڑکی اسے بہت پہلے سے جانتی ہے۔"

"شبہے کی وجہ۔"

"وہ یا تو اس کے کسی امیدوار کے لئے کام کر رہا ہے یا خود ہی امیدوار ہے۔ سر سجاد اُس کے
مردوں کی بھیڑ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی اس کے لئے شوہر کا
ب کرے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رضوانہ نے راستہ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود
رڈالا ہو۔ وہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اس پر منحصر نہیں۔ آج تک کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی ورنہ تم بھی ڈیڈی بن گئے ہوتے۔"

"بہر حال اب آپ مجھے ڈیڈی کے طور پر کسی اندھے کنویں میں الٹا لٹکا دیجئے، مجھے کوئی
اض نہ ہوگا۔ لیکن یہ ڈیوٹی میرے بس سے باہر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس کی
اشت کی فکر آپ کو کیوں پڑ گئی ہے۔"

"سر سجاد مر تو نہیں گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا دھیان بٹائے رکھو۔"

"ارے وہ میرا ہی دھیان اس طرح بٹا کر رکھ دے گی کہ میں در و دیوار سے ٹکراتا پھروں گا۔"

یک بیک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ریسیور
الیا۔

"ہیلو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے.... گڈ.... فکر نہ کرو۔ میں آرہا ہوں.... اچھا۔"

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔ "چلو شائد آج میں تمہیں ایک ایسی لڑکی سے بھی
سکوں جو بہت جلد تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ فریدی نے یہ نہیں بتایا
کہ جانا کہاں ہوگا۔ حمید نے پوچھا بھی نہیں۔

"پچھلی رات خاصا لطیفہ رہا۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

حمید اب بھی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "کیوں کیا ہو گیا تمہیں۔"

"سر سجاد ہو گیا ہے مجھے۔" حمید غرایا۔

"اگر تمہاری یہ غراہٹ زیدی سن پائے تو شاید یہی سمجھے کہ پھر گردن دبائی کتے نے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ زیدی اور طاہر سر سجاد کی تارجام والی کوٹھی کی نگرانی کرتے ہیں۔

"پچھلی رات ایک کتے نے اس کی گردن دبائی تھی۔ وہ آدمی بہت چالاک ہے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کوئی باغ میں موجود تو نہیں ہے۔ کتا بھی ساتھ لایا تھا۔ جیسے ہی کتا زیدی پر جھپٹا وہ ہوشیار ہو گیا۔ لیکن طاہر بھی اُسے دیکھ چکا تھا۔ میں دیر سے پہنچا۔ طاہر نے کوشش کی تھی کہ اُسے پکڑ لے، شاید ایک ہاتھ اُس کی گرفت میں آ بھی گیا تھا لیکن پھر آستین ہی گرفت میں رہ گئی اور وہ نکل گیا۔"

"یہ کیسے ہوا۔"

"آستین پر آستین چڑھا رکھی تھی جس کا کپڑا غیر معمولی طور پر چکنا تھا۔ شاید اُسی آستین پر اس کا ہاتھ پڑا تھا۔"

"بس تو اب وہ گیا ہاتھ سے۔ شائد کوٹھی کا رخ بھی نہ کرے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"آپ کی دانست میں وہ کوٹھی کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔ پھر بولا۔ "ارے وہ تو زیادہ تر خالی ہی پڑی رہتی ہے۔ خالی نہیں کرانا چاہتا بلکہ اس پر سر سجاد کا مالکانہ قبضہ پسند نہیں کرتا۔"

"گویا.... وہ اُسے خریدنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس کے لئے اُسے سامنے نہ آنا پڑے گا۔ سر سجاد اس کی شخصیت سے واقف نہ ہو جائے گا۔"

"کیا اُس کا بیان یاد نہیں۔ سر سجاد کے کچھ ایسے راز بھی اُسے معلوم ہیں جن کی بناء پر انہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ اس نے یہی اندازہ لگایا ہو گا کہ اس کی شخصیت ظاہر ہو جانے کے باوجود بھی سر سجاد اپنی زبان بند ہی رکھے گا۔ اس کا یہ اندازہ غلط بھی نہیں تھا۔ جب تک سر سجاد

قاتلانہ حملہ نہیں ہوا۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔"

"لیکن وہ تو اس کی بلیک میلنگ کی دھمکی سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔"

"نہ ہوا ہو۔ مگر کیا اس نے وہ راز ہمیں بھی بتا دیا ہے جس کی بناء پر کوئی اسے بلیک میلنگ کی مکی دے سکے۔"

"نہیں....!"

"تو اس کا یہی مطلب تو ہوا نا کہ وہ اس کا ظاہر ہو جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ بات وہ آدمی بھی نتا ہو گا کہ سر سجاد مرعوب ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن وہ اس راز کے حوالے سے پولیس کو متوجہ نے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"ہوں! مگر اُسے قتل کرا دینے سے اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں!.... کیا یہ ضروری ہے کہ یہ عمارت رضوانہ کو بھی پسند ہو اور پھر اس حادثے ، بعد تو وہ اس سے اور زیادہ بیزار ہو گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ تو اسے بہت سستے داموں پر خت کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لو۔ یہ بھی ضروری نہیں ، کہ یہ قاتلانہ حملہ اسی آدمی کی طرف سے ہوا ہو جو اس عمارت کو اُس سے خریدنا چاہتا تھا۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"سر سجاد کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے! چونکہ ایک بار اسے کسی نامعلوم آدمی کی ف سے قتل کر دینے کی دھمکی مل چکی تھی اس لئے اس موقعہ پر اس کی طرف خیال ضرور ئے گا۔"

"تو پھر ہم کس کے پیچھے ہیں۔"

"اس کے.... جو کینیڈا بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ حملہ رنے ملازم رکھنے کے جس طریقہ کا تذکرہ کیا تھا وہی طریقہ وہ آدمی بھی اختیار کرتا ہے۔"

"اور وہی آدمی بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر اُس عمارت میں بھی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ سر سجاد کو قتل رادینے کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔"

"آہا ٹھہریئے.... وہ تو ہوشیار ہو ہی گیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد زندہ ہے۔ وہ سوچے گا کہ

قتل تو اس نے کرایا مگر لاش کس نے غائب کر دی! نہیں جناب وہ اتنا بدھو تو نہیں ہو سکتا۔ معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسے حالات میں یہ ضرور سوچے گا کہ کہیں اس کے لئے جال تو نہیں بچھایا گیا۔ آپ خود سوچئے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ پچھلی رات اس عمارت کے آس پاس پایا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "آپ کسی دوسرے آدمی کے امکانات کی بھی بات کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے آنکھیں بھی بند کر لیتے ہیں۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ ممکن ہے قاتل وہ نہ رہا ہو جس نے قتل کی دھمکی دی تھی۔ یعنی وہی آدمی جو عمارت خریدنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے پچھلی رات وہی رہا ہو۔"

"وہ آدمی بھی اس عمارت میں دلچسپی لے سکتا ہے جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ کیا وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین نہ ہوگا کہ لاش کس نے غائب کرائی.... اور کیوں؟"

"قدرتی بات ہے۔"

"بس تو پھر وہ محتاط ہو جانے کے باوجود بھی غلطیاں کرے گا۔ اگر وہ اُسے کسی قسم کا جال سمجھا ہے تب بھی یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ یہ جال پولیس نے بچھایا ہے یا کسی....!"

فریدی جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ اب اس مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔

"آپ نے میجر سعید کو بھی چیک کیا یا نہیں۔"

"ہاں.... آں۔ اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ وہ کتوں کا بڑا اچھا ٹریز بھی ہے۔ اس کے پاس کئی اچھی نسل کے کتے بھی ہیں لیکن تم اس کے یہاں سے کوئی ایسا کتا برآمد نہیں کر سکو گے جس کا رنگ سیاہ ہو۔"

"اوہ.... تو آپ شبہ کر رہے ہیں اُس پر۔"

"کسی کیس کے دوران میں صرف شبہات ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور سنو میجر سعید کا ماضی بھی داغدار ہے۔ ابھی تک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ اُس نے کبھی فوج میں ملازمت کی ہو۔"

"اور اس غلط بیانی کے باوجود بھی وہ آزادانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ اس کا تعلق فوج سے نہ رہا ہوگا۔ یہ تو میری دریافت ہے۔"

"پھر ادھر اُدھر جھک مارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے، اسی پر نظر رکھی جائے۔"

"ادھر اُدھر جھک مارے بغیر اُس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچائے جا سکتے۔"

"تو خصوصیت سے اُسی پر نظر ہے۔"

"نہیں.... اور بھی ہیں۔ تمہارا یہ مشورہ بھی قبول کر لیا گیا ہے کہ رضوانہ کے امیدواروں پر بھی نظر رکھی جائے۔ لیکن بنیادی چیز ہے کینیڈا بینک کی ڈکیتی۔ سر سجاد کا قتل نہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"فی الحال دولت آباد کا ایک ریستوران منزل ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کے کچھ نہ کچھ آدمی یقینی طور پر آپ کی نظروں میں ہیں۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"تو پھر وہ بھی اُسی طرح ختم کر دیئے جائیں گے جیسے آپ کو ڈکیتی کی اطلاع دینے والا ختم کیا گیا تھا۔"

"اگر اب تک ختم نہیں کئے گئے تو تم اسے کیا سمجھو گے؟"

"یہی کہ وہ نہیں سمجھتا کہ آپ اُن کے ذریعہ اس تک پہنچ سکیں گے۔"

"پھر اس آدمی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... وہ شاید اُس تک پہنچنے میں مدد دے سکتا؟" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ خیال بھی درست ہی ثابت ہو۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سر سجاد کہاں ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"شہر ہی والی کوٹھی میں۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔"

"ابھی حال ہی میں رضوانہ نے ایک نیا ملازم رکھا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ظاہر ہے کہ تم ملازمین کو کیوں گھورنے لگے۔"

"ملازم....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں.... آں! اس نے کہا تھا کہ وہ رضوانہ سے قریب ہی رہنا چاہتا ہے، اس لئے مجھے اس کے چہرے پر خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ تم اسے قریب سے دیکھنے پر بھی پہچان نہ سکو گے۔"

"آخر وہ رضوانہ پر خود کو ظاہر کیوں نہیں کر دیتا۔"

"اس صورت میں وہ مغموم نہ رہ سکے گی۔ سر سجاد خود ہی اس پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پھر سن لو کہ میں نے یہ دردِ سر محض اس آدمی کے لئے مول لیا ہے جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔"

"اس سلسلے میں یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ وہ سر سجاد سے کیوں پرخاش رکھتا ہے.... آہا ٹھہریئے.... دیکھئے.... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے! سر سجاد تو بظاہر مر ہی چکا ہے، اب اس عمارت کو فروخت کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے! بلکہ طریق کار کی حیثیت سے نیلام زیادہ سود مند ثابت ہوگا۔ سب سے اونچی بولی لگانے والے پر نظر رکھی جائے۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ خود ہی بولی لگانے دوڑا آئے گا جب کہ اس کا پورا گروہ اس کام کے لئے موجود ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کیا صورت ہو سکے گی۔"

"چھوڑو...." فریدی گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے فٹ پاتھ سے لگاتا ہوا بولا۔ "بس اتر جاؤ، وہ سامنے ہے لکی بار اینڈ ریستوران! کاؤنٹر پر تمہیں ایک ایسی ہی لڑکی نظر آئے گی جسے دیکھ کر جی خوش ہو جائے گا۔ اس سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

"اگر اسی طرح ڈیوٹیاں بدلتی رہیں تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" حمید خوش ہو کر گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

فریدی نے کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ حمید چند لمحے وہیں کھڑا ریستوران کے سائین بورڈ کو گھورتا رہا پھر آہستہ سے آگے بڑھا۔

وہ جیسے ہی ریستوران میں داخل ہوا اس کی کھوپڑی ناچ گئی۔ کیونکہ کاؤنٹر پر اُسے ایک بدشکل بوڑھی عورت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دل ہی دل میں فریدی کو ہزاروں سنائیں اور پھر یک بیک تہیہ کیا کہ اب اسے زچ ہی کر ڈالے گا۔ اگر اس بوڑھی عورت سے والہانہ عشق کر کے

شہر میں بدنام نہ ہوا تو کچھ بھی نہ کیا۔



لڑکی نے اسے دور سے دیکھا تھا اور پھر اپنی رفتار اتنی تیز کر دی تھی کہ ذرا ہی سی دیر میں کر رہ گئی۔ لیکن بالآخر اس تک پہنچ کر ہی دم لیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کیفے میں داخل ہو رہا وہ ایسا ہی معمولی سا کیفے تھا جہاں اُس جیسی ٹپ ٹاپ لڑکیاں جھانکنا بھی پسند نہ کرتیں۔ مگر وہ اندر چلی گئی۔ نہ جانے کتنی تحیر زدہ سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ لیکن وہ ماحول سے پروا اس کے پیچھے بڑھتی رہی۔ اس نے ایک خالی میز منتخب کی اور بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ی طرف پہنچ کر لڑکی نے بھی کرسی کھسکائی اور وہ چونک کر اسے گھورنے لگا۔

لڑکی مسکرائی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

"یہاں میں تمہاری جیب کاٹوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ....!" وہ بھی جواباً مسکرا لیا۔

"بلاؤں پولیس کو۔ سامنے ہی ڈیوٹی کانسٹیبل موجود ہے۔"

"بلا لو....!" اجنبی نے لاپروائی سے کہا۔ گفتگو اتنی آہستگی سے ہو رہی تھی کہ آس پاس لے آوازیں تو سن سکتے لیکن کچھ سمجھ نہ سکتے۔

"تین چار دن ہوئے تم نے میرے پرس سے ٹافیاں نکالی تھیں۔" لڑکی نے کہا۔

"میں تمہارے جسم سے روح نکال سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہوں.... شاید اسی لئے تمہارا نام ایک قتل کے سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔" لڑکی کی مسکراہٹ آلود ہوتے ہوئے بھی خاصی دلکش تھی۔

"بکواس ہے۔ میں نے اس کی میز پر کھانا ضرور کھایا لیکن.... قتل! ارے قتل تو میں اُسے وقت بھی کر سکتا تھا جب پیٹ بھر کر رخصت ہو رہا تھا۔"

"مگر نام تو لیا جا رہا ہے۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"

"پولیس میری جیب میں رکھی رہتی ہے۔ چلو چائے منگواؤ میرے پیسے بچے۔"

لڑکی نے بیرے کو اشارے سے بلا کر چائے کے لئے کہا اور لٹیرے کی طرف دیکھ دیکھ کر راتی رہی۔

"اس مسکراہٹ کا مطلب.....!" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ "اوہ..... سمجھا تم شاید پولیس سے تعلق رکھتی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مجھے زندہ گرفتار کرنے والا آج تک پیدا ہونے کی کوشش تو کر رہا ہے لیکن ہو نہیں چکتا۔"

"بڑے جیالے ہو۔"

"دیکھ ہی رہی ہو کہ اس شہر پر میرا راج ہے۔"

"ہاں دیکھ رہی ہوں! کیا تمہاری پشت پر کوئی قوت ہے۔"

"میں خود ہی ایک بہت بڑی قوت ہوں لڑکی! تم میری توہین کر رہی ہو۔"

"تم آخر خود کو خطرات میں کیوں ڈالتے ہو جبکہ کوئی بڑا فائدہ بھی نہیں اٹھاتے۔"

"کھانا ہضم کرنے کے لئے میں خود کو خطرات میں ڈالنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کھانے کے بعد چہل قدمی کرنے والے تمہاری نظروں سے بھی گذرے ہوں گے۔ مقصد کھانا ہضم کرنا ہوا ہے اسی طرح خطرات میں پڑنا ہی میری تندرستی کا ضامن ہے۔"

"ہاں.... اتنا تندرست تو ہونا ہی چاہئے کہ پھانسی کا پھندا بہ آسانی لگ سکے۔"

"کیا میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"کیا فائدہ ہوگا اس سے؟"

"تیسری بار ملاقات نہ ہو سکے گی۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی سے دوسری ملاقات بھی ہو۔"

"اگر دوسری یا تیسری بار پرس میں صرف ٹافیاں ہی ٹافیاں ہوں تو۔"

ویٹر چائے لایا اور وہ خاموش ہو گئے۔ لوگ اب بھی اُن دونوں کو گھورے جا رہے تھے۔

لڑکی نے پیالیاں سیدھی کیں اور چائے بنانے لگی۔ لٹیرے نے سگریٹ سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں صرف ایک چمچہ شکر پیتا ہوں۔"

"عادتیں تو شریفوں ہی کی سی ہیں۔" لڑکی بولی۔

"تم میرا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ کہیں میں تھپڑ نہ رسید کر دوں۔"

"یہ ہوئی کمینہ پن کی بات! ویسے میں بھی تمہاری ہی طرح کریک ہوں۔ تھپڑ کھانے کے بعد شاید میں تمہارے سر پر چائے دانی توڑ دوں۔"

"اوہو..... کیا واقعی۔" لٹیرے نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"شہر کی بہتیری لڑکیاں تمہارے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں۔ مگر میں اُن میں سے نہیں ہوں۔"

"میرے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں.... لڑکیاں۔" لٹیرے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.... ہاں.... وہ لٹنے ہی کے لئے سرشام گھروں سے نکل آتی ہیں اور ان کے ہینڈ بیگ بں اور چوکلیٹ کے پیکٹوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لیکن تمہیں میرے پرس میں اعشاریہ دو پانچ کا زل ملے گا۔"

"خوب.....! لیکن تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔"

"غلط سمجھے۔ میں تمہیں اپنے متعلق بتا رہی تھی جانتی ہوں کہ تم مرعوب ہونے والوں میں نہیں ہو۔ لیکن کیا تم اپنا وقت برباد نہیں کر رہے ہو۔ ان حرکتوں سے کیا فائدہ جو تم کرتے پھر ہے ہو۔"

"اپنے معاملات میں خوب سمجھتا ہوں۔"

"کسی حد تک میں بھی سمجھتی ہوں۔" لڑکی مسکرائی۔ "تمہارا طریق کار سائنٹیفک ہے۔ تم نے ں کی ہمدردیاں بھی حاصل کی ہیں۔ اب اسی معاملے میں دیکھ لو۔ سر سجاد قتل کر دیا گیا۔ تم پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن بہتیرے لوگ تمہاری طرفداری کر رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض اخبارات اس مہم میں شریک ہو گئے ہیں۔"

"کیوں کان کھا رہی ہو میرے۔ اگر مجھے گرفتار کرانا چاہتی ہو تو یہیں اسی جگہ کوشش کر کے ہ لو۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کوئی جال بچھاؤ گی میرے لئے۔" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"پھر غلط سمجھے! حالات ہی ایسے ہیں کہ میں پولیس سے مدد نہیں لے سکتی۔"

"کیا بات ہے۔"

"مجھے ایک بلیک میلر کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔"

"ہوں! کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ میں نے صرف ایک بار اس کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ سر سے پیر سیاہ تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آتی تھی اور اُس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔

وہ مجھے بلیک میل کر کے مجھ سے بعض غیر قانونی کام کرانا چاہتا ہے۔ ابھی کل ہی مجھے اس کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ میں سر سجاد کی لڑکی رضوانہ سے دوستی پیدا کروں۔"

لٹیرے کی انگلیاں میز پر اس طرح چل رہی تھی جیسے ٹائپ رائٹر پر چلتی ہیں۔

ناکامی

لڑکی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ سر اٹھا کر بولا۔ "کیا تم مجھے اسی آدمی کی کہانی سناؤ گی جس کی سر سجاد کے قاتل نے سنائی تھی۔"

"ہو سکتا ہے! وہی ہو وہ مجھ سے صرف ایک بار ملا ہے۔ یہ پچھلی رات کی بات ہے ورنہ اس سے پہلے تو مجھے اپنے فلیٹ میں کسی نہ کسی جگہ اُس کے خطوط ملتے رہے ہیں۔"

"ارے وہ پیغام رساں کتا کہاں مر گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتی! مجھے کسی کتے کے ذریعہ کبھی اس کے خطوط نہیں ملے۔"

"بہر حال وہ خطوط یقینی طور پر ٹائپ میں ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں.... ہاتھ کی تحریر۔"

"بڑا گدھا معلوم ہوتا ہے یہ آدمی بھی۔"

"کیوں؟"

"کام کرنے کا طریقہ تو اتنا عقلمندانہ ہے، لیکن وہ احمق بھی ہے کہ اپنی تحریریں تقسیم کرتا پھرتا ہے تاکہ کبھی نہ کبھی ضرور پکڑا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات تو ہے۔ اس نے کبھی مجھے اس پر مجبور نہیں کیا کہ اس کی تحریریں تلف کر دی جائیں۔"

"چائے پی چکیں تم۔" لٹیرے نے پوچھا۔

"ہاں.... آں....!"

"تو بس قیمت ادا کرو اور چپ چاپ چلی جاؤ۔ سر سجاد کو قتل کرانے والا مجھے بھی پھانسنا چاہتا

ہے اور سنو! تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں بھی اسی کے گرگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"میں بھی انہیں لوگوں میں سے ہوں، جو تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔"

"یہ اور بات ہے لیکن....!" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا تو تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"

"مجھے اس سے چھٹکارہ پانے میں مدد دو۔ ابھی تک میں اس کے لئے چھوٹے موٹے کام کرتی رہی ہوں۔ مگر یہ قتل کا معاملہ ہے۔ آخر وہ مجھے سر سجاد کی لڑکی سے دوستی کرنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔ میں پولیس کی مدد بھی لے سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں مجھے دوسرے معاملات میں بھی الجھا لیا جائے گا۔ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ وہ مجھے کس سلسلہ میں بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اور میں تم سے یہ پوچھ نہیں سکتا۔ کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"تمہیں بتا دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"میں نہیں معلوم کرنا چاہتا۔"

"پھر بتاؤ.... دو گے سہارا۔"

"سوال یہ ہے کہ میں اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ ایک بار بھی ٹکرا جائے تو پھر دیکھو۔"

"بڑی مصیبت ہے تو پھر میں کیا کروں۔"

"سر سجاد کے قاتل کے بیان کے مطابق وہ کافی باخبر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وہ ہمارے حالات سے بے خبر ہو گا۔"

"تبھی تو بلیک میل کر رہا ہے۔"

"احمق! سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ اس سے بے خبر ہی رہے گا کہ تم مجھ سے مل بیٹھی ہو۔"

یک بیک لڑکی خوفزدہ نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُس کے رگوں سے ان کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا ہو۔ لٹیرا اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی چند لمحے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی پھر ادھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے تم سے اس طرح نہ ملنا چاہئے تھا.... اُوہ.... اب کیا ہو گا۔"

"لیکن ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم اسے کیسے ہو سکے گا۔" لٹیرے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا جانوں! تم نے ہی یہ سوال اٹھایا تھا۔ تم ہی جواب دو۔"

"چلو کوئی بات نہیں! اگر تم اس دوران میں قتل کر دی گئیں تو جواب مل ہی جائے گا۔"

"قتل.... نہیں۔" لڑکی کانپ گئی۔

"اوہ.... ہو....!" یک بیک لٹیرا ایک جانب جھک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لڑکی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک اسمارٹ قسم کا وجیہہ نوجوان ریستوران میں داخل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پلکیں جھپکائیں اور پھر لٹیرے کی طرف دیکھنے لگی۔

نوجوان نے شاید اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ لڑکی نے اس کی آواز سنی۔ وہ پرنس ہنری کی تمباکو طلب کر رہا تھا۔

لٹیرا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ لڑکی نے پھر کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے مڑا تھا۔ اب لڑکی کو احساس ہوا کہ اس دوران میں دوسر آدمی لٹیرے کی شکل دیکھ لینے میں کامیاب ہوا ہوگا۔ کاؤنٹر کی دونوں جانب لمبے لمبے آئینے لگے ہوئے تھے۔

لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ شائد وہ اس دوسرے آدمی کو پہچانتی تھی، جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا۔

اس نے کاؤنٹر ہی پر جا کر بل ادا کیا اور تیزی سے باہر نکلی۔ لیکن یہاں معمول کے خلاف کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ سڑک پر ٹریفک کا نظام بدستور برقرار تھا۔ آس پاس کہیں بھی کسی قسم کی ابتر نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ لٹیرا صاف نکل گیا۔

وہ اس طرف چل پڑی جہاں اپنی ٹوسیٹر چھوڑی تھی۔ لیکن ٹوسیٹر میں بیٹھنے سے پہلے ہی اُ خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ نوجوان جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا، تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔

لڑکی نے انجن اسٹارٹ کیا اور اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ٹوسیٹر حرکت میں آ گئی۔

پھر تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد اُسے ایک چوراہے پر رکنا پڑا۔ اس کے پیچھے کاروں او دوسری گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ

گئے، پھر وہ جلدی سے آٹومیٹک سگنل کی طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر تھی۔ ایک بار پھر مڑنا پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیکسی نظر آئی.... اور اس نے داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے بائیں سے وینٹی بیگ کھول ڈالا۔

وینٹی بیگ سے ایک کیمرہ نما ٹرانسمیٹر نکال کر اُسے منہ کے قریب لے جاتی ہوئی بولی۔

"تھری سکس.... تھری سکس اسپیکنگ.... ہلو ہلو.... ہلو۔" ٹرانسمیٹر کے ڈائیل کے گوشے پر نقطے کی شکل میں ایک سبز روشنی نظر آتے ہی اُس نے اسے ایک کان سے لگا لیا۔ شاید دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتی رہی۔ پھر اُسے دوبارہ منہ کے قریب لا کر بولی۔

"کیپٹن حمید میرا تعاقب کر رہا ہے۔ کھیل بگڑ گیا۔ آج وہ مل گیا تھا۔ میں اسے شیشے میں اتار رہی تھی کہ وہ کم بخت آ ٹپکا۔ وہ تو نکل گیا لیکن اب وہ میرے پیچھے ہے۔"

وہ ٹرانسمیٹر کو پھر کان کے قریب لے گئی۔



حمید نے محسوس کیا کہ ٹوسیٹر کی رفتار کم ہو گئی ہے۔ اُس نے ڈرائیور کو بھی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی اور مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے بھی ایک کار تھی۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی رفتار بھی کم کی گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ پیچھے والی گاڑی کو نکل جانے کا موقع دے۔ ٹیکسی سڑک کے بائیں کنارے سے لگ کر چلنے لگی۔ اس طرح پچھلی گاڑی کے آگے نکل جانے کے لئے کافی جگہ بچ رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ گاڑی قریب سے نکلی حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ پچھلی سیٹ پر اُسے لکی بار کی وہی بڑھیا مالکہ نظر آئی تھی جس سے وہ پچھلے تین دنوں سے عشق کرتا رہا تھا اور بمشکل تمام اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا تھا کہ اگر وہ بھی جواباً اس سے عشق نہیں کرے گی تو وہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لے گا۔

فریدی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اس سے جان پہچان پیدا کرے۔ لیکن حمید جھلاہٹ میں عشق ہی کر بیٹھا تھا۔ حمید ہی ٹھہرا۔ کھوپڑی یا تو بالکل سیدھی چلے گی یا اتنی الٹی چلے گی کہ کسی صورت سے کھوپڑی ہی نہ معلوم ہو سکے۔

مگر اب اس وقت افتادِ طبع پھانسی کے پھندے کی طرح گردن میں آپڑی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت یہ بُری طرح حارج ہو گی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس طرح رکی کہ ٹوسیٹر کی ڈرائیور کو بھی رک ہی جانے میں عافیت نظر آئی۔

"روک دو....!" حمید نے اپنے ڈرائیور سے کہا اگلی دونوں گاڑیاں کچھ اس انداز میں رکی تھیں کہ آگے نکل جانے کا امکان ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ حمید ایسی حماقت نہ کرتا۔

بڑھیا گاڑی سے اتر رہی تھی۔ ٹوسیٹر والی نے اسکے ڈرائیور کو للکارا۔ "گاڑی ہٹاؤ راستے سے۔"

اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"میں قانون کے نام پر تم سے اس لٹیرے کا پتہ پوچھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب.... آپ کون ہیں۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ اس لٹیرے کو قانون کے حوالے کرنے میں مدد کرے۔"

"میں نہیں جانتی آپ کس لٹیرے کی بات کر رہے ہیں۔"

"ارے یہ خود لٹیرا ہے۔" بڑھیا قریب آکر دہاڑی۔ "مکار فریبی۔"

لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"جاؤ تم.... یہ اسی طرح لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر کے انہیں پھانستا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہی ہو۔ خاموش رہو۔" حمید کو غصہ آگیا۔

اتنے میں ڈرائیور نے گاڑی کا رخ بدل دیا.... اور لڑکی نے اپنی ٹوسیٹر کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"میں کہتا ہوں ٹھہرو....!" حمید دہاڑا۔

"اتنے ہی نامعقول معلوم ہوتے ہو کہ والدہ محترمہ ہر وقت پیچھے لگی رہتی ہیں۔ شرم کرو۔" لڑکی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

پھر ٹوسیٹر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید کھڑا سر سہلاتا رہ گیا۔ ویسے اس نے گاڑی کے نمبر تو ذہن نشین کر ہی لئے تھے یہ اور بات ہے کہ اب اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات ہونے کے امکانات نہ رہ گئے ہوں۔

"اوہ....!" وہ یک بیک چونک پڑا۔ "ناممکن.... وہ اس طرح نہیں جا سکتی۔"

پھر اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بڑھیا بڑی پھرتی سے جھپٹ کر راہ میں حائل ہو گئی۔

"ہٹو.... سامنے سے۔"

"ارے واہ....!" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ہوش ٹھکانے ہیں یا نہیں! تم مجھ سے ایسی باتیں کرتے رہے تھے۔"

"میں زندگی بھر تم سے ویسی ہی باتیں کرتا رہوں گا مگر اس وقت ہٹ جاؤ۔"

"یہ دیدہ دلیری.... تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

"بڑوں کا کہنا مانتے ہیں صاحب۔" حمید کے ڈرائیور نے ہنس کر کہا۔

"تم مضحکہ اڑا رہی ہو میرا اور اپنا....!" حمید آنکھیں نکال کر آہستہ سے بولا۔

"میں سارے زمانے میں چیختی پھروں گی تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"پھر کروں گا! تم نہیں جانتیں! اوہ.... اب تو پتہ نہیں وہ کہاں پہنچی ہو گی۔"

"ارے پھر اسی کی باتیں! تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور ہنس رہے تھے۔

"پگلی ڈارلنگ سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ کوئی شریف لڑکی نہیں تھی۔"

"شریف ہی ہوتی تو تمہیں گولی کیوں نہ ماردیتی۔ اُف فوہ! یعنی تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ شریف لڑکی نہیں ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس کے پیچھے جانے دوں گی۔ یعنی غیر شریف کے ساتھ تم رنگ رلیاں مناتے پھرو گے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ اُف فوہ....!"

"اُف فوہ....!" حمید نے جھلاہٹ میں دانت نکالے۔ پھر سنبھل گیا۔ غصہ اس مصیبت سے نہ دلا سکتا بلکہ بات بڑھتی ہی رہتی اور دونوں ڈرائیور ہنستے رہتے۔ اُس کی زبان سے کہیں لفظ ماں نکل گیا تھا اس پر وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے اور اب ایک نمایاں دلچسپی کے ساتھ انکی طرف متوجہ تھے۔ ہو سکتا ہے پہلے وہ بھی اسے ماں ہی سمجھے ہوں۔

"اچھا.... چلو.... واپس چلتے ہیں۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ اب اُسے فریدی پر تاؤ آیا۔

"میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گی۔ اس گاڑی کا کرایہ ادا کر دو۔"

"اب کرایہ بھی میں ہی ادا کروں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

وہ تو ادا ہی کرنا پڑا۔ یہی کیا کم تھا کہ اس طرح ہنسنے والوں میں سے ایک ہی رہ جاتا۔

ٹیکسی پھر شہر کی طرف واپس ہوئی۔ لڑکی غالباً تار جام گئی تھی۔ حمید کا یہی اندازہ تھا۔

"اب.... آج میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھیا ٹھنک کر بولی۔

"میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"یہی کہ یہ دنیا بڑی واہیات جگہ ہے۔ کیوں نہ ہم دونوں خودکشی کرلیں۔ اس طرح دوسری دنیا میں پہنچ کر تم ہوٹل کھول لینا اور میں جوتے گانٹھوں گا۔ دونوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتی.... ہاں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھیا نے جھلا کر کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں دیکھوں گی اب۔ تمہاری باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ یقین کرو.... دیکھو بیلی.... مجھ پر بعض اوقات دورے پڑتے ہیں، پچھلے دنوں میں ایک بھینس خرید لایا تھا اور اُسے بڑے پیار سے دردانہ بیگم کہا کرتا تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"بھینس کا مطلب بتاؤں یا دردانہ بیگم کا۔"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔" بڑھیا بپھر گئی۔ "آخر تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"باتیں کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں، خواہ وہ کسی قسم کی ہوں۔ اب کیا بتاؤں! میں نے تو یہ سوچا تھا کہ جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔ مگر تم نے سنا تھا کیا کہا تھا اس لڑکی نے۔"

"وہ حرافہ کیوں نہ کہتی۔"

"حرافہ....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"

"تم بدمعاش ہو۔" وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"کیا میں تمہیں اپنے ان پڑوسیوں سے ملادوں، جو آئے دن مجھے پاگل خانے بھجوا دینے کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔"

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اب یہ بڑھیا خاموش ہی رہے تو بہتر ہے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ پڑی سے باہر ہو کر کوئی اور حماقت کر بیٹھتا۔ آخر اس سے دوستی پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اس ں میں شروع سے اب تک اُسے ایسی ہی الٹی سیدھی ڈیوٹیاں ملتی رہی تھیں۔ کبھی کسی غمزدہ ی کا دل بہلاؤ اور کبھی ہزاروں لڑکیوں کی والدہ محترمہ سے راہ و رسم بڑھاؤ۔ دوسری طرف زیدی بظاہر جیسے غیر اہم لوگ اس آدمی سے ٹکراتے پھر رہے تھے جس نے خود فریدی کو چکرا کر رکھ اتھا۔ کھیل شروع ہوا تھا بینک کی ڈکیتی سے جس کی اطلاع فریدی کو پہلے ہی مل گئی تھی۔ اطلاع نے والا ڈکیتی سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہزار احتیاط کے باوجود بھی بینک لٹ ہی گیا۔ پھر یدی غائب۔ موت تک کی قیاس آرائیاں ہو گئیں۔ لیکن وہ حضرت اس غیر اہم آدمی کی فکر میں ے، جو لڑکیوں کے بٹوؤں سے ٹافیاں جھپٹتا پھرتا تھا۔ پھر سر سجاد کے قتل کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ں میں اس لٹیرے کا نام بھی شامل تھا؟ اب سر سجاد اپنی ہی کوٹھی میں ملازموں کے فرائض انجام ے رہا ہے۔ اس کی لڑکی دن رات بسورتی رہتی ہے۔ لیکن یہ رونا بسورنا بناوٹ نہیں ہو سکتا۔ یدان دنوں اسے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ سر سجاد نے حقیقتاً خود کو ں پر ظاہر نہیں کیا۔ بیٹی اس کی موت پر آنسو بہاتی رہتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اسے حقیقت سے گاہ نہیں کرسکتا۔ وہ عمارت جسے وہ قتل کی دھمکی کے باوجود بھی فروخت کرنے پر تیار نہیں تھا، ب کیسے چھوڑ دی گئی۔

عمارت کسی قدیم عمارت کے کھنڈروں پر تعمیر کی گئی تھی اس لئے خزانے وغیرہ کا بھی چکر ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر اُسے اس کا یقین ہوتا تو وہ کم از کم اُس سے تو چمٹا ہی رہنا چاہتا۔ خود اس نے اس عمارت کی اہمیت پر ذرہ برابر بھی روشنی نہیں ڈالی تھی۔

فریدی نے اس کی دانست میں عمارت کی نگرانی اسی لئے شروع کرائی تھی کہ سر سجاد کے قتل کی خبر شائع ہونے کے بعد سے کوئی وہاں دیکھا جاتا رہا تھا۔ فریدی پر کتے کا حملہ اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کافی تھا کہ وہ آدمی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا لیکن وہ کوئی ایسا ہی اہم معاملہ تھا کہ اس نے اس کے سلسلے میں اپنے آدمیوں سے کام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہ اہم معاملہ کیا ہو سکتا تھا؟ یا تو اسے اس کی فکر تھی کہ سر سجاد کی لاش کس نے غائب کر دی

یا پھر اس عمارت میں کسی اور چیز کی تلاش تھی اور وہی چیز سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرانے کا باعث بھی بنی ہوگی۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" یک بیک بڑھیا نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔

"بھوں....!" حمید کتے کی طرح بھونکا اور وہ بوکھلا کر دوسری طرف کھسک گئی۔

اس وقت اس کی ذہنی حالت ایسی ہی تھی کہ اپنی اس بچکانہ حرکت پر ذرہ برابر بھی شرمندہ نہیں محسوس ہوسکتی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کہانی میں تمہیں کہاں فٹ کروں؟"

"کیسی کہانی....؟"

"اگر لیلیٰ کی ماں کی شادی.... مجنوں کے ابا سے ہوئی ہوتی تو پھر وہ کہانی کیسے جنم لیتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

حمید ہارن کی آواز سن کر چونک پڑا۔ پیچھے شائد کوئی گاڑی تھی۔ وہ مڑا.... تھوڑے فاصلے پر وہی ٹوسیٹر نظر آئی جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ اس طرف آیا تھا۔

"راستہ دو....!" حمید نے ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کر لی۔ ٹوسیٹر ا ٹیکسی کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

"ذرا ٹھہریئے....!" ڈرائیو کرنے والی لڑکی نے کہا۔

"ارے.... خدا غارت کرے تمہیں حرافہ۔" بڑھیا کلکلائی اور حمید نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ وہ بھی شاید دوبارہ اس جھگڑے سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا اس لئے بڑھیا کے چنگھاڑنے کے باوجود بھی اس نے گاڑی روک ہی دی۔

حمید بڑی تیزی سے نیچے اتر آیا۔ ٹوسیٹر بھی رک گئی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا لیکن یہ سوچتی رہی تھی کہ کہاں دیکھا ہے آپ کو آپ کیپٹن حمید ہیں نا! پچھلے سال آپ نے رائفل کلب کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔"

"ہوں! تو اب آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"وہ لٹیرا مجھے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ یہ میری اُس سے دوسری

اقات تھی۔ کچھ دن ہوئے اس نے میرے پرس پر بھی ہاتھ صاف کیا تھا۔"

"لیکن تم شہر سے باہر کیوں نکل بھاگی تھیں۔"

"روز ہی آتی ہوں ادھر ہوا خوری کے لئے۔"

"ارے ہو چکیں باتیں....!" بڑھیا ٹیکسی سے دہاڑی! وہ نیچے نہیں اتری تھی۔

"والدہ صاحبہ بڑی خونخوار معلوم ہوتی ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ میرے پڑوس کی ایک پاگل عورت ہے، اسے وہم ہو گیا ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں! ں تمہارا نام اور پتہ۔" حمید نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی سے نام اور پتہ ر کیا۔ پھر ٹوسیٹر آگے بڑھ گئی اور حمید نے سڑک کے نشیب میں چھلانگ لگائی۔ وہ پوری قوت ے کچے راستے پر دوڑ رہا تھا.... تین میل.... اس نے سوچا اس جہنمی بلی سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ تین میل بُرے نہیں رہیں گے۔ خواہ شہر پہنچتے پہنچتے دم ہی کیوں نہ نکل جائے۔

لٹیرا

"بس اب آرام کرو۔ تمہارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تمام ہو چکا ہے! فرمایئے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس بڑھیا کا کیا چکر تھا۔"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے حماقتیں روع کر دیں۔"

"میں تو ابھی قبروں سے مردے اکھاڑ اکھاڑ کر اُن سے بھی دوستی پیدا کرتا پھروں گا۔ خدا پ کے اس سائنٹیفک طریق کار کو ترقی دے۔" حمید جل کر بولا۔

"ہاں تو.... وہ لٹیرا تمہیں پھر جھکائی دے گیا۔" فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

"جہنم میں گیا وہ لٹیرا.... مجھے اس بڑھیا کا علاج بتایئے۔"

"خطرناک عورت ہے بیچ سڑک پر گریبان پکڑ لینے والی! اچھا ہے بھگتو! شاید اسی طرح بچپنا رخصت ہو سکے۔ میں تو تھک ہار چکا ہوں۔"

"میں پوچھتا ہوں! مقصد کیا تھا وہاں بھیجنے کا۔"

"محض یہ ظاہر کرنا کہ ہم جاگ رہے ہیں۔ تم ریستوران کو کیا سمجھتے ہو! وہ بھی ایک اڈہ ہے اس آدمی کے گرگوں کا۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ تو نتائج ظاہر ہونے کے بعد ہی نظر آئے گا۔ فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔"

"تو اب میں وہاں نہ جاؤں۔"

"اگر تم جانا چاہو تو تمہیں روکے گا کون! یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"میجر سعید کے لئے کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہاری دانست میں کیا ہونا چاہئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کوئی ایسی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ سر سجاد کی موت کا خواہاں ہو جائے۔"

"کئی وجوہات موجود ہیں۔ مشترکہ بزنس کے کاغذات مشتبہ ہیں۔ اُن کی تحریر کچھ اس قسم کی ہے کہ مشترکہ بزنس ایک پارٹنر کی موت کے بعد سارا کا سارا دوسرے پارٹنر کی طرف منتقل ہو جائے گا اور مرنے والے پارٹنر کے ورثاء اس میں سے ایک حبہ کے بھی حقدار نہ ہوں گے۔"

"اس قسم کے معاہدے آج تک سننے میں آئے۔"

"مگر اسے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ قاتلانہ حملہ اُسی نے کرایا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مجرم کے سلسلے میں سراغ رسانی سے زیادہ دعا تعویز مفید رہے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا آدھ کھلی آنکھوں سے گہرے تفکر کے آثار مترشح تھے۔

اتنے میں ملازم شام کے اخبارات لایا اور انہیں میز پر رکھ کر چلا گیا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ایک اخبار اٹھایا.... اور پھر شائد وہ پہلی ہی سرخی تھی جس پر نظر پڑتے ہی اس کی آدھ کھلی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ....!" اُس نے اخبار چھوڑ کر کرسی کے ہتھے مضبوطی سے جکڑ لئے۔ چہرے پر طیش کے آثار تھے۔ حمید بوکھلا کر اُسے گھورنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی فون کی طرف جھپٹا۔

اس نے تیزی سے کسی کے نمبر رنگ کئے اور ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "ایس۔ پی صاحب ہیں۔ نہیں اطلاع دیجئے کہ فون پر فریدی ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔

جی ہاں! شام کا کرائم رپورٹ دیکھا آپ نے.... لٹیرے کے متعلق ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی من و عن چھاپ دی گئی ہے.... جی ہاں! دیکھئے اس لئے میں کسی کیس کی تفتیش کے دوران اپنی زبان زیادہ تر بند ہی رکھتا ہوں۔ آپ نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا کہ میں آپ کو حالات سے بے خبر نہ رکھا کروں.... آپ دیکھئے تو اس میں پوری تفصیل موجود ہے.... آپ صرف متحیر ہوتے رہیں گے اور مجھے استعفیٰ پیش کر دینا پڑے گا.... سنئے میں ابھی اور اسی وقت آپ کے دفتر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں.... جی ہاں! یہ بہت ضروری ہے.... آپ نے اپنے دفتر ہی میں مجھ سے اسکے متعلق گفتگو کی تھی اور وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ میں آرہا ہوں۔"

فریدی نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔ اُس کا موڈ بہت خراب نظر آرہا تھا۔

"کیا قصہ ہے....!"

فریدی نے کرائم رپورٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ایک ایسا راز ظاہر ہو گیا ہے کہ اب مجرم کے ہاتھ آنے کی توقع نہیں رہی۔ اگر کسی طرح گرفت میں آ بھی جائے تو ہم اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کرسکیں گے۔ چلو.... جلدی کرو۔ میں ایس۔ پی کے آفس کی تلاشی لوں گا

آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"خاموش رہو! چلو کسے کسے سمجھاتا پھروں۔ بعض اوقات دماغ کی چولیں تک ہل کر رہ جاتی ہیں۔"

حمید حیرت سے پلکیں جھپکاتا رہا۔

بہر حال اُس نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اتنے شدید غصے میں اس نے اسے شاذونادر ہی دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی کار محکمہ سراغ رسانی کے دفاتر کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایس۔ پی کا بنگلہ یہاں سے قریب ہی تھا اس لئے وہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ میرے دفتر کی تلاشی کیوں لیں گے۔" اس نے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ آپ کی لاعلمی میں کوئی آپ کے پروگراموں سے واقف ہوتا رہتا ہے۔"

"کیا دیکھیں گے آپ....!"

"ایک بار پہلے بھی انہیں دفاتر سے ڈکٹافون برآمد کر چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

ایس۔پی کا آفس کھلوایا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"وہم بہت بُری بیماری ہے۔" ایس۔پی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ہمارے پیشے میں اسے فنی ضرورت بھی کہتے ہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

"کرائم رپورٹ کو یہ خبر کن ذرائع سے ملی تھی؟ یہ بھی معلوم کیا؟" ایس پی کے لہجے میں اب بھی اشتعال موجود تھا۔

"سبھی کچھ ہوگا۔ از سر نو محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب مجرم ہاتھ نہیں آسکے گا۔ آج کل میں اس لٹیرے کی لاش کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔"

حمید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑیں لیکن یہاں وہ تفصیل کا مطالبہ کیسے کر سکتا تھا۔ ویسے اس کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"مجرم کیوں نہ ہاتھ آسکے گا۔" ایس۔پی نے پوچھا۔

"چلئے! لان پر.... میں یہاں اس کمرے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ باہر آگئے اور فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "مجرم اگر اس وقت یہاں آجائے اور للکار کر کہے کہ وہی بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے اور ہم اُسے گرفتار بھی کر لیں لیکن وہ عدالت میں مکر جائے تو ہمارے فرشتے بھی اس کے خلاف ثبوت نہ مہیا کر سکیں گے۔"

"آخر مرنے والے کے پاس کس قسم کے ثبوت رہے ہوں گے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"خدا جانے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اُس نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو سرگروہ تک رہنمائی کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ قتل کر دیا گیا تھا۔"

"مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اب وہ لٹیرا اُن چیزوں کا مالک ہے۔"

"دیکھئے.... میرا خیال ہے کہ خود مقتول سرگروہ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں تھا۔ ممکن ہے اُس نے اُسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو اور یہ جتانے کے لئے کہ وہ اسے بلیک میل کر سکتا ہے۔

نی کی اطلاع مجھے قبل از وقت دے دی۔ سرگروہ کے طریق کار کے بارے میں بھی مجھے اُسی سے لوم ہوا تھا۔"

"یہ میری بات کا جواب تو نہ ہوا۔ میں نے لٹیرے کے متعلق پوچھا تھا۔"

"مقتول نے مجھے ایک پتہ دیا تھا.... ارجن پور کے ایک مکان کا اور کہا تھا کہ اگر اسے کوئی ہ پیش آجائے تو وہ آدمی جو اس مکان میں رہتا ہے میری مدد کرے گا۔"

"اور آپ منتظر رہے ہوں گے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آجائے۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے ں کہا۔

"جی نہیں! میں نے اُسی وقت سے اس مکان کی نگرانی شروع کرا دی تھی۔ لیکن وہ نہیں مل تھا۔ پھر اُس آدمی کے قتل کے بعد تو شاید اس نے مکان کا رخ ہی نہیں کیا۔ مجبوراً قفل توڑ کر ے مکان کی تلاشی لینی پڑی۔ ایک سوٹ کیس اور ایک ہولڈال کے علاوہ وہاں کچھ اور نہیں تھا۔ ن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی۔ البتہ چند تصویریں تھیں، ان ں سے ایک خود اسی کی ثابت ہوئی۔ بقیہ تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔"

"کیا بات ہوئی۔ ایک طرف آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی، جو اُس کی صیت پر روشنی ڈال سکتی اور دوسری طرف اس کی تصویر کا بھی تذکرہ ہے۔"

"ہاں تو پھر.... کیا اس تصویر نے مجھے اس کا نام بتا دیا تھا۔ شخصیت محض ہڈیوں اور گوشت ے ڈھیر کو تو نہیں کہتے۔ اُس کے پڑوسی بھی اس کا نام نہیں بتا سکتے تھے، البتہ تصویر دیکھ کر دیق کر دی تھی کہ وہی آدمی اس مکان میں رہتا ہے۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہی لٹیرا ہے۔ کل ہی آپ کہہ رہے تھے کہ آج تک آپ سے بھیڑ نہیں ہوئی۔"

"رضوانہ اُسے دیکھ چکی ہے.... حمید سے بھی ایک بار ٹکراؤ ہوا تھا۔"

حمید کے لئے تو یہ اطلاع ہی نئی تھی کہ فریدی کے پاس اس لٹیرے کی کوئی تصویر بھی ہے۔

"اگر آپ نے وہ تصویر پریس میں دے دی ہوتی تو وہ کبھی کا پکڑا لیا گیا ہوتا۔" ایس۔پی کا لہجہ غصیلا ہو گیا۔

"گویا اس طرح میں اُسے اس مجرم کے حوالے کر دیتا جس کے لئے اتنے دنوں سے رگرداں ہوں اور وہی ایک کارڈ ہے میرے ہاتھ میں۔"

ایس۔پی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر وہ اس قسم کی مضحکہ خیز حرکتیں کیوں

کرتا پھر رہا ہے۔"

"غالباً اب وہ خود اس چکر میں ہے کہ مجرم کو بلیک میل کرے۔"

"آپ کا جواب غیر متعلق ہے۔"

"جی نہیں! ایک احمق آدمی نے شائد اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ مارا گیا۔ لیکن یہ لٹیرا اُسے اپنی چالاکیوں اور پھرتی کے نمونے دکھاتا پھر رہا ہے۔ جتا رہا ہے کہ اُس نے کھلم کھلا شہر میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے لیکن پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی پھر وہ اس کا کیا بگاڑ لے گا۔ وہ اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے جناب اور میرا دعویٰ ہے جناب کہ مجرم اُس سے مرعوب ہو گیا ہے لیکن اب وہ اُسے ٹھکانے لگا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا، اس خیال کے تحت کہ کہیں وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اوہ! ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ایس پی کی جواب طلب آنکھوں سے جھلاہٹ بھی جھانک رہی تھی۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ کرائم رپورٹ میں یہ خبر اس لٹیرے ہی نے چھپوائی ہو۔ مجرم کو مزید خوفزدہ کرنے کے لئے.... اوہاں ٹھہریئے! آج ہی حمید نے اسے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا جو اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

حمید اس اطلاع پر بھی چونک پڑا۔ فریدی اب یہاں ایس۔ پی کے سامنے کھل رہا تھا۔ اُسے نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی اس گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

ایس۔ پی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ "جی ہاں! مگر میں آج بھی اسے نہ پکڑ سکا بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی جن کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔ ایک گلی میں گھسا اور غائب۔"

"بڑی حیرت انگیز باتیں سناتے ہیں آپ لوگ۔ کیا پورا گروہ آپ کی نظروں میں ہے مسٹر فریدی۔"

"میں اس کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ سر سجاد کا قاتل میرے لئے اجنبی تھا۔ میرا خیال ہے کہ سر سجاد کا قاتل زیرِ تربیت تھا۔ اسلئے اسے گروہ سے الگ ہی رکھا گیا تھا۔ ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور آدمی زیرِ تربیت ہوں۔ مجرم بہت چالاک ہے۔ تربیت کے بعد امتحاناً کوئی اہم کام لے کر ہی باقاعدہ گروہ میں شامل کرتا ہو۔ اس آدمی کا امتحان ہی لینے کیلئے سر سجاد پر حملہ کرایا ہو۔"

"ہاں.... آں۔!" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے! لیکن لاش کس نے غائب کی۔ معمہ بھی آج تک حل نہ ہو سکا۔"

"خدا جانے.... بہت دنوں بعد ایسا پیچیدہ کیس ملا ہے۔ دیکھئے کب تک ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

اب میں چلوں! کرائم رپورٹ کے دفتر میں بھی پوچھ گچھ کرنی ہے لیکن اس سے پہلے....!"

یک بیک فریدی نے مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے چھلانگ لگائی اور وہ دونوں بوکھلا کر ل پڑے۔

پھر حمید نے بھی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے فریدی کو چہار دیواری کے ب دیکھا وہ اس طرح پیچھے کی طرف گرتے گرتے سنبھل رہا تھا جیسے اس نے کسی کو پکڑنے کی شش کی ہو، لیکن بھاگنے والا چہار دیواری پھلانگتے وقت اسے ایک لات بھی رسید کر گیا ہو۔

وہ سنبھل کر پھر اچھلا اور چہار دیواری سے سر ابھار کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد د نے اُسے لنکن کی طرف دوڑتے دیکھا۔

"کیا بات.... کیا ہے۔" ایس پی چیخا۔

"لٹیرا.... پھر نکلا جا رہا ہے۔" اس نے دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

جب تک حمید پہنچتا لنکن فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گذر چکی تھی۔

پھر ذرا سی دیر میں وہاں جم غفیر نظر آیا۔ رات کی ڈیوٹی والے اپنے اپنے دفاتر سے نکل آئے تھے۔

ایس۔ پی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے تو احساس ہی نہیں ہو سکا تھا کہ کوئی چھپ کر ہماری نگو سن رہا ہے۔"

"کرنل اپنی چھٹی حس کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں جناب۔ وہ کسی بھیڑیئے ہی کی طرح ار کی بو سونگھتے ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہی وجہ ہے کہ ایک معمولی اُچکا زک پر زک دے رہا ہے۔" غالباً فریدی کے کسی حاسد نے ہا تھا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر ایس۔ پی وہاں موجود نہ ہوتا تو شاید وہ اس آدمی کو کچا ا چبا جاتا جس نے یہ بات کہی تھی۔

ویسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایس پی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ ر بعد اُس نے حمید سے کہا۔ "تم کرائم رپورٹ کے دفتر جاؤ اور یہیں کھینچ لاؤ منیجر ایڈیٹر اور اس پورٹر کو جس کی وساطت سے وہ خبر آئی ہو۔ میں فریدی کی واپسی تک آفس ہی میں بیٹھوں گا۔"

ایک گھنٹے کے اندر ہی حمید نے مطلوبہ اشخاص کو ایس۔ پی کے سامنے پیش کر دیا اور انہوں نے جو کہانی سنائی دلچسپ بھی تھی اور ایس۔ پی کو غصہ دلانے والی بھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج صبح یک باوردی سب انسپکٹر نے ایڈیٹر کو کرنل فریدی کا خط دیا تھا اور خود کرنل ہی کی ایماء پر وہ خبر

چھاپی گئی تھی۔ اس نے فریدی کا وہ خط بھی پیش کیا۔

"ہرگز نہیں جناب۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر کوئی اسے کرنل کی تحریر ثابت کردے میں اپنا سر قلم کرادوں گا۔"

"ہاں! رائٹنگ تو فریدی کی نہیں ہے۔" ایس۔پی بولا۔

"اس سال کا پہلا سب سے بڑا فراڈ ہے یہ خط۔" حمید ایڈیٹر کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر اُس سے انسپکٹر کا حلیہ پوچھنے لگا جس سے خط ملا تھا۔

ایڈیٹر بیان کر رہا تھا اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جارہی تھیں۔ حلیہ سو فیصدی اُ لٹیرے کا تھا۔ ایس۔پی کی نظر حمید کے چہرے ہی پر تھی۔

"کیوں....؟" وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ حلیہ اسی لٹیرے کا ہے۔"

"اوہ....!" ایس۔پی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس۔ ریسیور اٹھالیا۔ حمید نے گفتگو سے اندازہ کرلیا کہ دوسری طرف سے فریدی ہی بول رہا ہے۔

ایس۔پی اُس خبر سے متعلق نئی دریافت کا تذکرہ کر رہا تھا۔ پھر وہ خاموش ہو کر سننے لگا۔ کچ دیر بعد "اچھا" کہہ کر سلسلہ منقطع کرتا ہوا ایڈیٹر کی طرف مڑا۔

"اس خبر کی بناء پر محکمے کی بدنامی ہوئی ہے۔" اُس نے کہا۔ "آپ کو صبح ہی اپنے اخبار کا ضمیمہ نکال کر اس بات کی تردید کرنی پڑے گی کہ یہ خبر آپ کو براہِ راست کسی ذمہ دار آفیسر سے تھی۔ آپ پولیس کے حوالے سے یہ لکھنے کے مجاز ہوں گے کہ سب انسپکٹر کا حلیہ لٹیرے مطابقت رکھتا ہے۔"

"ہم ضرور نکالیں گے ضمیمہ۔" ایڈیٹر نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔ "اگر نہ نکالا تو خسار میں رہیں گے لیکن ایک رعایت چاہوں گا۔ یہ تردیدی خبر صرف ہمارے ہی اخبار کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ پریس کے لئے اسے عام نہ کیا جائے۔"

"چلئے.... یہی سہی۔" ایس۔پی مسکرایا۔

وہ لوگ رخصت ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ایس۔پی نے حمید سے کہا۔ "وہ ہاتھ نہیں آسکا۔"

"اس کا پھرتیلا پن مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگ وہ خبر اس لٹیرے ہی نے شائع کرائی تھی تو اس کا مقصد کیا تھا؟

خبر کے مطابق ریالٹو میں مردہ پائے جانے والے آدمی اور اس لٹیرے کے درمیان کوئی گہ

ن تھا۔ یہ واقعہ بھی ظاہر کردیا گیا تھا کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کی اطلاع قبل از وقت اُسی ے ملی تھی جس کی لاش ریالٹو میں پائی گئی تھی۔ وہ گروہ کے سرغنہ کے متعلق کوئی اہم بات تھا جس کا علم اس لٹیرے کو بھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح پولیس کے ہاتھ آجائے تو گروہ کا نہ بہ آسانی پکڑا جاسکے گا اور پھر اس کی شخصیت راز نہ رہ سکے گی۔

غرضیکہ خبر کے تیور ایسے تھے کہ اس پر دھمکی ہی کا گمان ہوتا تھا۔ تو پھر فریدی کا یہ خیال ت ہی ہوسکتا تھا کہ لٹیرا اس گروہ کے نامعلوم سربراہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"اب تمہیں تار جام جانا ہے۔" ایس۔پی کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "فریدی نے فون پر کہا طاہر اور زیدی سے ملو۔ تمہیں طاہر کی جگہ لینی ہے کیونکہ وہ بخار میں مبتلا ہوگیا ہے۔"

حمید اٹھ گیا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور ایس پی کچھ بڑبڑاتا ز کی طرف پلٹ گیا۔

کال ریسیور کرتے وقت حمید نے اس کے چہرے پر جذباتی ہیجان کے آثار دیکھے۔ وہ سنتا رہا۔ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"چلو.... میرے ساتھ۔" اُس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تار جام کے ن انچارج کی کال تھی۔ سر سجاد کی کوٹھی کا محاصرہ کرلیا گیا ہے۔ زیدی نے وہاں کسی کی ودگی کی اطلاع دی تھی۔ انچارج کا خیال ہے کہ زیدی نے غلطی نہیں کی۔"

یہ خبر اور زیادہ ہیجان انگیز ثابت ہوئی۔ تو گویا کھیل ختم ہونے والا ہے۔ حمید نے سوچا وہ اُس ا کے علاوہ اور کون ہوگا، جو پہلے بھی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ایک بار ری اور طاہر سے بھی ٹکراؤ ہوگیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایس۔پی کی کار تار جام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

گرفتاری

حمید محاصرے کا انداز دیکھ کر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سارا انتظام ایک پوری نا کے لئے کیا گیا ہو۔ مسلح پولیس کے جوانوں نے اس طرح پوزیشن لے رکھی تھی جیسے ت کے اندر ہر کھڑکی اور دروازے پر کم از کم ایک آدمی ضرور موجود ہوگا۔

حمید نے اس پر حیرت ظاہر کرنے کا ارادہ ترک کردیا کیونکہ اسٹیشن انچارج ایس پی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے پاس ٹامی گن ہے جناب۔ اس محاصرے کو ڈھائی گھنٹہ گذر چکا ہے۔ ایک بار اس نے راستہ بنانے کے لئے فائرنگ بھی کی تھی۔

"فائرنگ کو کتنا عرصہ گذرا ہے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"تقریباً دو گھنٹے۔"

"وہ نکل بھی گیا ہوگا۔" حمید بول پڑا۔

"ناممکن....!" انچارج نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "چاروں طرف آدمی موجود ہیں۔"

"تو یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ لیکن قبل اس کے انچارج کوئی جواب دیتا حمید بول پڑا۔ "میں ختم کئے دیتا ہوں یہ سلسلہ۔"

"کس طرح....!" ایس۔پی نے حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"خواہ کوئی صورت اختیار کرنی پڑے۔ ورنہ کچھ دیر بعد اندھیرا پھیل جائے گا۔ پھر اُسے کو روک سکے گا۔"

ایس پی کچھ نہ بولا۔ یہ عمارت حمید کی اچھی طرح دیکھی بھالی ہوئی تھی۔ وہ عقبی حصے ک طرف آیا۔ ایس۔پی اور انچارج بھی ساتھ ہی تھے۔

"اتنے دروازے تھے، ان میں سے کوئی بھی توڑا جاسکتا تھا۔" حمید بڑبڑایا۔ وہ اس دروازے طرف دیکھ رہا تھا، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لیا گیا ہے۔" انچارج بیزاری سے بولا۔ "جس دروازے پر بھی ضرب پڑتی تھیں اسی کے پیچھے وہ آموجود ہوتا تھا۔ دھمکی یہی ہوتی تھی کہ وہ تو جان دینے پر تل ہی ہے۔ دروازہ توڑنے والوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اب آپ خود سوچئے ٹامی گن سامنے....!"

"ختم کرو۔" ایس۔پی غرایا اور حمید سے بولا۔ "ہاں تو تم کیا کرو گے۔"

"اس پائپ کے سہارے چھت پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے اس موٹے سے پا کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے بارش کے پانی کے اخراج کے لئے لگایا گیا تھا۔

"ٹامی گن ہے اس کے پاس۔" ایس۔پی نے گویا یاد دہانی کرائی۔

"اسے الجھائے رکھا جاسکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے بھی یہی تدبیر کیوں نہیں اخ کی گئی۔ دراصل ہمارے آدمی اس کی کہانیاں سن سن کر مرعوب ہوگئے ہیں۔ ورنہ دو دو جوان

روازے پر لگادیئے جاتے تو کوئی نہ کوئی تو ٹوٹ ہی جاتا۔ آنسو گیس استعمال کی جاسکتی تھی۔"

"یہاں ہمارے پاس سامان نہیں تھا۔" انچارج کا موڈ بگڑتا جارہا تھا۔ پھر یک بیک اس نے نبھالا لے کر کہا۔ "میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اتنا بڑا مجرم....!"

"خیر.... بہر حال.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ آدمی اس دروازے پر ضربیں لگاتے ہیں۔ وہ ادھر متوجہ ہوجائے گا۔ بس اتنی ہی دیر اُسے الجھائے رکھنا ہے کہ میں اوپر پہنچ جاؤں۔ یے خیال تو یہ ہے کہ وہ نکل ہی گیا ہوگا۔"

"میں کہہ رہا ہوں ناکہ بندی کی کڑی نگرانی کی گئی ہے۔" انچارج کے لہجے میں پھر جھلاہٹ یدا ہوگئی۔

حمید کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اس نے سوچا اگر وہ اس کی سرکردگی میں پکڑلیا گیا تو کم از کم ریدی کو کبھی کبھی یاد لانے کیلئے تو ہو ہی جائے گا کہ ایک بڑے مجرم پر اس نے بھی ہاتھ ڈالا تھا۔

دو آدمی دروازے کی دونوں جانب کھڑے کردیئے گئے اور ہدایت کردی گئی کہ وہ رائفلوں کے کندے دروازے پر مارتے رہیں۔ حمید جوتے اتار کر دیوار کے قریب آگیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے پائپ پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کردیا اور ساتھ ہی دروازے پر رائفل کے کندے پڑنے لگے۔ اوپر پہنچ جانے کے بعد بھی وہ ضربوں کی آوازیں سنتا رہا۔



کرنل فریدی طوفان کی سی تیز رفتاری سے اپنی گاڑی وہاں تک لایا تھا۔ اُسے اس محاصرے کی اطلاع دیر سے ملی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ٹھیک اُسی وقت وہاں پہنچا تھا جب حمید عمارت کی پشت پر انچارج اور ایس۔پی سے گفتگو کررہا تھا۔ لیکن وہ ان کی طرف نہیں گیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی کہ محاصرے کو ڈھائی گھنٹے گذر چکے ہیں اس نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کردیا۔

تقریباً ڈیڑھ فرلانگ تک دوڑتے رہنے کے بعد اس کی رفتار سست ہوگئی اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔

وہ ایک جانب نشیب میں اترتا چلا گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک ٹیلے کے قریب رکا ہلتی ہوئی جھاڑیوں سے آواز آئی۔ "میرے ہاتھ میں ٹامی گن ہے۔"

فریدی نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور قریب ہی کے دوسرے ٹیلے کی اوٹ میں جاگرا۔

وہ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سن رہا تھا۔ لیکن جھاڑیوں پر فائر کرنے کے لئے اسے ٹیلے کی اوٹ

سے نکل آنا پڑتا.... پھر وہ تو پہلے ہی سن چکا تھا کہ مجرم کے پاس ٹامی گن جیسا مہلک حربہ موج ہے۔ ویسے اُس نے ریوالور تو نکال ہی لیا تھا۔

یک بیک اُس نے ریوالور زمین پر ڈال دیا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا کر دوسرے ٹیلے کی طرف اچھالنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے غصیلی آواز میں ایک گندی سی گالی سنی لیکن کچھ بو نہیں۔

پھر ٹامی گن کے فائروں سے جنگل گونجنے لگا۔ گولیاں فریدی سے صرف ڈیڑھ گز کے فاص سے گذر رہی تھیں۔ اس نے تیزی سے بائیں جانب بڑھنا شروع کیا۔ اب اُسے اندازہ ہو گیا تھا وہ کس جگہ سے فائر کر رہا ہو گا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور سینے کے بل رینگتا ہوا اسی ٹیلے پر چڑھنے لگا جس کی اوٹ سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں عمارت کا محاصرہ کرنے والے دستے کے کچھ جوا ادھر بھی نہ دوڑ پڑیں۔ ایسی صورت میں دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اسے قطعی توقع نہیں تھ کہ اس طرف آنے پر مجرم سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ وہ تو محض اس لئے آیا تھا کہ جدوجہد کا کو پہلو باقی نہ رہ جائے۔ سر سجاد نے اُسے عمارت کے تہہ خانوں سے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ ا جانتا تھا کہ اُن سے ایک راستہ سرنگ کی شکل میں جنگل کی طرف بھی گیا ہے وہ اس راستے سے گذ بھی چکا تھا لیکن حمید اس سے لاعلم تھا۔ ورنہ وہ بھی یہاں پہنچنے پر جنگل ہی کا رخ کرتا۔

یک بیک فائرنگ بند ہو گئی۔ فریدی ٹیلے پر پہنچ چکا تھا اس نے لیٹے ہی لیٹے دوسری جانب جھانکا لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی آئیں اور اس ۔ فائرنگ کرنے والے کو انہیں جھاڑیوں کی طرف پلٹتے دیکھا جو سرنگ کے دہانے پر جھکی ہو تھیں۔ فریدی نے اس کی پرواہ کئے بغیر کہ اُس کے ہاتھوں میں ٹامی گن ہے اوپر ہی سے چھلانگ لگادی۔ فائرنگ کرنے والا اس کے نیچے دب کر کراہا۔ ٹامی گن فریدی کے پیروں کے قریب پڑ ہوئی تھی۔



حمید چھت پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن نہ تو ابھی تک دروازہ توڑنے والوں کو دھمکی ملی تھی اور نہ فائروں کی آوازیں ہی سنائی دی تھیں۔ پوری عمارت کسی ویران مقبرے کی طرح سنسان تھی۔ وہ نیچے اتر گیا۔ دروازے پر اب بھی رائفل کے کندے بج رہے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے ایک

ایک کمرہ دیکھنا شروع کیا۔ پھر ہال میں آیا۔ تہہ خانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ تو وہ تہہ خانے ہی میں ہو گا۔ اس نے سوچا، لیکن وہ تنہا تہہ خانے میں اترنے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔

ہال کے سارے دروازے باہر سے بھی بولٹ کئے جا سکتے تھے۔ اس نے بڑی پھرتی سے انہیں بند کیا اور پھر اُسی دروازے کی طرف پلٹ آیا جس پر اب بھی رائفل کے کندے برس رہے تھے۔

”ٹھہر جاؤ۔“ اس نے بلند آواز میں کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی انچارج اور ایس۔ پی اس کی طرف جھپٹے۔

”وہ شاید تہہ خانے میں اتر گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ایس۔ پی نے وہاں کسی تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی۔ فریدی نے سر سجاد والا معاملہ اپنی اور حمید ہی کی ذات تک محدود رکھا تھا۔

پھر وہ کوئی فیصلہ کرنے ہی والے تھے کہ جنگل کی طرف سے ٹامی گن کی فائروں کی آوازیں آئیں۔

”یہ کیا مصیبت۔“ انچارج مڑ کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

”تم کچھ جوانوں کو لے کر اُدھر جاؤ۔“ ایس پی نے اس سے کہا۔ ”ہم ادھر دیکھتے ہیں۔“

”اگر وہ جنگل میں پہنچ گیا تھا تو چپ چاپ نکل ہی کیوں نہیں گیا۔“ حمید بڑبڑایا۔

”چلو.... چلو.... غور و فکر کا وقت نہیں ہے۔“ ایس۔ پی دروازے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

آٹھ دس مسلح کانسٹیبل بھی اُن کے ساتھ تھے۔ وہ ہال میں آئے اور پھر رک گئے۔

غالباً ایس۔ پی بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اندھا دھند فائرنگ نہ شروع کر دے۔ پھر حمید آگے بڑھا۔ ایس۔ پی خاموش کھڑا رہا۔ حمید نے تہہ خانے کے دروازے میں ہاتھ ڈال کر ایک فائر کیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ تہہ خانے سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

ایس۔ پی اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں آنسو گیس ہی کارآمد ہو گی، ورنہ مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی اندر اترے وہ فائرنگ شروع کر دے گا۔“

”میں یہ خطرہ مول لے سکتا ہوں۔“ حمید نے لاپروائی سے کہا۔

”میری موجودگی میں نہیں۔“ ایس۔ پی کا لہجہ غصیلا تھا۔

یک بیک حمید نے اندرونی زینوں پر قدموں کی چاپ سنی اور تیزی سے کھسک کر ایک

طرف ہوتا ہوا، ایس پی کی طرف مڑا۔ اس کی انگلی ہونٹوں پر تھی۔ ایس پی نے کانسٹیبلوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ میزوں اور کرسیوں کی آڑ سے پوزیشن لینے لگے۔ ایس۔پی بھی فرش پر ابھرے ہوئے دروازے کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا تھا۔

دفعتاً ایک نقاب پوش دروازے میں نظر آیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ حمید نے ریوالور والا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔ ”خبردار۔“

”پرانی بات ہوئی۔“ نقاب پوش کے عقب سے آواز آئی۔ ”یہ غیر مسلح ہے۔“

حمید بوکھلا گیا۔ کیونکہ آواز فریدی ہی کی تھی۔ ایس۔پی بھی سامنے آگیا۔ نقاب پوش آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ سر سے بہے ہوئے خون کے دھبے تو سارے کپڑوں پر نظر آرہے تھے۔

فریدی نے اُسے دھکا دیا اور وہ باہر نکل کر فرش پر آپڑا۔

”آپ کہاں۔“ ایس۔پی بھونچکا رہ گیا تھا۔

”ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو ہم اس کی گرد کو بھی نہ پاسکتے۔“ فریدی نے کہا۔

کانسٹیبلوں نے نقاب پوش کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فریدی نے چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔ ”تہہ خانے سے ایک سرنگ جنگل کی طرف بھی گئی ہے۔ یہاں پہنچنے پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ محاصرہ ڈھائی گھنٹے سے جاری ہے تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نکل گیا ہوگا۔ لیکن پھر بھی میں احتیاطاً وہیں چلا گیا جہاں سرنگ ختم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے تہہ خانے میں سرنگ کا راستہ تلاش کرنے میں دیر لگی ہو۔ ورنہ یہ اتنا احمق تو نہیں ہو سکتا کہ ڈھائی گھنٹے تک یہاں پڑا اونگھتا رہتا۔“

”یہ ہے کون۔“

”میں نے تو ابھی تک نہیں دیکھا۔“ فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

پھر جیسے ہی ایک کانسٹیبل نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا، حمید بے ساختہ چیخ پڑا۔ ”میجر سعید۔“

میجر سعید غالباً زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ تھی۔



دوسرے دن صبح کے اخبارات کے لئے بہتیرے لوگ مارے مارے پھر رہے تھے۔ کیونکہ یس سے باہر آنے کے بعد ہر اخبار کی کاپیاں ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر فروخت ہو گئی تھیں۔

وہ مجرم پکڑ لیا گیا تھا جس کی وجہ سے بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کے بعد شہر میں دہشت پھیل ی تھی۔ اس کا طریق کار ایسا تھا کہ ان دنوں بینکوں کے آس پاس کی عمارتیں خالی ہونی شروع گئی تھیں اور دولت مند طبقہ تو بُری طرح سہار رہا تھا۔

اخبارات نے کرنل فریدی کے اس کارنامے پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی تھی۔ لیکن خود رنل فریدی کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں اب بھی موجود تھیں۔

میجر سعید کی کوٹھی سے بہت زیادہ قوت والے تین ڈائنامائیٹ بھی برآمد ہوئے تھے اور تلف قسم کی منشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا تھا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ س کے بزنس میں منشیات کا ناجائز کاروبار بھی شامل تھا۔

”پھر اب آپ کس فکر میں ہیں۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”میں کیسے ثابت کروں کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی میں اسی کا ہاتھ تھا۔ انتہائی تشدد کے باوجود بھی اُس نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔“

”اور وہ ڈائنامائیٹ۔“

”ہاں! وہ ٹامی گن۔ وہ ڈائنامائیٹ اور منشیات کا وہ ذخیرہ.... سبھی کچھ ہے لیکن یہ چیزیں اسے پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچا سکتیں! ٹامی گن کی فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہو سکا تھا۔“

”آخر وہ سر سجاد کی کوٹھی میں کیا کر رہا تھا۔“

”اس کا جواب بھی نہیں دیا اُس نے اور نہ یہی تسلیم کرنے پر تیار ہے کہ اس نے سر سجاد کو قتل کرایا تھا۔“

”اوہ.... سر سجاد! مگر اب کیوں وہ سامنے آنے سے گریز کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اخبارات بھی اس سلسلے میں خاموش ہی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا انحصار تو صرف آپ ہی پر ہے۔“

”تم کب سے نہیں گئے اس کے گھر۔“

”شاید تین دن ہوئے گیا تھا۔“

”وہ بہت بیمار ہے۔ گٹھیا اور نروس بریک ڈاؤن کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ چل پھر نہیں

سکتا۔ اپنی بیٹی کو ہی موت پر روتے دیکھنا کیسی عجیب سچویشن ہو سکتی ہے۔ مضبوط ترین قوت ارادی کے لوگ بھی پاگل ہو سکتے ہیں۔"

"مگر اب کیا دشواری ہے اُسے ظاہر کرنے میں۔"

"رضوانہ کو مجبوراً بتا دیا گیا ہے، لیکن وہ ابھی تک نوکر ہی کے میک اپ میں ہے! میں فی الحال اس کی خرابی صحت کی بناء پر مناسب نہیں سمجھتا کہ اُس کا راز ظاہر کیا جائے۔ بڑی بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی اُس کے گرد اور پھر یہ ویسے بھی بڑی غیر دانشمندانہ حرکت ہو گی کیونکہ ابھی تک اس کے سلسلے میں ملزم نے اقبال جرم نہیں کیا۔ میں خود بعض نئی الجھنوں میں پڑ جاؤں گا۔"

"پھر آخر وہ کیسے اقبال جرم کرے گا۔"

"جہنم میں جائے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اس لٹیرے ہی کو ڈھونڈ نکالو۔"

"اسے بھی آپ ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں اگر کبھی کچھ کرنا بھی چاہتا ہوں تو آپ گویا آسمان ہی سے ٹپک پڑتے ہیں۔ اب میجر سعید ہی کے معاملے کو لے لیجئے، میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی ہاتھ ماردوں گا مگر تہہ خانے سے برآمد ہوئے آپ! اگر آپ نے مجھے سرنگ کے متعلق بتا دیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔"

"خیال نہیں رہا تھا! ہاں تو اب وہ لٹیرا ہی آخری کارڈ ہے۔"

"پچھلی شام آپ اُس کے پیچھے تھے وہ ہماری گفتگو سن چکا ہے۔ اس لئے شاید ہی ہاتھ آسکے۔ مگر اب وہ بلیک میل کسے کرے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ لیکن گہرے تفکر کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

"کیا سر سجاد کو میجر سعید کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔"

"ہاں! رضوانہ کی حماقت سے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ اسے ابھی نہ بتایا جائے! سنتے ہی غشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔"

حمید پھر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ واقعی اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو گی کہ مجرم ہاتھ آگیا ہے لیکن کسی خاص معاملے میں اُس کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچایا جا سکتا۔

"تو گویا یہ کیس صحیح معنوں میں آپ کی ذہانت کی کسوٹی ثابت ہو گا۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"دیکھو....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ گیا۔



اُسی شام کو حمید نے سوچا۔ اب رضوانہ سے ضرور ملنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے اب اس کی قنوطیت ہو گئی ہو۔ ممکن ہے اب بسورتے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی لرزشیں دکھائی دیں۔ اُس کے خدوخال بڑے دلکش تھے۔ لیکن غم کی پرچھائیاں انہیں بگاڑ کر رکھ دیتی تھیں۔

کوٹھی میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ رضوانہ نئے بیمار ملازم کو سر سجاد کی خواب گاہ میں گئی ہے۔ اطلاع دینے والے ملازم نے ایسے تشویش کن لہجے میں اس کا تذکرہ کیا تھا جیسے کی زیادتی کی وجہ سے اس کی دانست میں رضوانہ کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو۔

بادی النظر میں بات تھی بھی اچنبھے کی۔ بھلا بیمار ملازم کو مالک کی خواب گاہ میں کیا سروکار۔ سرونٹس کوارٹرز ہی خاصے آرام دہ تھے۔ اتنی انسانیت تو ان بیچاروں نے بڑے بڑے اللہ والوں بھی نہیں دیکھی تھی۔

حمید نے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی اور رضوانہ نے اسے وہیں بلوا لیا جہاں وہ سر سجاد کی رداری میں مصروف تھی۔

سر سجاد جاگ رہا تھا۔ اس نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہی۔

رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ سے شکایت ہے کیپٹن! آپ مجھے روتے دیکھتے ہے لیکن اشارۃً بھی کبھی کچھ نہ بتایا۔"

"یہ سب کچھ تو سر سجاد خود ہی دیکھتے اور برداشت کرتے رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو۔" سر سجاد ہاتھ اٹھا کر نحیف سی آواز میں بولا۔ "اس کا تذکرہ بھی میرے لئے یف دہ ہے۔"

حمید نے مسکرا کر رضوانہ کی طرف دیکھا اور پھر سر سجاد سے پوچھا۔ "کبھی آپ کو میجر سعید پر بھی ہوا تھا۔"

"ہرگز نہیں! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"آخر اس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کرایا۔"

"وہ کیا کہتا ہے۔"

"اُس نے آپ کے معاملے میں قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے۔"

"اُوہ.... تو پھر مجھے خود ہی دیکھنا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔"

"ڈیڈی خدا کے لئے ابھی خود کو الجھنوں میں نہ ڈالئے۔" رضوانہ نے کہا۔

سر سجاد گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور پیر سکوڑ رکھے تھے۔

"دیکھو! اب یہ پیر کبھی پھیلتے بھی ہیں یا نہیں۔" سر سجاد پھر کراہا۔ "خدا رحم کرے مجھ پر۔"

"اوہ تو کیا پیر نہیں پھیلا سکتے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں! اس سے پہلے کبھی مجھے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"ڈاکٹر کا خیال کیا ہے۔"

"خود اُسے بھی حیرت ہے کہ اچانک اس مرض کا حملہ کیسے ہوا۔ جبکہ پہلے سے علامات بھ موجود نہیں تھیں۔"

"ڈیڈی! بھوک تو نہیں لگی۔" رضوانہ نے پوچھا۔

"ہاں کچھ ہے تو.... مگر صرف شوربہ۔"

رضوانہ کمرے سے چلی گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "سمجھ میں نہی آتا کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر کوٹھی میں کیوں گھسا تھا جبکہ ایک بار پہلے بھی وہ وہاں میرے مح کے دو آفیسروں سے ٹکرا چکا تھا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! کیا کرنل نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"جی نہیں....!"

حمید نے طاہر اور زیدی والا واقعہ دہرا دیا اور سر سجاد کچھ دیر بعد بولا۔ "سعید کتوں کا بڑا اچ ٹرینر ہے۔"

"حملہ آور کی کہانی سننے کے بعد بھی آپ کا ذہن میجر سعید کی طرف نہیں گیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ بھلا کیوں جاتا۔ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ہاں ہمارا کچھ بزنس ایسا ضرو ہے جس کے معاہدات کی رو سے ایک دوسرے کے ورثاء حقدار نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ تو ایک ج تھا باہمی سمجھوتہ تھا۔ ہم دونوں ہی جوئے کے شائق ہیں۔ ہم میں تو معمولی معمولی باتو ہار جیت ہوتی رہتی تھی۔"

"اُسے فینوں سے تو دلچسپی نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً رضوانہ دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"وہ.... وہ.... کیپٹن....!" رضوانہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ "وہ پھر لائبریری میں موجو

ہے۔"

"کون....!" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"وہی لٹیرا۔"

"اوہ....!" حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ رضوانہ بھی اُسکے ساتھ تھی۔ سر سجاد اُسے آوازیں دیتا رہ گیا۔ دونوں ساتھ ہی لائبریری میں داخل ہوئے۔ لیکن آج پھر حمید غیر مسلح ہی تھا۔

لٹیرا بڑے خوشنما اسٹائیل میں ان کی طرف مڑا۔

"آج آپ غالباً توپ باندھ لائے ہوں گے کپتان صاحب۔" اس نے تضحیک آمیز انداز میں س کر کہا۔

"میں آج بھی نہتا ہوں لیکن تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" حمید دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

"لڑکیوں کی موجودگی میں انتہائی سنجیدہ لوگ بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔"

"بہتری اسی میں ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔ ابھی تک تمہارے خلاف کوئی نگین الزام نہیں ہے۔"

"سر سجاد اُسی رات قتل کر دیئے گئے۔ جب میں نے ان کی میز پر کھانا کھایا تھا اسے آپ کیوں بول رہے ہیں کپتان صاحب۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اپنا کھیل ظاہر کر دو۔ تم یہاں کیوں آتے ہو۔"

"اور اسی وقت آتا ہوں جب آپ کی موجودگی کا بھی امکان ہو جناب۔ میرے کھیل عموماً لمبے ہوتے ہیں اس لئے میں نہ خود بچے شو کرتا ہوں اور نہ شو کراتا ہوں۔ اس وہم میں بھی نہ پڑیئے گا.... کہ....!"

"میجر سعید کو بلیک میل کرنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے کپتان صاحب۔ پتہ نہیں آپ نے کس گدھے کو میجر سعید کے دھوکے میں پکڑ لیا ہے۔ اس کا ایک سوتیلا بھائی بھی اُسی کا ہمشکل ہے.... میجر سعید نے اُسی کو داؤ پر لگایا تھا۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" یک بیک بائیں جانب سے آواز آئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک آدمی سر تا قدم سیاہ رنگ کے چست لباس میں ملبوس ریوالور تانے کھڑا تھا۔ وہ غالباً بڑی الماری کے پیچھے سے نکلا تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔

"تم سب ہاتھ اٹھاؤ۔" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ حمید اور رضوانہ کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔

"تم کون ہو۔" حمید کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"بکو مت! دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیا بکتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"دھیرج کپتان صاحب۔" لٹیرے نے آہستہ سے کہا اور پھر نامعلوم آدمی سے بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"تمہاری موت۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جس طرح وہ سارے ثبوت میرے پاس آئے تھے اسی طرح وہ اب ایک تیسرے آدمی کے پاس ہیں! تم مجھے گولی مار دو، کل سے وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔ اس لئے عقلمند بننے کی کوشش کرو۔ ورنہ اگر میں نے اس سرکاری جاسوس کا ساتھ دے دیا تو تم جہنم رسید ہو جاؤ گے.... گولی چلا کر بھی دیکھ لو۔ میں یونہی اتنے خطرات نہیں مول لیتا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ اس بے چاری لڑکی کو تو جانے دو۔ مگر شاید تمہارے دل پر بھی تمہارے لباس ہی کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

نقاب پوش کھسکتا ہوا پھر الماری کے قریب چلا گیا تھا۔ بایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر اُس نے کسی میکنزم کو حرکت دی اور کمرے کے وسط میں فرش پر ایک بڑی سی خلاء نظر آنے لگی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فرش کا ایک ٹکڑا بہت آہستگی سے نیچے دھنستا چلا گیا ہو۔

"چلو....!" نقاب پوش غرایا۔ "چپ چاپ نیچے اتر جاؤ تم تینوں۔"

رضوانہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ آگے بڑھنے میں لٹیرے ہی نے پہل کی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے یہاں اُس تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ہوئی ہو۔

"پرواہ مت کرو۔" حمید نے رضوانہ سے کہا۔ "چلو....!"

وہ خود کو متردد یا پریشان نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ سامنے ہی زینے دکھائی دیئے، جن پر اچھی خاصی روشنی تھی۔ لٹیرا آگے تھا اس کے پیچھے رضوانہ تھی اور پھر حمید! نقاب پوش کہتا جا رہا تھا۔ "تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ لے جائے گی۔ لہٰذا زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا۔"

نیچے پہنچ کر لٹیرے نے کہا۔ "بس اب جاؤ! اُس تیسرے آدمی کو تلاش کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں ملے گا۔" نقاب پوش غرایا۔ "تم مجھے بلف نہیں کر سکتے۔"

حمید چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لٹیرے کو کہتے سنا۔ "سودا کر لو.... یہی بہتر رہے گا تمہارے لئے! جلدی کرو! یہی بہتر ہے! ورنہ تھوڑی ہی دیر میں کرنل

یہاں ہوگا.... اُوہ.... ہاہا.... آ ہی گیا۔"

اب پوش بوکھلا کر زینوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ لٹیرے نے اُس کے ریوالور پر ہاتھ ریوالور دور جا گرا اور نقاب پوش اُس سے لپٹ پڑا۔ حمید نے ریوالور پر قبضہ کر لینے میں دیر ئی۔

جاؤ.... رضوانہ.... تم ڈیڈی کے پاس جاؤ۔" حمید نے کہا۔

ہاہا.... ڈیڈی۔" لٹیرے نے قہقہہ لگایا۔ اُس نے نقاب پوش کو فرش پر گرا دیا تھا اور اب کر رہا تھا کہ اس کی نقاب نوچ پھینکے۔

یڈی....!" رضوانہ کی چیخ بڑی دلخراش تھی۔ نقاب چہرے سے الگ ہو چکی تھی اور سر سجاد کے نیچے دبا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

ہاں.... ڈیڈی! جو گٹھیا کے مریض تھے! بیچارے.... چلنے پھرنے سے معذور! جو اپنے جرم النے کے لئے شاید تمہیں بھی موت کی نیند سلانے سے گریز نہ کرتے۔"

سس.... سمجھوتہ.... کر لو۔" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "کیپٹن حمید تمہارے لئے بھی ثابت ہوگا۔"

ں پر حمید نے قہقہہ لگایا اور ریوالور کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش ، کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

ں کا ذہن گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ اُس نے رضوانہ کو چکرا کر گرتے دیکھا لیکن اُسے ذرہ پرواہ نہ ہوئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اب عین موقع پر فریدی نہ آ ٹپکے۔ لیکن اُسے سوچنا دونوں کو کیسے قابو میں کیا جائے۔

یکھا تم نے دیکھا....!" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "احمق نہ بنو! پہلے اس سے نپٹو! پھر ہم مطمئن ے۔ میں تمہیں.... خوش.... کر دوں گا۔"

ں سے نپٹنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے سجاد کہ اس کی شادی کرا دی جائے۔ یہ بالکل کیچوا جائے گا۔" لٹیرا ہنس کر بولا۔ لیکن اس بار حمید کو اپنی آنکھیں حلقوں سے نکلتی محسوس لیں۔

ی تک وہ جس جذباتی ہیجان میں مبتلا رہا تھا۔ اُس پر تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے برفباری ۔ یہ آواز بھلا کرنل فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

ئے وقت۔ کا... کرنل فریدی....! آواز بدلنے کا ماہر۔ میک اپ کا ماہر۔ جس

نے کچھ ایسے لوشن ایجاد کئے تھے جن سے وقتی طور پر آنکھوں کی بناوٹ تک بدل جاتی تھی۔

سر سجاد اس کی گرفت میں بے بسی سے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ آواز کی اچانک تبدیلی اس نے بھ محسوس کر کے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دی تھیں۔

"آپ....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"ہاں.... میں۔" وہ سر سجاد کی دہشت زدہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھ سے فراڈ کرنے کی کوشش ہمیشہ پھانسی کے تختے ہی کی طرف لے جاتی ہے سر سجاد! تم خوش تھے کہ مجھے اُلو بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم مر گئے تھے لیکن میں شروع ہی سے لٹیرا بن رہا تھا۔ تم تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہوتی۔"

"کک.... کرنل.... فریدی۔" سر سجاد ہکلا کر بولا۔

"اس میں شبہے کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔" فریدی مسکرا یا۔



ایک بار پھر شہر میں بھونچال سا آگیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ مقتول سر سجاد نہ صرف زندہ ہو گیا تھا بلکہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا مجرم بھی وہی ثابت ہوا تھا۔ اس کی شہری کوٹھی کے تہہ خانے سے سونے کی ایسی اینٹیں بر آمد ہوئی تھیں جن پر بینک آف کینیڈا کی مہریں تھیں۔ شائد اُسے انہیں پگھلا کر کسی دوسری شکل میں تبدیل کر دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وافر تعداد میں غیر ملکی کرنسی بھی بر آمد ہوئی تھی اور یہ بھی بینک آف کینیڈا ہی کی ملکیت تھی۔

دوسرے دن فریدی اپنے محکمے کے ایس۔پی سے کہہ رہا تھا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ محض سیدھی سادی تفتیش اس تک کیسے پہنچ سکتی۔"

"تو اُس لٹیرے کا وجود سرے سے تھا ہی نہیں؟" ایس۔پی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ اس آدمی سے ڈکیتی کے پروگرام کی اطلاع ملتے ہی اور سرغنہ کا طریق کار معلوم ہوتے ہی لٹیرے کا رول ادا کرنا پڑا تھا۔ مقتول اس گروہ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سربراہ کے لئے معلومات فراہم کرے۔ مثلاً بینک آف کینیڈا کا نقشہ اُسی نے تیار کیا تھا اور نکاسی کے راستوں کا تعین بھی کیا تھا۔ یعنی وہ نقشہ اسی قسم کا تھا کہ اگر بینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تب بھی ڈاکہ یقینی طور پر پڑتا اور وہ لوگ صحیح و سلامت نکل بھی جاتے اور پھر اُس نے مجھے بتایا کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ نقشہ کس لئے تیار کرایا گیا ہے۔ اگر بینک آف

ڈاکہ ہی پڑا تو گروہ کے آدمیوں کو اس کا وقت نہیں معلوم ہو سکے گا کیونکہ سربراہ اصل کام کرتا ہے۔ دوسرے صرف باہر کے انتظامات کے لئے ہوتے ہیں، عموماً انہیں یہ بھی نہیں ہوتا کہ ان سے جو کام لیا جا رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ تو کچھ ہو جانے کے بعد ہی پتہ چلتا سربراہ کیا کر گذرا۔ بہر حال جب ہمارے ہی محکمے سے یہ بات پھیلی کہ بینک میں ڈاکہ پڑنے تو وہ بیچارہ ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اُسی نے مجھے گروہ کے دوسرے آدمیوں کے بارے میں بتایا تھا سب میری نظروں میں تھے۔ لیکن سرگروہ تو اندھیرے ہی میں تھا۔ آپ اُس آدمی کی کہانی ہی چکے ہیں جسے سر سجاد نے میرے حوالے کیا تھا۔ کہانی سو فیصدی سچی تھی۔ یعنی وہ اپنے کام آدمیوں کا اسی طرح انتخاب کرتا تھا، اور مختلف طریقوں سے انہیں الجھائے رکھتا تھا اور ہر کو جو انڈر ٹریننگ ہو عام گروہ سے الگ ہی رکھتا تھا۔ گروہ میں اسی وقت شامل کرتا تھا جب وہ کسی امتحان میں پورے اترتے تھے۔ اُسے جس قسم کے آدمیوں کی تلاش رہتی تھی انہیں س لٹیرے کو بھی سمجھ لیجئے جو انوکھے انداز میں اپنی پبلسٹی کرا رہا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اس تک ہے۔ بس ایک بار سلسلہ جنبانی ہوتی اور میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتا.... ہاں تو اس کے قتل کے بعد بھی ڈاکہ پڑ ہی گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی ہمت نہیں کرے گا۔ اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ شاید اس کے اعصاب پر بھی ناگوار اثر چھوڑ گیا تھا۔ بس اس بعد ہی سے اُس نے حماقتیں شروع کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد پولیس تیزی سے ت میں آ جائے گی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ کسی دوسرے کو پھانس کر خود اس چکر سے آزاد ائے۔ اس کے لئے نظر انتخاب میجر سعید پر پڑی تھی.... ہاں یہ تو بتا دوں کہ میں اُس رات ہی لٹیرے کے روپ میں سر سجاد کی کوٹھی کی طرف جا نکلا تھا، چونکہ اس کے گروہ کے لوگ ار تار جام ہی میں رہتے تھے اس لئے میں انہیں اطراف میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی پبلسٹی کرانے لئے ایک آدھ کیس شہر میں بھی کر جاتا تھا۔ بہر حال اس وقت سر سجاد کی طرف خیال بھی جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس لٹیرے کی کہانیاں سر سجاد کے کانوں تک بھی پہنچتی تھیں، مگر وہ ان دنوں نئے گرگے پھانسنے کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے ی ذات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر ہی ڈالی تھی۔ جب میں کھانا کھا کر رخصت ہو گیا تو اس وہ پلاٹ بنا ڈالا، جو کچھ دیر پہلے آپ کو سنا چکا ہوں، حملہ آور بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ اسے ای آدمی پر حملہ کرنا پڑے گا جس نے اُسے ملازم رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد پہلے ہی سے تیار تھا اس لئے بڑی آسانی سے حملہ آور کو قابو میں کر کے اس طرح غل غپاڑہ مچایا کہ

ملازموں نے کمروں سے نکلنے کی ہمت نہ کی! وہ پہلے ہی سے سہے ہوئے تھے کیونکہ لٹیرے کے چلے جانے پر سر سجاد نے کسی اندیکھے آدمی کو مخاطب کر کے کچھ اوٹ پٹانگ باتیں کی تھیں...
دوسری رات سر سجاد اتفاقاً ہاتھ نہیں لگا تھا بلکہ وہ سچ مچ میری ہی تلاش میں نکلا تھا اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی اور اس وقت کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں اس پر یقین نہ کر لیتا۔ اب آیئے میجر سعید کی طرف۔ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا اور اس سے کبھی ایک قتل بھی سرزد ہوا تھا۔ سر سجاد کے پاس اس کے خلاف بہتیرے ثبوت تھے اور اس نے اسے بلیک میل ہی کر کے اپنا بزنس پارٹنر بنایا تھا۔ اُسے شروع ہی سے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جسے وقت پڑنے پر کسی چکر میں پھنسا کر خود الگ ہو سکتا۔"

"مگر میجر سعید خود کو خطرے میں ڈال کر اس عمارت میں گھسنے کی کوشش کیوں کر رہا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"وجہ تھی! اگر نہ ہوتی تو سر سجاد اس قسم کا ڈرامہ کیوں اسٹیج کرتا۔ میجر سعید کا بلیک میل کرنے کا مواد کچھ کاغذات اور دستاویزات کی شکل میں تھا جس کے متعلق سر سجاد نے اُسے کہہ رکھا تھا کہ وہ انہیں ہر وقت ساتھ ہی رکھتا ہے۔ لہٰذا جب سر سجاد کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو اُس نے سوچا کہ وہ سب کچھ یقینی طور پر اس کے ساتھ کوٹھی ہی میں رہا ہوگا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لہٰذا وہ جان پر کھیل کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن وہ شخص جس کے کتے نے زیدی اور طاہر پر حملہ کیا تھا میجر سعید ہرگز نہیں تھا۔ خود سر سجاد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میجر سعید کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے کوٹھی کی نگرانی ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کہ وہ طاہر اور سعید سے ٹکرانے کے بعد نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد سعید آپھنسا۔ اس نے محض دھمکانے ہی کے لئے ٹامی گن سنبھال رکھی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے جھاڑیوں میں ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اُس نے صرف دھمکا کر نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال وہ پکڑ لیا گیا۔ گو اُس نے ڈکیتی کا اعتراف نہیں کیا لیکن پھر بھی کیا آپ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور مجرم ہوگا جب کہ اتنی وافر مقدار میں منشیات اس کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں اور وہ ڈائنامائیٹ قطعی طور پر رکھوائے گئے تھے جب کہ بینک کی ڈکیتی کا شبہ قوی تر ہو جائے۔ ادھر میں نے اپنی مہم تیز تر کر دی تھی۔ حمید کو ایسی جگہوں پر بھیجتا رہتا تھا جہاں اس کے گرگے اکٹھا ہوا کرتے تھے، خود بھی فریدی کی حیثیت سے اُن لوگوں کا تعاقب کرتا پھرتا تھا، مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سرگروہ یہی سمجھے کہ میں معمولی طریقوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ دوسری طرف لٹیرے کی حیثیت سے واقعی کام کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ تحریریں بھی تھیں، جو سرگروہ نے اکثر اپنے گرگوں کو بھیجی تھیں۔ میں ان کی فکر میں تھا۔ سر سجاد نے قریبی تعلق رکھنے والوں کی تحریریں چیک کرتا پھر رہا تھا۔ یہ بتا دوں کہ اس دوران میں سر سجاد کے ڈرامے میں بعض خامیاں نظر آ جانے پر میں اس کی طرف سے بھی غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے اس کی لائبریری میں بھی گھسنا پڑا۔ لیکن وہاں مجھے کچھ نہ مل سکا اور یہ بہت اچھا ہوا تھا کہ میں لٹیرے ہی کے روپ میں وہاں پہنچا تھا بعد میں یہی چیز کام آ گئی۔ کرائم رپورٹ کی وہ خبر میں نے ہی دی تھی اور یہاں دفتر میں لٹیرے والی حرکت کی پبلسٹی کا یہی مطلب تھا کہ یہ بات پھیلے۔"

"مگر مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے سچ مچ دو آدمی ٹکرا گئے ہوں۔" ایس۔ پی بولا۔

"ایکٹنگ ہی ٹھہری۔" فریدی مسکرایا۔ کرائم رپورٹ نے اس خبر کی تردید کر دی اور خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے وہ تحریر لٹیرے ہی کی طرف سے بھیجی گئی ہو، اس مقصد کے تحت کہ وہ نامعلوم آدمی مرعوب ہو کر بلیک میل ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی میں مختلف طریقوں سے اس کی پبلسٹی کراتا رہا تھا کہ نامعلوم مقتول کے پاس سرگروہ کے خلاف کافی ثبوت تھے، جو اب لٹیرے کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے ذریعہ اُسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگا۔ ادھر سر سجاد پر اچانک گٹھیا کے حملے نے بھی میرے شبہات کو مزید تقویت دی۔ میجر سعید کی گرفتاری کے بعد تو میدان ہی صاف ہو گیا تھا۔ سر سجاد نے سوچا کہ بس یہ اب آخری کانٹے یعنی لٹیرے سے بھی چھٹکارا مل جاتا تو بہتر تھا۔ ادھر میجر سعید نے تنہائی میں مجھے بیان دیا ہے اسے میں نے کسی کے علم میں نہیں لایا، اور اسے سختی سے منع کر دیا کہ میرے تجویز کردہ بیان کے علاوہ اور ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالے۔ ظاہر ہے کہ اب سر سجاد ہی میرا شکار تھا اور دوسری طرف سر سجاد لٹیرے کی تاک میں تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ لٹیرا اسی کے چکر میں ہے ورنہ اس کی لائبریری میں اس طرح کیوں گھستا۔ پچھلی رات جب اس نے سنا کہ وہ لائبریری میں موجود ہے تو گویا اسے تو منہ مانگی مراد ملی۔ اس عمارت کے نیچے بھی تہہ خانوں کا جال اس طرح بچھا ہوا ہے کہ ایک کمرے سے دوسرے میں بہ آسانی گذر ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ نے دیکھا ہی ہے۔ یہ تہہ خانے ایسے تھے کہ ان کی موجودگی کا شبہ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں دریافت نہ کیا جا سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ وہیں سے لوٹ کا مال بھی برآمد ہو گیا۔"

"میں کہتا ہوں میجر سعید کے بیان کے بعد اس ڈھونگ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

ایس۔پی نے کہا۔

"میجر سعید کا بیان کوئی عدالت اسی وقت تسلیم کرے گی، جب وہ دستاویزات پیش کی جائیں جن کے ذریعہ سر سجاد اُسے بلیک میل کرتا رہتا تھا لیکن سر سجاد نے تو انہیں اسی رات کو تلف کر دیا تھا جب میجر سعید کو پھانسنے کی اسکیم بنائی تھی۔ بہت ضروری تھا جناب کہ سر سجاد کو رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ورنہ اس کے خلاف ثبوت کہاں تھے ہمارے پاس۔ یہ کیس صرف وکلاء کی ذہنی جمناسٹک کا شکار بن کر رہ جاتا۔ کیونکہ سر سجاد نے اپنے قتل کے سلسلے میں جو فراڈ کیا تھا اُسے بھی ایک ذمہ دار آفیسر پر ظاہر ہی کر دیا تھا اور خود آفیسر ہی کے مشورے کی بناء پر روپوشی اختیار کی تھی۔ اتنے چالاک مجرم صرف ضابطے کی کاروائیوں سے قابو میں نہیں آیا کرتے ان کے ساتھ فراڈ بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہی ہے میرا عام طریق کار جسے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔"

فریدی خاموش ہو گیا.... اور اب سبھی خاموش تھے۔ حمید اس معصوم لڑکی کے لئے مغموم تھا جو اب شاید یہی سوچتی ہو کہ اے کاش اس کا باپ سچ مچ ہی قتل کر دیا گیا ہوتا۔

پھر.... تیسرے دن وہ آدمی بھی پکڑ لیا گیا، جو سراغ رسانی کے دفاتر کی خبریں سر سجاد تک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے لئے اُسے سر سجاد سے بھاری رقوم ملتی تھی۔ مگر وہ بھی اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ بس گروہ کی ایک لڑکی کے چکر میں پھنس کر وہ ضمیر فروشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔

حمید ان تحریروں کے متعلق الجھن میں تھا جو گروہ کی طرف سے مختلف لوگوں کو ملا کرتی تھیں۔ کیا وہ سر سجاد کی تحریریں ثابت ہو سکی تھیں؟ کئی دنوں بعد اسے معلوم ہو سکا کہ وہ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتا تھا اور بائیں ہاتھ کی تحریر داہنے ہاتھ کی تحریر سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ نڈر ہو کر بائیں ہاتھ کی تحریر کو پیغام رسانی کا ذریعہ بناتا تھا۔

ختم شد